ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۲۴

فَمَنْ اَظْلَمُ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں سنہ ۱۳۵۶ھ سے باقساط ماہ بماہ شائع ہو رہی ہے

...ن مولوی کے اصرار پر

toobaafoundation.com

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بکڈپو دیوبند

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند (یو۔پی)

چوبیسواں ۲۴ پارہ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ

سو اُس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو (یعنی قرآن کو) جبکہ وہ اس کے پاس (رسول کے ذریعہ) کیا

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ

پہنچی جھٹلائے کیا قیامت کے دن جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہوگا اور جو لوگ سچی بات لیکر آئے اور خود بھی اس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں

الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۚۖ لِيُكَفِّرَ

وہ جو کچھ چاہیں گے اُن کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے یہ صلہ ہے نیکو کاروں کا تاکہ اللہ تعالےٰ ان کا یہ صلہ ہوگا کہ

اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ان سے ان کے بُرے عملوں کو دور کردے اور اُن کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے

تفسیر کسی کو جانی مالی جسمانی ضرر پہنچانا بے جا ہے ظلم ہے۔ چوری ڈاکہ غبن بے ایمانی مار پیٹ قتل وغیرہ سب حق تلفی کی شاخیں ہیں۔ اسی طرح کسی کی عزت آبرو پر دست درازی کرنی بھی ظلم ہے۔ ناحق گالی دینی۔ کسی کی عصمت دری کرنی، کسی پر تہمت لگانی، بہتان تراشی کرنی سب اسی کی قسمیں ہیں۔ لگائی بجھائی کرنی، چغلی کھانی اور طرح طرح سے فساد پھیلانا اور بگاڑ پیدا کرنا تمام کی تمام انسانی مظالم کی مختلف صورتیں ہیں اور جتنے بھی ان سب کا مرتکب ظالم، حق کوش اور حق فراموش ہے لیکن اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ انسان مذہب کی آڑ میں جھوٹ بولے۔ کسی بات کو اللہ کا حکم قرار دیتے ہوئے اپنی نفسانی غرض کے حصول کے درپے ہو خودساختہ اور غرض پرداختہ اختراعات کو ضوابط الٰہیہ قرار دے یا اللہ کے متعلق اس کی مکر غلط ہو۔ خدا کی ہستی ذات یا صفات کے متعلق خود تراشی سے کام لے۔ مثلاً خدا کو بیوی بچوں والا قرار دے۔ اس کی الوہیت معبودیت خدائیت وحدانیت علم قدرت رضا وغیرہ میں کسی کو ساجھی سمجھے۔ کسی ولی نبی یا فرشتے کو اتنا بڑھا دے کہ خدا سے جا ملائے یا غلط طور پر اپنے کو اللہ کا مقرب ولی اور حامل وحی ہی ظاہر کرے۔ ان میں سے ہر ایک ظلم ہے۔ انسانی مظالم سے بڑا اور حق تلفی ہے انسانی حق تلفیوں سے زیادہ بڑی۔ لیکن اس سے بھی قبیح ناحق کوشی یہ ہے کہ اگر اللہ کی طرف سے کوئی خاص بندہ اللہ کا صحیح قانون لے کر آئے اور ظالم آدمی کو اس کی بے جا حرکات پر متنبہ کرے تو وہ نہ اُس پیغمبر کو مانے نہ کتاب صادق کو سچا جانے اس سے پہلے درجے تک گمراہی اور غلط روی کے مختلف مظاہر تھے لیکن حق کے انکار کی آمیزش نہ تھی باطل کا اقرار تھا اُس پر عمل تھا لیکن یہ اُمید باقی تھی کہ حق کے رونما ہونے کے بعد شاید باطل کی تاریکی دور ہو جائے لیکن ظہور حق کے بعد باطل پرستی پر قائم رہنا اور حق کو ٹھکرا دینا اور پیغمبر حق کو جھوٹا قرار دینا انتہا درجہ ترین ظلم ہے کہ اس کے بعد حق پذیری کی اُمید ہی باقی نہیں رہتی بس اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا ایسے ہی آدمی کو کافر حق اور منکر صدق کہا جا سکتا ہے۔ یہ بدترین فکری و عملی سزا کا مستحق ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے مقابل ایسے آدمی بھی ہیں جن کے افکار اور اعمال سچے قول و فعل سچا زندگی کے تمام اطوار سچے اور جب اللہ کی طرف سے اُن کے پاس پیام صادق آتا ہے تو وہ اس کو مانتے اور حق کا درجہ دیتے ہیں، دل سے سچ جانتے اور عمل سے مانتے ہیں ایسے لوگوں کو نظری اور عملی تقوی حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا کو اپنی زندگی کا ہر وقت نگراں جانتے اور اپنی ہر عمل دعوت کو اس کے سپرد

toobaafoundation.com

سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ بالکل ظاہر ہے کہ اُس شخص کا عقیدہ اور عمل بنیادی طور پر چونکہ درست ہوتا ہے اس لئے فردی فروگزاشتیں اور لغزشیں قابلِ عفو قرار پاتی ہیں بلکہ جس کو دنیا اس کا بدترین عمل کہتی ہے وہ بھی خدا کی نظر میں بدترین نہیں رہتا۔ اور جس عمل کو لوگ معمولی نیکی قرار دیتے ہیں اس کی اُس معمولی نیکی کو بھی اللہ بہترین خوبی قرار دے کر اعلیٰ جزا عنایت فرماتا ہے۔ جب اصل بنیاد درست اور سیدھی ہو تو اُس پر ایک اینٹ کی تعمیر بھی قابلِ پذیرائی اور فائدہ رساں ہو سکتی ہے اور ٹیڑھی بنیاد پر تعمیر کی ہوئی اونچی دیوار بھی آسمان تک ٹیڑھی ہی جاتی ہے۔ پس تصدیقِ حق اقرارِ صدق اور اصلاحِ عمل کے بعد اُس کی گزشتہ زندگی کا کوئی جرم خواہ کتنا ہی بڑا ہو ضرر رساں نہیں ہو سکتا۔

تحلیلِ اجزاء

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ

اس آیت میں چند امور حلِ طلب ہیں:۔ (۱) ظلم کیا ہے، ظالم کون ہے اور اظلم کون۔ (۲) کذب علی اللہ کیا ہے (۳) تکذیبِ صدق کیا ہے۔ گزشتہ آیات میں مشرک اور موحد کی تصویر کشی ایک مثال دے کر کی تھی اور صراحت فرمائی تھی کہ قرآن میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت میں موحد و مشرک اور مصدق و مکذب کا فرق دکھاتے ہوئے دونوں کی سزا جزا پر تبصرہ فرمایا ہے۔ فَمَنْ میں مَن اور اَلَیْسَ میں ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے۔ یعنی مشرک مکذب سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ ظلم کی تفصیل ہم آیت کے تفسیری مقالہ میں لکھ آئے ہیں۔ یعنی بے جا حرکت، حق کی خلاف ورزی۔ ادنیٰ لغزش سے لے کر اللہ کی ہستی کے انکار تک سب ہی بے جا حرکات اور حق کی خلاف ورزیاں ہیں لیکن باہم مدارج اور مراتب میں بڑا فرق ہے۔ ظلم کا سب سے اونچا درجہ کیا ہے سطورِ بالا میں ہم اس کی کافی وضاحت کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ کذب علی اللہ اور اللہ پر بہتان تراشی اور نازیبا صفات سے اس کو متصف قرار دینا مثبت ظلم ہے اور قرآن بلکہ اللہ کی تمام کتابوں اور صحیفوں اور ہدایت ناموں کا انکار یا ان کو غلط قرار دینا ظلم کی منفی شاخ ہے اور جب کسی شخص میں مثبت اور منفی ظلم جمع ہو جائیں تو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے۔ حقائقِ واقعیہ کا انکار اور واہیات غیر واقعیہ کو حقائق ماننا سمجھنا ظلم عظیم ہے۔ انسان کے خود ساختہ شرک آفریں عقیدے اور رسم و رواج سے تراشے ہوئے عملی آئین اور پھر ان کو خدائی تعلیم قرار دینا بڑا جرم ہے۔ پھر اللہ کے بھیجے ہوئے ہدایت ناموں اور دستور العمل کو خدائی احکام نہ قرار دینا یا قرار دیتے ہوئے ان کو انسانی زندگی کے لئے غیر مفید سمجھنا بھی ظلم کبیر ہے۔

رہے اس سے نیچے کے شقی جرائم تو وہ بھی برابر نہیں اور ہر ایک ظلم ہے اور ہر بے جا حرکت عقلاً قابلِ مواخذہ بھی ہے مگر اللہ نے اپنی رحمت سے مذکورہ بالا کذب و تکذیب کے علاوہ کسی جرم کو لازمی اور حتمی طور پر قابلِ مواخذہ نہیں قرار دیا بلکہ جہنم کا ٹھکانا مسکن اور قرارگاہ صرف کافروں کے لئے بنایا یعنی کافروں کے کفر کی وجہ سے دوزخ کو اُن کا مسکن تو ضرور قرار دیا باقی مسلم گناہگاروں کے لئے جہنم کو ٹھکانا نہیں بنایا۔ ہو سکتا ہے کہ اہلِ توحید کو اُن کی بداعمالی کی پاداش میں جہنم میں عارضی طور پر جانا پڑے جہنم ان کا ٹھکانا نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے جرائم معاف فرما دیئے جائیں دوزخ سے وہ بالکل ہی محفوظ رہیں۔

رہا یہ بات کہ کن کن عقائد و اعمال سے اللہ پر بہتان تراشی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں ان گنت ہیں جو تمام دنیا کے مذہبی فرقوں میں موجود ہیں۔ غیر اللہ کی پرستش کو تعلیمِ خداوندی قرار دینا خواہ بہ نیتِ الوہیت ہو یا بامیدِ تقربِ خدا یا بتوقعِ نجات اللہ پر تہمت بندی ہے۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز چڑھاوے چڑھانے کو ہدایتِ الٰہیہ کہنا بھی یہی ہے۔ یا فرضی دیوتا کو حاضر اور کارساز جان کر پکارنے کو تعلیمِ خداوندی قرار دینا، کسی کو اللہ کی اولاد بنانا، اللہ کے ہدایت ناموں میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا کر کے اصل کتاب میں پیش کرنا ہر صورت کذب علی اللہ کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن چیزوں کی اللہ نے تعلیم نہیں دی ان کو الٰہی تعلیم خیال کرنا بہتان علی اللہ کا سرچشمہ ہے جس سے بہت سی دوسری نہریں پھوٹ کر بہتی ہیں۔ باقی لفظ صدق اگرچہ عمومی حیثیت میں ہر واقعی خبر کو شامل ہے مگر آیت میں خبرِ نبوت، اعجازِ نبوت، قرآن مراد ہے، دوسری اطلاعات جو بعض انسان کی دماغی تخلیق ہوں مراد نہیں۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ اس آیت کا مفہوم گزشتہ آیت کے مفہوم کے برعکس ہے۔ تشریحِ آیت میں اہلِ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض اہلِ تفسیر نے جَاءَ بِالصِّدْقِ اور صَدَّقَ بِهِ کا فاعل جدا جدا قرار دیتے ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک

toobaafoundation.com

دونوں کا فاعل ایک ہی ہے۔ اول شق کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک سچائی کو لانے والے رسول اللہؐ اور اس کی تصدیق
کرنے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ مجاہد نے کہا کہ سچائی کو لانے والے سے مراد حضور والا کی ذات گرامی ہے اور تصدیق کرنے والے سے مراد حضرت
علی ہیں۔ قتادہ، مقاتل اور ابن زید کا قول ہے کہ اول سے مراد یقیناً حضورؐ ہی کی ذات ہے اور دوم سے مراد تمام اہل ایمان ہیں۔ ہمارے نزدیک
ان تینوں اقوال میں کچھ اختلاف نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر یا حضرت علی ہی میں تصدیق بالقرآن کا حصر کر دینا کسی کا بھی مقصود نہیں۔ لیکن جوانوں میں سب
سے پہلے حضرت ابوبکر نے تصدیق کی تھی اور بچوں میں سب سے اول سچ جاننے والے حضرت علی تھے اور آخر میں تصدیق کرنے والے تمام اہل ایمان
ہیں اس لئے ہر قول کا محمل الگ الگ ہے کسی نے بلوغ مصدق کو پیش نظر رکھا کسی نے طفولیت کو اور کسی نے مآل کار کو۔ خاص مورد بیان کرنا
کسی کا بھی مقصود نہیں کیونکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اولئک اسم اشارہ جمع کے لئے ہے۔ ھُم بھی ضمیر جمع ہے اور المتقون بھی جمع کا صیغہ ہے
اگر وحدت مورد میں حصر کرنا مقصود ہوتا تو پھر مشار الیہ اور مرجع کی وحدت کے لحاظ سے اشارہ اور ضمیر اور خبر سب کو واحد ہی ہونا چاہئے
حاصل تشریح یہ کہ صدق بہ سے کوئی خاص شخص مراد نہیں۔ ہاں اس کا اولین مصداق جوانوں میں حضرت ابوبکر اور بچوں میں حضرت علی تھے
دوسری شق پر جاء بالصدق اور صدق بہ کا فاعل ایک ہی ہے اور عام اہل ایمان مراد ہیں۔ صدق کو لانا اور اس کو سچ ماننا
ایک ہی شخص کی دو صفتیں ہیں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کی ذاتی صفت صدق ہے اور جب قرآن کا نزول ہو گیا
تو اس کو بھی انہوں نے سچ جانا۔ ایسے ہی آدمی متقی ہیں۔ شیخ ابن جریر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ مومن کی طینت اور افتاد
طبع ہی صدق کی حامل ہوتی ہے۔ اس کی سرشت ہی اللہ پر بہتان تراشی اور افترا بندی سے گریز کرتی ہے۔ وہ فطرتاً قول و عمل سے سچائی
کو ہی پیش کرتا ہے۔ یہ تو اس کی ذاتی صلاحیت ہوتی ہے۔ پھر جب اللہ کی کتاب اس کے سامنے آتی ہے تو وہ اس کو سچا جانتا اور مانتا ہے۔
حقیقت میں فطری اور عملی تقویٰ ایسے ہی آدمی کو حاصل ہوتا ہے۔ ابراہیم نخعی کا ایک قول مروی ہے کہ آیت میں تمام مومن مراد ہیں ہر مومن
قرآن کی تصدیق کرتا ہے اور قیامت کے دن اسی سچے قرآن کو پیش کرے گا۔ گویا جاء بالصدق سے مراد ہے قیامت کے دن قرآن کو پیش کرنا۔
ہمارے نزدیک نخعی کا یہ قول ضعیف ہے۔ نہ سیاق کلام اس کی تائید کرتا ہے۔ نہ گزشتہ آیت

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ - اس آیت کے تین ٹکڑے ہیں۔ (۱) لہم ما یشاؤن (۲) عند ربہم
(۳) المحسنین۔ اول فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا اہل تقویٰ جو کچھ چاہیں گے ان کو ملے گا۔ یعنی اللہ کی طرف سے جن نعمتوں کا بیان
قرآن میں آچکا ہے وہ تو بہرحال ملیں گی ان کے علاوہ بھی لینے والے کی مشیت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ جو کچھ اس کی مرضی ہوگی وہی اس کو ملے گی
گویا جس طرح انہوں نے اللہ کی مرضی کے موافق اپنی زندگی گزاری تھی اسی طرح آخرت میں ان کی مرضی کے موافق اللہ ان کو جزا عنایت
فرمائے گا اسی لئے آخری ٹکڑے میں ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا کہ اہل احسان اور مرضیٔ الٰہی کو ہر قول و عمل میں پیش نظر رکھنے
والوں کی یہی جزا ہوگی۔ زندگی میں وہ اللہ کے رضا جو رہے آخرت میں اللہ ان کو خوشنود کر دے گا۔ دوسرے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ
آخرت میں اللہ ان کی مرضی کے موافق جزا دے گا یعنی ان کو جزا آخرت میں ملے گی۔ دنیا میں ہمیشہ راحت و عیش دینے کا وعدہ نہیں۔ ہو سکتا
ہے کہ کچھ اہل احسان اس زندگی میں بھی عیش و راحت اور دولت و شوکت کے ساتھ گزارا کریں اور کچھ نیک لوگ یہاں دکھوں میں مبتلا رہیں
لیکن آخرت میں حسب مرضی ہر چیز ان کو حاصل ہوگی۔ پھر یہاں تو قدرتی رنج و راحت بغیر ظاہری اسباب کے کسی کو نہیں پہنچتا۔ سورج نکلتا
ہے روشنی ہوتی ہے پانی برستا ہے۔ کھیتی پیدا ہوتی ہے۔ آدمی تجارت یا کھیتی باڑی کرتا ہے تو نفع نقصان پہنچتا ہے۔ جوانی آتی ہے کمزوری
جاتی ہے۔ جوانی جاتی ہے کمزوری آتی ہے۔ لیل و نہار کا چکر، بہار و خزاں کا تبادل، موسموں کا تغیر، حکومتوں کے مظالم یا عدل و انصاف غرض
تغیر حالات کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے لیکن آخرت میں یہ ظاہری ذرائع مفقود ہوں گے۔ بے منت خلق سب کچھ ملے گا۔ اللہ کے ہاتھ میں
بمناسبت سزا و جزا ہوگی۔ تیسرے فقرے سے دو باتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ اول یہ کہ اللہ کی یہ عنایت برحمت اہل احسان کے اعمال کے
بدلے میں ہوگی۔ یعنی اللہ کسی کے نیک اعمال کو ضائع نہیں فرمائے گا جزا ضرور دے گا۔ دوم یہ کہ محسنین اور متقین سے مراد ایک ہی قسم کا

toobaafoundation.com

گروہ ہے۔ تقویٰ اور احسان ایک ہی چیز ہے۔ پہلی آیت میں جن لوگوں کو متقی فرمایا تھا اس آیت میں انہیں کو محسن قرار دیا۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ آیت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ تقوے کے نتیجہ میں اللہ متقیوں کے بدترین گناہ معاف فرما دے گا اور بہترین عمل کی جزا دے گا۔ اس مطلب پر یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ بدترین گناہ کی معافی اور بہترین عمل کی جزا سے درمیانی اور نچلے درجہ کے گناہوں کی معافی اور کم حسن والے اعمال کی جزا ملنی لازم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سب سے بڑا گناہ معاف کر دیا جائے باقی گناہ معاف نہ کئے جائیں اور بہترین نیکیوں کی جزا مل جائے کم رتبہ نیکیوں کی جزا نہ ملے اس اعتراض سے بچنے کے لئے عام اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اسوء اور احسن اگرچہ تفضیل کے صیغے ہیں لیکن تفضیلی معنی مراد نہیں عام بدی اور نیکی مراد ہے۔ خطیب نے سراج میں مطلب کی جو تشریح کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسوء اور احسن تفضیل کے صیغے ہیں اور تفضیلی معنی ہی مراد ہیں اور باحسن میں بار تقابل کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی اللہ بدترین عمل کو معاف کر دے گا۔ جب بدترین عمل معاف کر دیا گیا تو معمولی گناہ کی معافی بدرجۂ اولیٰ لازم ہے لیکن یہ بدترین گناہ حالتِ اسلام کا مراد ہے یا اسلام سے پہلے کا بظاہر دونوں ہی کا مراد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کے بعد حالتِ کفر کے گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں بہر صورت معاف ہو جاتے ہیں۔ صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے لیکن دورِ اسلامی کے گناہوں کی معافی بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ تصدیق صحیح اور ایمانِ صادق کے بعد کوئی جرم قابلِ گرفت رہتا ہی نہیں ہے۔ لیکن اس سے ہر مسلمان کو ہر گناہ کی کھلی اجازت مل جاتی ہے اس لئے گناہوں کی معافی سے حالتِ کفر کے گناہوں کی معافی مراد لینی بہتر ہے۔ رہا دوسرا فقرہ تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نیکوں کو نیکی کا اجر تو بہر حال دے گا لیکن کتنا اس کا معیار بہترین عمل ہے۔ بہترین عمل کی جزا دس گنا سے سات سو گنا تک مقرر ہے اور حدیث میں وارد ہے۔ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر نیکی کی جزا کم سے کم دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملے گی اور اس سے آگے خدا کی رحمت ہے جتنی بھی عنایت کرے پس آیت کا مطلب اس طرح ہوا کہ اہلِ تقویٰ کو اللہ اُن کی نیکی کا اجر عطا فرمائے گا۔ سب سے اچھے عمل کے اجر کے برابر، یہ تفسیر مقاتل سے بھی مروی ہے۔

میرے نزدیک دونوں آیتوں کی ایک لطیف توضیح اور بھی ہے۔ یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ بدترین گناہ کفر ہے اور بہترین نیکی خالص اسلام پس اسوء سے مراد کفر اور احسن سے مراد اسلام ہے۔ اب مطلب صاف ہوگیا کہ متقین اور محسنین کو اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ کفر کی کوئی سزا نہیں دے گا اور اسلام کی پوری پوری جزا ملے گی اور خوب ترین جزا۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان

اللہ پر بہتان تراشی کرنی اور الٰہی ہدایت نامہ کا انکار بدترین جرم ہے۔ صدق طینت اور ہدایتِ الٰہیہ کو ماننا حقیقی تقویٰ ہے۔ لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ سے در پردہ ہدایت مل رہی ہے کہ دنیوی زندگی میں اللہ کی رضا جوئی لازم ہے تاکہ آخرت میں اللہ بندہ کی مشیت و رضا کے موافق عنایت فرمائے۔ آیت جَآءَ بِالصِّدْقِ میں هُمُ الْمُتَّقُوْنَ کہنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ تقویٰ کا مدار دو چیزوں پر ہے اول صدق طینت اور صلاح طبیعت دوسرے اعترافِ حق۔ آیت لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ جس قدر یقین توحید میں پختگی اور عقیدہ میں استحکام ہوتا جائیگا اُسی قدر گناہوں کی مغفرت ہوتی جائے گی یہاں تک کہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ مومن ہونے سے آدمی گناہوں سے معصوم نہیں ہو جاتا، مومن سے گناہ کا ارتکاب ہوسکتا ہے لیکن اگر کسی کے دل میں سچی تصدیق موجود ہو تو یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اللہ نے اس پر بڑی عنایت فرمائی ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے وغیرہ۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت) کیلئے کافی نہیں اور یہ لوگ آپکو ان (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا (تجویز کر رکھے ہیں)

toobaafoundation.com

لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ

اور جسکو خدا گمراہ کرے اُس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو وہ ہدایت دے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا خدا تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں ہے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا

اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے آپ (اُن سے) کہئے کہ بھلا

تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي

پھر یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اُس کی دی ہوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اُس کی عنایت کو روک سکتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لئے خدا کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ يَأْتِيهِ

کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب

عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ۝

آیا چاہتا ہے جو اُس کو رُسوا کر دے گا اور (بعد مرگ) اس پر دائمی عذاب نازل ہو گا

تفسیر

انجام بین حیاتِ آخرت پر غور کرنے والے آدمی کم ہیں۔ ان دیکھی زندگی اور اُس کی کیفیات کس کے سامنے ہیں۔ بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں سوچ بچار کی طاقت پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ صرف ظاہری حیوانی حواس کام کر رہے ہیں اور ان آلات شعور میں نظر و فکر کی طاقت نہیں۔ پھر غیر مرئی کو مرئی کیسے مان لیا جائے۔ ہاں یہ زندگی اپنی تمام تر کیفیات کے ساتھ نظروں کے سامنے ہے لیکن اس میں بھی خدا کی شکل کہیں نہیں دکھائی دیتی۔ کیف و کم اور زمان و مکان کی ہر قید سے آزاد خدا کہاں دکھائی دے۔ کیسے دکھائی دے اور کب دکھائی دے۔ جو خدا چھوا نہ جائے دیکھا نہ جائے چکھا نہ جائے سُنا نہ جائے پکڑا نہ جائے سونگھا نہ جائے اس کو کون جانے کون مانے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو وہ کس کام کا۔ سینکڑوں ہزاروں معبودوں کے مقابل رہ کیا کر سکتا ہے اور کر بھی سکے تو اس کو اطلاع کس طرح ہو۔ اطلاع ہو بھی سکے تو اس کو خبر ہونے تک ان دیوتاؤں کی ناراضی ہم کو برباد کر کے رکھ دے گی۔ وقت پیچھے اس کی مدد ہمارے کس کام کی۔ کھیتی سوکھنے کے بعد برسات بے کار اس لئے یوجود کہتے ہوئے خداؤں کو اور ڈر دیفلی اور علوی معبودوں کی ناراضگی ہے۔ اس قسم کے شیطانی وسوسے جو مکڑی کے جال سے زیادہ بودے ہیں کور بصیرت نارسا ذی الفہم لوگوں کے دماغوں پر چھائے رہتے ہیں جن کے زیر اثر وہ خود بھی مورتیوں، صورتیوں، پتھروں، دریاؤں، درختوں، ستاروں، مٹی کے ڈھیروں اور موہومی خداؤں سے ڈرتے ہیں۔ دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو نہیں معلوم کہ ہدایت اور گمراہی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو خدا ہدایت کرنی چاہے اُسے کون گمراہ کر سکتا ہے اور جس کو خدا ہی راستے پر نہ چلائے اور جینے کی توفیق نہ دے اُسے کون بچا سکتا ہے۔ ہر قسم کا نفع نقصان اُسی کے قبضہ میں ہے۔ خدا دُکھ دے تو کون سکھ دے اور خدا سکھ بخشے تو کون چھینے دیکھو سب سے پوچھ دیکھو کہ آسمان زمین کس نے بنائے۔ یہ چمکتے دمکتے تارے کس نے رچائے۔ یہ لہلہاتا سبزہ اور ہر یالی کی بیل مرغزار کس نے اُگائے

toobaafoundation.com

کس نے بڑھائے اور کس نے پھیلائے۔ کیا اکیلا خدا اپنے پرستار کے لئے کافی نہیں، کیا کسی اور نے اس کو پیدا کیا پرورش کی۔ جسمانی دماغی اور روحانی تربیت دی۔ زندگی کے قدم قدم پر اُس کی دستگیری کی۔ وہ اللہ ہے اپنے عبد کی خبر رکھتا ہے۔ اس کے سوا کون ہے جو کارسازی کر سکے اہلِ ایمان کسی مخلوق پر بھروسہ نہیں کیا کرتے ہیں۔ ان کا بھروسہ صرف خدا پر ہوتا ہے۔ اللہ کے علاوہ وہ کسی کے ہاتھ میں بناؤ بگاڑ نہیں جانتے یہ روشن دلائل اور واضح ثبوت بھی اگر بدفہم لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے تو تبدیلِ خیال اور تغیرِ اعمال پر جبر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو اپنا اپنا اختیار ہے جس کا جس راہ پر دل چاہے چلے۔ دنیا اور آخرت میں خود معلوم ہو جائے گا کہ دُکھ کس پر آتا ہے۔ خدا کو ناخوش کر کے دیوتاؤں کی خوشی حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں پر یا دیوتاؤں کو پلئے استغفار سے ٹھکرا کر اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے والوں پر۔ بہر حال ان دیوتا پرستوں پر دنیا میں بھی ایسا عذاب آئے گا جو اُن کو ذلیل کر دے گا اور آخرت میں بھی ان کا دُکھ لازوال اور دائمی ہوگا۔

تحلیلِ اجزاء

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ دلائل کی روشنی میں توحید کا ثبوت ہو چکا۔ مصدق و مکذب کا فرق کر کے دونوں کی سزا جزا کا بیان بھی کر دیا گیا۔ شرک کے کمزور جال کا تانا بانا بکھیر دیا لیکن انسانی ہستی کو نہ سمجھنے والے کم حوصلہ، استقامت اور عزم سے محروم سطح بین کوتاہ نظر کور مقلد دلائلِ عقلیہ براہینِ نظریہ اور شواہدِ نظریہ سے مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کے دل و دماغ شیطان کی جولانگاہ ۔۔۔ بنے ہوتے ہیں۔ ان کو خدا کی ہمہ گیر طاقت عظمت حکمت کچھ بھی سجھائی نہیں دیتی۔ وہ تقلیدِ اسلاف اور توہم پرستی کے گندے نالے میں ایسے ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہر فرضی دیوتا ہر بے حس بے بس بے جان معبود اُن کو اپنا کارساز اور نفع نقصان کا مالک نظر آتا ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے دربدر کی گدائی چھوڑ کر ایک در کو پکڑ لیا تو پھر ان لاکھوں معبودوں کے خشم عتاب سے ہم کو کون بچائے گا، کون دستگیری کرے گا، کون دُکھ سُکھ میں کام آئے گا۔ ہم کو یہ معبود اور دیوی دیوتا ہلاک کر دیں گے، برباد کر دیں گے۔ یہ طاغوتی وسوسے ہر جاہل کم بین کور بصیرت زنگ آلود دانش والے کے دماغ میں آتے ہیں اور راہِ حق پر چلنے سے روکتے ہیں۔ اس طرح کے وسوسوں اور دغدغوں کو دور کرنے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا۔

خطیب نے سراج میں جو سببِ نزول لکھا ہے وہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ خطیب نے لکھا ہے کہ مشرکینِ قریش نے حضور والا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ہمارے معبودوں کو بُرا کہنے سے آپ باز آجایئے ورنہ ہم آپ کو دُکھ پہنچائیں گے اور ممکن ہے آپ کو جنون ہو جائے (اور آپ پر دیوتاؤں کی مار پڑے) بعض تفسیروں میں بسلسلۂ نزول یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ خالد بن ولید عزّٰی (ایک دیوی کا نام) کو توڑنے کے لئے بحکمِ حضور پہنچے تو پجاری نے کہا۔ آپ عزّٰی دیوی کے پاس بھی نہ جانا ان کا مزاج بڑا غضب ناک ہے۔ خدا کے واسطے اپنی جان کو بچایئے۔ حضرت خالدؓ نے جھلا کر عزّٰی کی ناک توڑ دی اور پھر اکھاڑ کر پھینک دیا۔ بعض مفسرین نے اوّل شانِ نزول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اگر آیات کا نزول حضرت خالدؓ کے متعلق ہوتا تو اگلی آیت میں یخوفونک سے خطاب رسول اللہ کو نہیں کیا جاتا۔ میرے نزدیک یہ قول قوی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خالد کا واقعہ بھی ہوا ہو اور حضورؐ کو بھی مشرک دیوتاؤں سے ڈراتے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہوئے ہوں۔ کسی واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے بعد چند آیات کے نزول سے ہمارے نیک اسلاف کو موردِ نزول ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اور وہ صرف اُسی پیدا شدہ واقعہ کو موردِ نزول قرار دینے لگتے ہیں۔ حالانکہ اکثر مواقع نزول میں ایسا نہیں ہوتا۔ پھر یہ تو تفسیر کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ مورد کی تخصیص سے حکم کی تخصیص نہیں ہو جاتی۔ موردِ نزول کی طرح جہاں اور جب بھی کوئی واقعہ ہوگا وہ آیات کے مورد ہی کے حکم میں داخل سمجھا جائے گا۔ اس لئے کسی قصہ کو خصوصی مورد قرار دے کر اُسی زمانے کے اُسی طرح کے واقعہ کے مورد ہونے کا انکار زیبا نہیں۔ حاصلِ ارشاد صاف ہے کہ اپنے بندہ کے لئے اللہ کافی ہے۔ یعنی اول اللہ کا بندہ ہونا ضروری ہے۔ جذبۂ عبدیت کامل ہو۔ اس کے پیشِ نظر صرف اللہ کی فرمانبرداری ہو۔ پھر وہ اپنی ہر علمی جسمانی روحانی طاقت کا رُخ اللہ کی طرف کر دے اس وقت اللہ ہر طرح اس کی مدد کرتا ہے۔

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔ یہ عقیدہ کمزور خیال وہم پرست آدمی خدا اور خدا کی طاقت سے تو ناواقف ہوتے ہیں اُن کا جھکاؤ اپنے ساختہ پرداختہ خداؤں کی طرف ہوتا ہے۔ انہی کے ہاتھوں میں وہ دکھ سکھ اور نفع نقصان کی طاقت جانتے ہیں۔ اس لئے جو اُن کے خود تراشیدہ

toobaafoundation.com

معبودوں کی بے بسی اور بے بسی ظاہر کرتا ہے۔ اس کو وہ اپنے دیوتاؤں کے عتاب سے ڈراتے ہیں۔ کسی سے کہتے ہیں کہ ان کو ناراض کیا تو تمہیں چٹ کر دیں گے۔ کسی سے کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں دولت ہے علم ہے صحت ہے یہاں تک کہ زندگی اور موت ہے۔ ان کو خوش رکھو بھینٹ دو نیاز دلاؤ منتیں مانو۔ ورنہ یاد رکھو ان کی ناخوشی تم کو مفلس کر دے گی، بیمار بنا دے گی، پاگل ہو جاؤ گے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ گے۔ کم بخت خود تو باطل پرست گمراہ ہوتے ہی ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ پس ایسے کجروؤں کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے۔ جس کو اللہ ہدایت کی توفیق نہ دے اُس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ خبث طینت اور نجاست طبع کے ہاتھوں وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ خدا بھی ان کو گمراہ چھوڑ دیتا ہے۔ زبردستی کسی کے فطری اختیار کی صلاحیتیں چھین کر راہ راست پر لانا خدا کا شیوہ نہیں۔ جب خدا کسی کی خیر و شر کی سرشتی طاقت سلب نہیں کرتا تو پھر کون طینت شر کو بدل سکتا ہے

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ۔ اور جس کو خدا ہدایت یاب فرمائے یعنی جس کے دل میں اللہ ہدایت یاب ہونے کی تخلیق فرما دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ ہدایت کو مٹا کر گمراہی کو کن کے دل میں پیدا کرنے کی کس کو مجال ہے۔ تخلیق کام تو خدا ہی کا ہے۔ رہی یہ بات کہ جھوٹے معبود ناراض ہو کر ضرر پہنچائیں گے اور خدا کی ناراضگی اور نافرمانی کے باوجود ان موہومی دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ۔ کیا اللہ سب جہان پر غالب نہیں اور کیا وہ عذاب نہیں دے سکتا۔ یعنی اس کو ہمہ گیر قوت حاصل ہے۔ وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے اور جس سے چاہے انتقام لے سکتا ہے۔ پھر اس کی ناراضگی پر مطمئن رہنا اور دیوتاؤں کی ناخوشنودی سے ڈرنا محض حماقت اور خود فریبی ہے۔ غور طلب یہ حقیقت ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ تخلیق عالم اور تصرف تام دونوں صفتیں اللہ ہی کی ہیں۔ اول کا ثبوت یہ کہ اگر ان ہی مشرکوں سے کوئی دریافت کرے کہ یہ ساری کائنات کس نے بنائی تو جواب میں یہ بھی ضرور کہیں گے کہ اللہ نے بنائی یعنی ان کو بھی اللہ کے خالق کائنات ہونے کا اقرار ہے تو اللہ کی ہمہ گیر طاقت کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ منکر بھی اس کے اقرار پر مجبور ہے۔ پس جب آسمان و زمین یعنی کل سنسار کو پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں تو مشرکوں کے فرضی خدا بھی اللہ ہی کی مخلوق قرار پائے۔ کائنات سے باہر تو وہ نہیں ہیں اور مخلوق ہونا بے بسی اور عجز کی علامت ہے جو خود اپنی ہستی کے لئے دوسرے کا محتاج ہو وہ خدا کے مقابلہ میں کسی کو نفع ضرر کس طرح پہنچا سکتا ہے۔ وہ اپنے وجود کا خود ہی سازندہ نہیں تو دوسروں کا کارساز کیسے خود اختیاری کے ساتھ بن سکتا ہے۔ دوسری بات کا ثبوت یہ ہے کہ۔

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ۔ اگر اللہ کسی کو دکھ دینا چاہیں تو یہ منہ بولے دیوتا اس کو دفع نہیں کر سکتے۔ اور اگر اللہ کسی پر مہربانی کرنی چاہے تو وہ روک نہیں سکتے۔ اللہ کے ہمہ گیر اقتدار اور ان فرضی منہ بولے دیوتاؤں کی بے بسی اور کمزوری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ پس جب کسی کا نفع و ضرر ان کے قبضہ میں نہیں تو پھر اُن سے ڈر کس بات کا اور کس بنیاد پر۔ آیت میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ ۱۔ هن کاشفات اور هن ممسکات مونث کے صیغے ہیں۔ چونکہ عرب کے بت اکثر عورتوں کی شکل کے تھے۔ عزیٰ جس کو خطیب نے نزول آیت کا سبب قرار دیا ہے اور حضرت خالد کی روایت میں بھی اسی کا تذکرہ آیا ہے۔ لات و منات وغیرہ مونث ہی کے صیغے ہیں اور یہ مورتیاں عورتوں ہی کی شکل کی تھیں۔ ان کے علاوہ بعض قبائل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر پوجتے تھے۔ اس لئے آیت میں مونث کے صیغے اور ضمیر یں استعمال کی گئیں۔ ایک عام جواب یہ بھی ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسری کائنات کے پجاری علوی اور سفلی مخلوق کی پوجا کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اور یہ تمام کائنات بحیثیت جماعت مونث ہی ہے اس لئے عالم کے لفظ کو چھوڑ کر باقی جتنے الفاظ بھی اس کائنات کے لئے مستعمل ہیں وہ مونث ہی ہیں۔ مثلاً لفظ کائنات، ممکنات دنیا اسی جہان کو پیرزال اور عجوز (بڑھیا) سے تشبیہ دینی بھی اسی مناسبت سے ہے۔ ۲۔ بضر اور برحمۃ میں تنوین تحقیر کے لئے ہے۔ یعنی ادنیٰ دکھ اور کمتر ین رحمۃ یا تعمیم کے لئے یعنی کسی طرح کا دکھ اور کسی قسم کی رحمت واللہ اعلم۔ حضرت

toobaafoundation.com

ابن عباس نے فرمایا حضور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا۔ لڑکے اللہ کو یاد رکھنا وہ تیری نگہبانی فرمائے گا۔ اللہ کو یاد رکھنا اس کا رُخ تو اپنی طرف پائے گا۔ عیش کی حالت میں تو اس کی معرفت رکھنا رنج کی حالت میں وہ تیری نگہداشت کرے گا۔ اگر کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگنا۔ اللہ ہی سے مدد طلب کرنا خوب جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے دُکھ پہنچانے پر اکٹھے ہو جائیں اور خدا نے تیرے لئے دُکھ نہیں لکھا ہے تو تجھے دُکھ نہیں پہنچا سکتے اور اگر سب تجھ کو نفع پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں اور خدا نے تیرے لئے نفع نہیں لکھا ہے تو نفع نہیں پہنچا سکتے۔ تقدیر کی تحریریں سوکھ گئیں، قلم اُٹھا لئے گئے۔ یقین کے ساتھ تم کو اللہ کے شکر کے واسطے کام کرنے چاہئیں۔ خوب جان لے جو امر تیرے نفس پر شاق ہے اس پر صبر کرنے سے تیرے واسطے بہتری ہے۔ صبر سے کامیابی ملتی ہے۔ تکلیف سے کشائش حاصل ہوتی ہے اور سختی کے ساتھ آسانی ہوتی ہے۔ (ابن حاتم)

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جب یہ تمام وہمی تراشیدہ خدا بے بس ہیں تو پھر ان کی مجھے کیا پرواہ۔ یہ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اللہ میرے لئے کافی ہے اور میرے ہی لئے فقط نہیں بلکہ بھروسہ کرنے والے اہلِ ایمان اسی کا بھروسہ رکھتے ہیں اور وہ سب کی مدد کرتا ہے۔ حضرت ہود کے قصہ میں وارد ہے کہ ہود سے ان کی قوم نے کہا۔ ہمارا یقین ہے کہ دیوتاؤں نے تمہارا دماغ پاگل کر دیا ہے۔ ہود نے جواب دیا میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ تم اور تمہارے دیوتا سب مل کر میرے مار ڈالنے کی فکر کرو اور ذرا بھی مُہلت نہ دو۔ مجھے اپنے رب کا بھروسہ ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہر جاندار کی جان اسی کے قبضہ میں ہے۔ گرہستی سے منہ موڑ کر سادھوؤں کی زندگی پسند کرنے والے صوفیوں نے اس آیت سے اندھے توکل کی تعلیم پر استدلال کیا ہے مگر یہ ان کی کج فہمی ہے۔ رہبانیت اور ترکِ دنیا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ نہ آیت میں اس کا کوئی ثبوت ہے نہ حدیث میں۔ مقصد تو یہ ہے کہ مومن اگرچہ دنیوی تدبیر اور اسباب کی فراہمی کرتا ہے مگر اس کا بھروسہ کسی چیز پر نہیں ہوتا۔ وہ نفع و ضرر کا مالک کسی کو نہیں جانتا۔ اس کو ہر چیز میں اللہ کی کار فرمائی اور حکومت نظر آتی ہے اس لئے اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ پر ہوتا ہے اور اسی کو وہ اپنے لئے کافی سمجھتا ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ شخص سب سے زیادہ طاقتور ہونا پسند کرتا ہو۔ اس کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اور جو سب سے زیادہ تونگر ہونا چاہے اس پر لازم ہے کہ جتنا بھروسہ اس کو اپنے ہاتھ کے مال پر ہو اس سے زیادہ بھروسہ اس چیز کا ہو جو اللہ کے دستِ قدرت میں ہے اور جو ان سب سے زیادہ بزرگ ہونا چاہے اس کو اللہ سے تقویٰ رکھنا چاہیئے (رواہ ابن ابی حاتم) اس حدیث سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ مومن کے لئے اپنی ذات اور مال پر بھروسہ کرنے سے زیادہ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ کسی طرح بھی ترشح نہیں ہوتا کہ اعضاءِ جسم کا استعمال اور حصولِ مال کی کوشش ترک کر دینی چاہیئے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۔ اس آیت میں کافروں کو وعید و تہدید ہے۔ اعملوا اگرچہ صیغہ امر ہے مگر مفہوم تہدید اور توبیخ کا ہے۔ جب ہٹ کو کوئی روشن دلیل باطل پرستی سے نہ روک سکی اور ہدایت کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہا تو آخر بطور زجر فرمایا کہ تم اپنے طریقہ پر کام کئے جاؤ میں اپنے طریقہ پر عمل پیرا ہوں۔ یعنی میرا راستہ الگ تمہارا راستہ الگ۔ رہی دیوتاؤں کی خوشی ناخوشی اور دکھ سکھ تو

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ ۔ تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کس پر خوار کرنے والا دُکھ آئے گا اور آخرت میں۔

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۔ اٹل عذاب کس پر نازل ہو گا۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ دنیا میں خواری کرنے والا عذاب آئے گا اور اگر نہ آیا تو آخرت میں بہر طور اٹل عذاب ضرور آئے گا۔ یہ تفسیری مطلب بالرائے ہے اور غلط ہے۔ کیونکہ دونوں جملوں میں واو عاطفہ جامعہ موجود ہے جس سے دونوں عذابوں کی دھمکی دی گئی ہے۔ اَو نہیں کہ اول نفی کی صورت میں دوسرے عذاب کا تحقق ہو گویا آیت میں دھمکی کے ساتھ پیش گوئی بھی ہے کہ تم دیوتاؤں کو خوش کرنے کے درپے ہو۔ مگر سمجھ لو اللہ کا عذاب دنیا میں ہی تم پر آئے گا اور اس کو دیوتا

toobaafoundation.com

دفع نہ کر سکیں گے۔ اس قول کی سچائی تم کو خود معلوم ہو جائے گی۔

مقصودِ بیان

زندگی کے تمام اوقات میں بندہ کا بھروسہ اللہ پر ہی ہونا چاہیئے۔ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے۔ ولئن سالتھم سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور کے زمانے کے مشرک بھی اللہ کو خالقِ کائنات جانتے تھے۔ اس آیت سے اللہ کی عمومی خلاقیت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور آیت افرءیتم ما تدعون سے اللہ کی ہر جہتی حکومت اور تصرف تام کی صراحت ہو رہی ہے۔ آیت قل حسبی اللہ سے عزم استقلال جرأت خود اعتمادی کی تعلیم مترشح ہوتی ہے اور صاف اعلان ہے اس بات کا کہ خدا کی حفاظت و نگرانی بندہ کے لئے کافی ہے اس لئے اس کو کسی بڑی سے بڑی طاقت سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ آیت یتوکل میں صحیح توکل یعنی اپنے اختیارات اور تمام بیرونی اسباب کا مالک خدا کو قرار دینے کی سچی اور دلیرانہ تعلیم ہے مگر افسوس ہے ان جاہل صوفیوں کی حالت پر جنہوں نے اسی آیت کو بزدلی پستی حوصلہ عزم شکنی اور ترکِ دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور ان پڑھوں کو بھی گمراہ کیا۔ توکل کی تعلیم صرف اس لئے تھی کہ کسی خطرناک ہلاکت گاہ اور کسی جبروتی ظالم طاقت سے مردِ مومن نہ ڈرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ دکھ سکھ کا وہی مالک ہے۔ بغیر اس کے حکم کے نہ موت آئے گی نہ ہلاکت۔ کوئی بڑی سے بڑی طاقت کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ لیکن صوفی نے دنیا سے بے تعلقی یعنی ہاتھ پاؤں توڑ کر گوشہ میں بیٹھ کر دوسروں کی کمائی چٹخارے لے لے کر کھانے اور تحفے، نذرانے، چڑھاوے، ہدیئے حاصل کر کے مزے اڑانے کو توکل سمجھ لیا۔ یہ توکل نہیں عیش طلبی ہے، آرام پسندی ہے۔ روزی اپنی کمائی کی نہ ہو تب بھی کھانے کے لئے منہ میں لقمہ لے کر چبانا تو پڑتا ہی ہے۔ معدہ کو ہضم کرنے کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ پھیپھڑے بھی تنفس کا کام کرتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کمائی کے کام میں نہ لائے جائیں تو کیا ان کا استعمال بالکل ترک کیا جا سکتا ہے یا کام و دہن معدہ و امعاء دماغ و جگر اور دوسرے اعضائے شریف و رذیل کو کام سے روکا جا سکتا ہے۔ اگر ذرائع اسباب اور درمیانی کڑیوں کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے تو سب اعضاء اور قوتوں کو معطل بنایا جائے اور خودکشی کر لی جائے۔ اور خودکشی بھی کس طرح ممکن ہے۔ یہ دست و پا زبان کی حرکت ہی سے تو ممکن ہے۔ خدا سمجھائے ان مت مارے ہوئے لوگوں کو کہ توکل کے صرف یہ معنی ہیں کہ اسباب کو حقیقی مؤثر نہ سمجھا جائے صرف مشینی پرزے اور زنجیر کی کڑیاں قرار دیا جائے۔ مؤثر تو حقیقی محرک اور صانع خلاق ہے۔ اور یہ اس کی ذرائع تخلیق۔ آیت فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب سے روشنی پڑتی ہے اس بات پر کہ اللہ سے سرکشی کرنے والوں پر دنیوی پھٹکار پڑتی ہے اور اس کے فطری احکام سے سرتابی کرنے والے ذلیل کن تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ صحت کی بربادی ہو یا بسمانی طاقت کا فقدان یا بے مائگی اور افلاس یا قید و بند یا غیروں کی غلامی اور دوسروں کی محکومی۔ طرح طرح کی نکبت اور بے عزتی سب قانونِ فطرت اور تعلیم الوہیت سے روگردانی اور سرکشی کے نتائج ہوتے ہیں۔ اگرچہ آیت میں رسول اللہ کی مخالفت کرنے والے ان مشرکوں کو وعید خاص طور پر ہے جو حضور کے زمانہ میں تھے لیکن عام طور پر ہر سرکش کے لئے اس سے تہدید و وعید کا استنباط کیا جا سکتا ہے وغیرہ۔

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ

ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے (نفع کے) لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے سو جو شخص راہِ راست پر آوے گا تو اپنے نفع کے واسطے　اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ۝ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا

بے راہ ہونا (یعنی اس کا وبال) اسی پر پڑیگا اور آپ ان پر (کچھ بطور ذمہ داری کے) مسلط نہیں کئے گئے　اللہ ہی قبض (یعنی معطل) کرتا ہے (ان) جانوں کو ان کی موت کے وقت

وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ

اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت　پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے　اور　باقی جانوں کو

toobaafoundation.com

اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ○

ایک میعادِ معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اِس میں اُن لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں

تفسیر انسان کی انفرادی اور اجتماعی دانش تجربہ عدیم اور قیاس لنگڑے ہیں۔ زندگی کے میدان میں دوڑنے پکنے بلکہ خراماں روی سے بھی عاجز ہیں یا کج پا ہیں کج رفتار دماغ گنگ ہیں گم ہیں۔ رادِ حیات کو دیکھ کر طے کرنے سے قاصر۔ نشانِ میل قائم کرنے سے بے بس۔ نارو نور میں فرق کرنے سے بے بہرہ، غار اور غور میں امتیاز کرنے سے کوتاہ، پھر اچھائی برائی کا اندازہ کیسے ہو۔ حق کو باطل سے جدا کس طرح کیا جائے، نفع و ضرر کے پرکھنے کی کیا صورت ہو۔ کون انسانی زندگی کی مشعل روشن کرے، کون زندگی کا راستہ دکھائے اور کون راستہ طے کرنا سکھائے۔ بس یہ کام تو اللہ ہی کا ہے۔ اللہ ہی کو حق ہے کہ انسانوں کی زندگی کے لئے ہدایت نامہ بھیجے اور اچھائی کو برائی سے الگ کرنا سکھائے۔ لیکن خدائی ہدایت نامہ کس کے پاس آئے۔ کیا گھر گھر در در کوچہ بکوچہ اللہ کا فرشتہ کتاب ہاتھ میں لے کر ہر آدمی کے پاس آئے اور ہدایت نامہ پہنچائے۔ ایسا تو ممکن نہیں۔ لاکھوں میں سے ایک کا سینہ بھی نورِ فطرت اپنی اصلی سادگی میں جلوہ ریز نہیں۔ خواہشات اور میلانات کی کثافت کی وجہ ان پر چھائی ہوئی ہے۔ نورِ روحانیت دبی ظلمتوں کی تہ بہ تہ پردوں میں گم ہے۔ عموماً آئینہ رُوح زنگ آلود ہے۔ پھر آفتابِ ہدایت کی خالص نورانی شعاعوں سے کون پرتو انداز ہو سکتا ہے۔ جلوہ پذیری کے لئے تو ایسے آئینے کی ضرورت ہے جو پشت پر مادّی کثافت رکھنے کے باوجود سامنے کا رُخ شفاف اور خالص بے زنگ نورانی رکھتا ہو۔ یہی آئینہ رسالت ہے جو جلوہ پذیر بھی ہے اور جلوہ ریز بھی۔ وجدانِ سادہ کا مالک بھی اور حسی دنیا والوں کے لئے حواسِ سلیم کا حامل بھی۔

لیکن تعلیم الٰہی ہو یا انسانی، لوگوں کو اس سے فائدہ کیسے پہنچے۔ یہ واجب التسلیم حقیقت صحیح کہ فطرت کا خالق قانون حیات کا مقنن بھی ہے لیکن وضع آئین کے بعد عملی دنیا میں آئین کا فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کوئی آئین پر چلے۔ آئین پر ہی کاربند نہ ہو اور قانون شکنی کرے تو بربادی اور تباہی کے علاوہ کیا ہاتھ آئے گا۔ مطلب یہ کہ تشریع اور آئین سازی اگرچہ خدا کا کام ہے مگر قانون کی اطاعت یا مخالفت کا آدمی کو اختیار ہے۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ کوئی سیدھی راہ نہ چلے اور بتانے والے کی راہ نمائی کو نہ مانے تو خود ہی گم کردہ راہ ہوگا۔ رسول اور پیغمبر کا کام قانون خسروانی بتا دیتا اور پیغام پہنچا دیتا ہے۔ اس سے آگے اس کی ذمہ داری نہیں۔ کوئی مانے گا نفع پائے گا۔ نہ مانے گا گھاٹے میں رہیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اللہ کو تشریع حیات کا اختیار کس بل بوتے پر ہے۔ کیوں اپنی ساری زندگی کی نکیل ہم اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ کیا ہمارے بڑے بڑے آدمی روشن دماغ رکھنے والے دانش مند، چوٹی کے فلاسفر، چمکدار روحیں رکھنے والے مرشد اور پیشوا، زندگی کو سدھانے والے رہبر اس قابل نہیں کہ ہماری مدد کر سکیں اور ہماری زندگی کے لئے مشعلِ راہ بن جائیں۔ اس کا جواب بالکل صاف ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں کسی کا کارخانۂ حیات نہیں۔ موت اور زندگی کا نظام بلکہ خواب اور بیداری کا تبادل کسی کے دستِ قدرت میں نہیں۔ نہ اپنا نہ دوسرے کا۔ بھر بھوکا بھوکے کو روٹی کہاں دے سکتا ہے، ننگا ننگے کی ستر پوشی کیسے کر سکتا ہے۔ اپاہج دوسرے اپاہج کو ہاتھ پاؤں دیدے محال ہے۔ اندھا اندھے کی رہبری کرے ناممکن ہے۔ یہ کام تو اللہ کا ہے۔ وہی نظام و انتظام کا مالک ہے۔ وہی اس ساری فطرت کا فاطر ہے اور زندگی اور موت کے یہ سارے آئینِ اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے بھولے گم صم انسان کی وہی راہ نمائی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ وہی آفرینندہ ہے وہی کارندہ ہے اور وہی آئینِ زندگی کا سازندہ ہے۔

تحلیلِ اجزاء اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ۔ اس آیت میں تیقع طلب چند امور ہیں ا۔ انا انزلنا۔ کوئی کہتا تھا کہ کوئی عجمی غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیتا ہے اور آپ اس کو اللہ کا کلام کہہ کر لوگوں کو بتلاتے ہیں۔ کوئی القاء جن، کوئی نفسیاتی دماغی اختراع اور کوئی معانی قرآن کو اللہ کا کلام رمعانی اور الفاظ قرآن کو رسولِ پاک کا کلام لفظی کہتا تھا۔ ان تمام غلط باتوں کی اس لفظ سے تردید ہوتی ہے۔ ایک بات یہ بھی اس لفظ سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید اگرچہ وحی متلو ہے اور جبریل کی وساطت سے حضور کریم پر بھیجا گیا تھا لیکن حقیقت میں بھیجنے والا اللہ ہے۔ جبریل کا کلام نہیں۔ فرشتہ کا ذریعہ صرف اس وجہ سے اختیار کیا کہ الفاظ یا معانی چونکہ کیفیات

toobaafoundation.com

ہیں اور کیفیات بھی ایسی کہ انسانی صورت اور دماغی صلاحیتوں کو ان میں دخل نہیں۔ پھر ان کے نزول کے کوئی معنی ہی نہیں سوائے اس کے کہ کسی ایسی ہستی کو جو نورِ مجرّد ہو القا کر دیا جائے اور وہ ہستی حضورؐ کے قلب پر فیضان کر دے۔ ایک یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ لفظ نزول کا استعمال مادّی جسمانی چیزوں میں ہوتا ہے اور کلام کوئی مادی چیز نہیں۔ نہ خدا کسی اونچے مقام پر ہے کہ وہاں سے کسی چیز کو نیچے آتا ہو بلکہ عالمِ قِدم سے عالمِ حدوث کی جانب وجوب سے امکان کی طرف نور سے ظلمت کی سمت اور تجرد سے مادّیت کے رُخ پر کسی چیز کا آنا حقیقت میں اونچے مرتبے سے نیچے رتبے کی طرف آنا ہے۔ اللہ کا کلام بھیجنا اور جبریل کی وساطت سے رسول اللہ تک پہنچانا اسی معنی کو حامل ہے۔

۲۔ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ۔ یعنی اللہ نے رسولِ پاک کو اپنی کتاب بھیجی یعنی معانی کو الفاظ کا جامہ پہنا کر نازل فرمایا۔ کتاب نام صرف معانی کا نہیں تعبیری الفاظ ہونے ضروری ہیں۔ اس لئے غلط ہے یہ خیال کہ معانی الہامی ہیں اور الفاظ رسول اللہ کے خود ساختہ۔ پھر الکتاب کے لفظ کو پیشین گوئی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ قرآن آئندہ ضرور کتابی شکل میں لکھا جائے گا بلکہ درپردہ ایماء بھی اسی طرف ہو سکتا ہے کہ قرآن کو ضرور لکھا جائے۔ اگرچہ لفظ امر نہیں۔ لیکن قرآن فرقان سفر اور زبر وغیرہ کو چھوڑ کر لفظ کتاب کو ذکر کرنے سے اس طرف ایماء ہو سکتا ہے۔

۳۔ لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کو فائدے کے لئے مطلب یہ کہ قرآن بھیجنے سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں۔ نہ اس کی کوئی غرض وابستہ ہے۔ نہ بقول فلاسفہ و متکلمین اس کا کوئی فعل معلل بالعرض ہوتا ہے۔ بلکہ انسان مختلف الخیال اور قاصر العلم انسان اپنی معاشرت سوسائٹی مدنیت اور سماجی تعلقات کو درست رکھنے کے ضوابط عامہ ہمہ گیری کے ساتھ نہیں بنا سکتا تھا۔ نہ مبداء اور منتہا اور آغاز و انجام کے متعلق اس کی عقلِ نارسا کوئی صحیح فیصلہ کر سکتی تھی۔ اس لئے اللہ نے انسان کی دنیاوی فلاح اور اخروی بہبودی کے لئے کتابِ پاک نازل فرمائی۔

بِالْحَقِّ۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ انزلنا سے اس کو متعلق کیا جائے یعنی اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی۔ مطلب یہ کہ طریقۂ نزول معجزہ ہے۔ شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پردازی نہیں۔ نہ القاء جن کو اس میں دخل ہے۔ نہ اختراع انسانی سے اس کا تعلق ہے بلکہ اصولِ ہدایت، طرزِ بیان اور اظہارِ ضوابط میں قرآن کا رنگ معجز ہے۔ مخلوق کی طاقت سے خارج۔ دوسری صورت یہ کہ اس لفظ کو الکتاب کی صفت قرار دیا جائے یعنی قرآن سچا اور برحق ہے اس کے کسی نقطہ کو کذب اور بطلان چھو نہیں سکتا۔ زبردستی حقوقِ خدائی کو کام میں لا کر خدا نے اپنے احکام لوگوں پر ٹھونس دیئے ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ واقعی انسانیت کی فلاح و نجات جن ضوابطِ حیات پر موقوف تھی انہی کو بلا کم و بیش بیان کیا ہے۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا۔ اوپر کی آیت میں قرآن کی عمومی دعوت کا تذکرہ تھا جس کا معنی یہ تھا کہ اللہ نے کسی پر جبر نہیں کیا بلکہ تمام انسانوں کی اصلاح فکر و عمل کے لئے ایک ضابطہ مقرر فرما کر بھیج دیا۔ گویا آئین سازی اور لیجسلیچر میں انسان خدا کا محتاج اور مجبور ہے خود مختار نہیں اس آیت میں انسان کی حدودِ اختیار کی تعیین فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئین کے مطابق عمل کرنے نہ کرنے میں انسان مختار ہے مجبور نہیں۔ ہدایت یابی اور راہِ مستقیم سے سرتابی دونوں انسان کے اختیار میں ہیں اور اس کا نفع نقصان اسی کے انتخاب و عمل سے وابستہ ہے۔

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔ اس آیت میں رسول اللہ کو تسکین دی ہے۔ حضورؐ والا کو لوگوں کی سرتابی کج روی اور مخالفت سے قلبی دکھ پہنچتا تھا جس کا بیان مختلف آیات میں خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور تسکین بھی دی ہے۔ ایک آیت میں وارد ہے۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ دوسری آیت میں آیا ہے۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا۔ اور ایک آیت میں ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ اس آیت میں حضور والا سے ذمہ داری کو ساقط فرما دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے انسان کو عمل یا ترکِ عمل پر مجبور نہیں کیا اور صرف آئین نامہ بھیجنے پر اکتفاء کی تو پھر رسول اللہ پر کسی کے عمل یا ترکِ عمل کی ذمہ داری نہیں۔ رسول کا کام بھی آئینِ الٰہی پیش کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا۔ اس آیت میں نفس سے مراد جان ہے۔ اہلِ تفسیر کا قول یہی ہے۔ واقع میں نفس کیا چیز ہے اور روح و نفس میں کیا فرق ہے۔ یہ بحث بہت طویل الذیل ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں جو

toobaafoundation.com

یہ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس انسانی ایک روحانی روشن جوہر ہے جس کی روشنی بدن پر پڑتی ہے اور تمام اعضا جگمگا جاتے ہیں۔ اعضاء کی اسی روشن پذیری کا نام زندگی ہے۔ بیداری میں بیرونی اور اندرونی تمام اعضاء نفس کی روشنی سے اثر پذیر ہوتے ہیں اور نیند کی حالت میں اندرونی اعضاء ضرور روشن رہتے ہیں مگر بیرونی اعضاء بعض وجوہ کے اعتبار سے روشنی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ہاں موت کی حالت میں بدن کے تمام باطنی اور ظاہری اعضاء سے نفس کا تعلق ختم ہوجاتا ہے اور کسی قسم کی روشنی باقی نہیں رہتی۔ گویا نیند میں بھی بدن سے نفس کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔ لیکن صرف بیرونی اعضاء سے اور وہ بھی ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض اعتبارات کا لحاظ کرتے ہوئے۔ مثلاً خوشبو بدبو محسوس نہیں ہوتی۔ حقیقت آواز کا احساس کمزور پڑجاتا ہے یا مفقود ہوجاتا ہے۔ بینائی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے وغیرہ۔ رہے اندرونی اعضاء تو ان سے نفس کا تعلق بدستور قائم رہتا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی اور موت کی صورت میں نفس کا کوئی تصرف باقی نہیں رہتا۔

امام رازی کی تشریح کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حالت موت یا نیند دونوں صورتوں میں خدا تعالیٰ انسانی نفوس کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے یعنی بیداری کی حالت میں ظاہری اور باطنی اعضاء میں تصرف کرنے اور ان کو روشن بنانے کی جو آزادی انسانی نفوس کو دے رکھی ہے اس آزادی کو سلب کرلیتا ہے لیکن آزادی بالکل چھین لیتا ہے یا کچھ حصہ باقی چھوڑ دیتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى۔ موت دینی ہوتی ہے تو آزادی بالکل سلب کرلیتا ہے اور نفس کو دوبارہ بدن سے تعلق پیدا کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور نیند کی حالت میں پوری آزادی سلب نہیں کرتا بلکہ آزادی کا کچھ حصہ چھیننے کے بعد پھر دوبارہ واپس چھوڑ دیتا ہے اور آدمی بیدار ہوکر ویسا ہی ہوجاتا ہے جیسا سونے سے پہلے تھا۔ مسلم و بخاری میں ایک حدیث آئی ہے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ (اگر کوئی اپنے بستر پر جائے تو) اس طرح کہے پروردگار تیرے نام کے ساتھ میں بستر پر پہلو رکھتا ہوں اور تیرے نام پر اس کو اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری جان کو (اپنے پاس) روک لے تو اس پر رحم فرمانا اگر تو آزادی عطا فرمائے تو جس چیز سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے اسی سے میری بھی نگرانی کرنا

إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اس ٹکڑے کا مطلب دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ (۱) اجل مسمیٰ سے مراد ہے ہر شخص کا وقت موت اس تقدیر پر الیٰ اجل مسمیٰ کا تعلق فَيُرْسِلُ سے ہوگا مطلب یہ ہے کہ اللہ جو نیند کے بعد جان کو واپس کردیتا ہے تو واپسی روح کا یہ قانون اس شخص کے وقت موت تک جاری رہتا ہے۔ آخر جب موت کا وقت آجاتا ہے تو پھر نفس کی آزادی چھین لینے کے بعد واپسی نہیں ہوتی (۲) یا اجل مسمیٰ سے مراد ہے قیامت کا دن اس صورت میں پوری آیت سے اس ٹکڑے کا تعلق ہوگا مطلب یہ کہ موت کی حالت میں نفس کی آزادی کو بالکل سلب کرلینا اور واپس نہ کرنا اور نیند کی حالت میں روح کو قبضہ میں لینے کے بعد دوبارہ واپس کردینا یہ پورا نظام ایک مقرر وقت تک رہے گا جب میعاد مقرر پوری ہوجائے گی تو پھر نہ موت ہوگی نہ نیند۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ ذٰلک سے اشارہ ہے خواب و بیداری اور موت و زندگی کے سلسلہ کی طرف اس آیت میں دو لفظ زیادہ قابل توجہ ہیں۔ (۱) آیات (۲) تیفکرون۔ فکر کیا ہے اور یہاں کیا مراد ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے اتنی وضاحت کافی ہے کہ اس جگہ فکر سے مراد اللہ کی ذات و صفات کی بحث میں غور کرنا نہیں ہے۔ جیسا کہ یونانی فلاسفروں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے حکماء اخوان الصفا اور معتزلہ نے کیا ہے۔ لفظ ذٰلک کا اشارہ اس سے انکار کررہا ہے۔ نہ الٰہیاتی مباحث میں پڑنا اور متشابہات کے درپے ہونا کچھ نتیجہ خیز ہے۔ بلکہ فکر کا مفہوم وہی ہے جو کفر کی ضد ہے یعنی خداداد نعمت پر پردہ نہ ڈالنا اور خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف اس کو منسوب نہ کرنا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ ہر شخص کا سلسلۂ موت و حیات اور خواب و بیداری اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے اور کسی کو اپنے نظام زندگی کو برقرار رکھنے اور قانون موت کو ٹالنے میں دخل نہیں، نہ خواب و بیداری کا تبادل اور خصوصیات خواب و بیداری کا تغیر کسی کے اختیار میں ہے۔ ایسے مفکرین پر حقائق قدرت کا طرح طرح سے انکشاف ہوتا ہے اور انسان کے عجز کی زندہ تصویر متحرک ہوکر سامنے آجاتی ہے پھر وہ بے بس انسان کے سامنے خواہ وہ ولی اعظم یا نبی مکرم ہو یا معمولی دیہاتی، بادشاہ ہو یا فقیر دست سوال دراز نہیں کرتے اور کسی کو کارساز حقیقی نہیں سمجھتے اور کسی کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں جانتے اور کسی کو متصرف واقعی نہیں مانتے اور یقین رکھتے ہیں کہ جب کوئی بھی اپنی زندگی

toobaafoundation.com

اور نظام زندگی کا مختار نہیں تو دوسروں کی حاجت روائی پر اس کو دسترس کیسے ہو سکتا ہے۔ اس مطلب کی تائید آئندہ آیات سے ہوتی ہے۔

مقصود بیان اللہ ہی نے رسول پاک پر قرآن مجید یعنی الفاظ و معانی کا مجموعہ نازل فرمایا۔ اس کتاب کا بنانے والا اور بھیجنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔ نہ فرشتہ کو دھوکا ہوا کہ قرآن بھیجا گیا ہو کسی اور کے پاس اور وہ لے آیا ہو محمد رسول اللہ کے پاس للناس کا لفظ بتا رہا ہے کہ انسانوں کے لئے ہدایت نامہ بھیجا اس میں خدا کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ انسانوں کا ہی فائدہ ہے۔ بالحق سے معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا واقعی انسانی بہبودی کے لئے ضروری ہے۔ قرآن چند حکایات و قصص اور رزمیہ داستانوں کا نام نہیں بلکہ فلاح انسانی کے مکمل واقعی کتابچہ کا نام ہے۔ فَمَنِ اهْتَدٰى الخ سے انسان کے عملی اختیار کی وضاحت ہو رہی ہے۔ اوپر کی آیت سے ظاہر ہوا تھا کہ آدمی اپنی زندگی کا قانون ساز نہیں۔ مقنن حیات خدا ہے۔ اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ عمل کرنے کا اختیار انسان کو حاصل ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ الخ سے نظام موت و حیات اور سلسلہ خواب و بیداری کو پیش کر کے انسانی عجز اور اللہ کی قدرت کی ہمہ گیری کو ظاہر کر کے در پردہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب کسی کو اپنی جان پر بھی اختیار نہیں تو وہ کسی دوسرے کی کارسازی کیا کر سکتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○

ہاں کیا ان (مشرک) لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو (معبود) قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَ

بھی علم نہ رکھتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور جب

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا

فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل منقبض ہونے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اُس کے

ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○

سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اُسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں

تفسیر یہودی عیسائی اور عام مشرک کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ خدائی میں اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ وہ قادر بھی ہے۔ عالم بھی ہے خالق بھی ہے اُس نے اپنے نمائندوں کو آدمیوں کی سُدھار کے لئے بھیجا۔ ان نمائندوں نے اپنے نمائندے مقرر کئے اور اس طرح دنیا میں نیک آدمیوں کا پھیلاؤ ہوا۔ یہی نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں پیارے ہیں دُلارے ہیں کارخانۂ قدرت کے کارندے ہیں ذرائع ہیں۔ خدا تک پہنچنے کے وسائل ہیں۔ مخلوق و خالق کی درمیانی کڑیاں ہیں۔ ان کے بغیر خدا تک رسائی ناممکن ہے۔ روٹھا ہوا خدا ان کی سفارش سے من جاتا ہے۔ ناراضگی رضامندی سے بدل جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ الوہیت میں ان کی شرکت نہیں لیکن ان کی ذات صفات خدا کی مظہر ہے، جلوہ گاہ ہے۔ یہ مرنے کے بعد بھی اس عالم کے کارساز ہیں، کارگزار ہیں، کارندے ہیں، سازندے ہیں، ان کی سفارش ٹل نہیں سکتی۔ یہ بے وقوف گروہ یہ نہیں جانتا کہ شفاعت قبول کرنے نہ کرنے میں خدا مختار ہے۔ پیر پیغمبر اوتار مہاتما خدا نہیں پرماتما نہیں۔ خدا کی مرضی میں دخیل نہیں۔ اصل خوشنودی خدا کی ہے وہ کسی کو اذن دے گا تو وہ سفارش کرے گا۔ اجازت نہیں ملے گی تو کوئی چوں بھی نہیں کرے گا ان بیچاروں کے قبضہ میں کیا ہے۔ اُن کا بس کچھ نہیں چلتا۔ اُن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کون سفارش کا مستحق ہے کس کی شفاعت کرنے کے متعلق اللہ کی مشیت ہے۔ جب ان کا قابو نہیں قدرت نہیں اور شفاعت طلب کرنے والوں کی صلاحیت

toobaafoundation.com

اور اللہ کی مشیت کا علم نہیں بلکہ بعض فرضی شفاعت کرنے والوں کو تو عقل و فہم بھی حاصل نہیں۔ پھر وہ شفاعت کیسے کریں گے۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ ان بت پرستوں نے لفظ شفاعت کی آڑ لی ہے جن کو یہ زبانوں سے شفیع کہتے ہیں۔ دلوں سے ان کو قاضی الحاجات اور مستقل حاجت روا جانتے ہیں منہ سے اُن کی الوہیت کا انکار کرتے ہیں مگر یقین رکھتے ہیں کہ فرائضِ الوہیت اُن کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر ایسا نہیں اور وہ صدقِ قلب کے ساتھ اللہ کو واحد لاشریک اور قادرِ مطلق جانتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے صرف خدا وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ کشیدہ کبیدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں انقباض دماغوں میں پژمردگی اور ہر بن مو میں سمٹاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور جب دوسرے فرضی سفارشیوں کا تذکرہ آتا ہے تو چہروں سے انبساط خطوطِ پیشانی سے شگفتگی اور رونگٹے رونگٹے سے تری و تازگی کی بارش ہوتی ہے۔ اگر دلوں میں چور نہیں اور واقعی وہ اللہ کو واحد لاشریک اور قادر مختار مانتے ہیں تو صرف نام سنتے ہیں۔ یہ کیفیات کا تفاوت کیوں ہو جاتا ہے۔ اگر چہرے کا انبساط و انقباض اور اُتار چڑھاؤ دلی حالات کا ترجمان ہے تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان مشرکوں کی قلبی حالات زبانی اظہار کے خلاف ہیں وغیرہ۔

تحلیلِ اجزاء أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۔ گزشتہ آیات میں اللہ کی وحدانیت تشریعیہ کو ثابت کیا تھا اور انسانی عجز کو بھی ظاہر فرمایا تھا۔ اس پر کفار کی طرف سے یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ ہم اللہ کے علاوہ بتوں دیوتاؤں فیبی کارندوں کی جو پرستش کرتے تھے وہ ان کو خدا سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کے مقرب تھے اور ہیں مگر ہماری نظروں سے غائب ہیں توجہ کو یکسو بنانے کے لئے اُن کو محسوس صورت یا مورت میں لانا ضروری ہے۔ حقیقت میں یہ مورتیاں اُن ہی مقربانِ الٰہی کی ہیں ہم ان کے سامنے سر جھکاتے ہیں صرف اس لئے کہ یہ ہماری سفارش کریں اور خدا کے عتاب و عذاب سے ہم کو بچالیں۔ اس آیت میں ہٹی کافروں کے اس باطل قول کی تردید فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ہم نے یہ تشریح امام رازی خطیب اور ابو سعود اور بیضاوی وغیرہ کی صراحت کے موافق کی ہے لیکن آیت میں غور طلب ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ کافروں نے جو اپنے معبودوں کو شفیع بنانے کا اظہار کیا تھا حقیقت میں اُن کا نہ یہ عقیدہ تھا نہ عمل بلکہ دلوں سے وہ ان کو اپنا کارساز مطلق جانتے اور مانتے تھے اور اسی عقیدہ کے مطابق عمل بھی کرتے تھے۔ آیت میں لفظ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بتا رہا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اس سے ہٹ کر اس کی طرف سے رُخ موڑ کر انھوں نے دوسروں سے رشتہ جوڑا تھا۔ شفیع جوڑ کو ہی کہتے ہیں یعنی کافروں نے اللہ کو مرکزِ توجہ نہیں قرار دیا۔ اس سے تو ہٹ گئے اور دوسروں سے اپنا جوڑ لگا لیا۔ غیروں کو اپنا شفیع (کارساز حاجت روا) قرار دے لیا۔ ہمارے اس مطلب کی تائید لفظ من دون اللہ کے علاوہ آیات کے آخری فقروں سے بھی ہوتی ہے جن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اکیلے خدا کا نام ذکر کئے جانے سے کافروں کی طبیعت میں انقباض اور دلوں میں کبیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے دوسرے معبودوں کا تذکرہ سن کر وہ شگفتہ رُو ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی کیفیات باطنیہ اور دلی عقائد کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ شفیع سے اُن کی مراد تھی کارساز حاجت روا خود مختار یا کم از کم خدا کی مشیت و مرضی کو پلٹ دینے والی ہستیاں لفظ شفیع کے اسی معنی کو پیشِ نظر رکھ کر آئندہ آیات میں تردید کی گئی ہے۔

قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۔ کفار جن کی شفاعت کے قائل تھے وہ یا تو مورتیاں تھیں بے جان نافہم بے شعور یا وہ وہ مذہبی مقتدا اور غیبی کارندے تھے جو اس زندگی میں ضرور عقل و فہم کے حامل اور ظاہری ملک کے مجاز تھے مگر دنیا میں اُن کی یہ ملکیت و عقل مجازی تھی حقیقت میں اُن کا کوئی دسترس نہ تھا اور قیامت کے دن دربارِ الٰہی میں بغیر اذن و اجازت کے اُن کا کچھ قابو نہ ہوگا تو حقیقت میں کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت دینے کا اختیار خدا ہی کو ہے۔ وہ جب چاہے اجازت دے نہ چاہے نہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت کا اختیار بھی خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو خود ارادی شفاعت کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ یہ تفسیر کا مطلب تمام اہلِ تفسیر نے لکھا ہے لیکن اس تشریح کی بنا پر آیت میں تردید صرف بت پرستوں کے عمل اور عقیدہ کی ہو سکے گی کیونکہ دنیا اور آخرت میں صرف بت ہی دونوں صفات سے محروم ہیں۔ نہ وہ کسی چیز کے مالک ہیں نہ اُن میں عقل ہے۔ انبیاء، اولیاء، صلحاء اور فرشتے تو ذی عقل ہیں اور مجازاً خداداد قابو اور طاقت بھی رکھتے ہیں اس کے جواب میں مجبوراً کہنا پڑے گا کہ لایملکون سے مراد ہے انبیاء اولیاء اور مقدس آدمیوں کا مالکِ حقیقی نہ ہونا اور لایعقلون سے مراد ہے۔ بتوں اور مورتیوں کا بے عقل ہونا مطلب یہ نکلا کہ مقدس انسان اور فرشتے یا جن کسی چیز کے حقیقی مالک نہیں پھر اُن سے شفاعت کی امید کس طرح صحیح ہے۔ شفاعت کا بھی اُن کو حقیقی اختیار

toobaafoundation.com

نہیں اور مورتیاں بالکل ہی بے عقل ہیں۔ کسی بات کی سمجھ ان میں نہیں ہے۔ وہ شفاعت کس طرح کر سکتی تھیں۔ میری نظر میں اس تخصیص اور تاویل کی ضرورت نہیں، صاف مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان ہو فرشتہ، جن ہو یا مورتی صورتی ہو کچھ بھی ہو کارساز اور حاجت روا اُسی وقت بن سکتا ہے۔ جب اُس کے پاس کچھ ہو وہ کسی چیز کا مالک ہو اور طریق کارسازی سے واقف بھی ہو فہم رسا اور عقل محیط رکھتا ہو اور چونکہ اللہ کے علاوہ کوئی مالک نہیں اور کسی کے پاس عقل محیط نہیں نہ طریق کارسازی سے واقف ہے پھر کس طرح اُس سے جوڑ لگانا اور اللہ سے رشتہ توڑنا صحیح ہو سکتا ہے اس لئے آگے فرمایا۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا۔ عمری تفسیروں کی بناء پر لفظ اذن محذوف ماننا پڑے گا۔ مطلب یہ کہ شفاعت کی اجازت دینی اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ میرے بیان کردہ مطلب پر یہ معنی ہوں گے کہ رشتہ جوڑے جانے کا حق صرف خدا کو ہے۔ جب خدا ہی حقیقی ملک رکھتا ہے اور اُسی کا علم ہمہ گیر ہے تو عبد کا جوڑا اپنے معبود سے ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی کون سفارش کرے، کس کی سفارش کی جائے، کس بناء پر کی جائے، کب کی جائے اس کا مالک مختار اور علم رکھنے والا خدا ہی ہے پس پوری شفاعت اسی کے ہاتھ میں ہے واللہ اعلم۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس آیت میں اللہ کا حاکم کل اور متصرف مختار ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ گزشتہ آیت سے اللہ کی ہمہ گیر ملکیت اور دوسروں کی ملکیت کی نفی پر روشنی پڑتی تھی۔ اس آیت میں اللہ ہی کی حکومتِ عامہ کی صراحت فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مالک خدا اور مُلک خدا کا ملک اُسی کی اور مملک اُسی کا پھر یہ شفیع اور فرض کردہ کارساز بیچ میں کیسے آئے اور کہاں سے آ گئے۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ دوسروں کی کارسازی کا عقیدہ رکھنے والوں کی تردید کی یہ چوتھی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص مرنے کے بعد خدا ہی کی طرف لوٹتا ہے۔ کسی پیر پیغمبر یا مورتی صورتی کے پاس لوٹ کر نہیں جاتا۔ قیامت کے دن براہ راست اللہ ہی سے واسطہ پڑے گا۔ انسانی ہستی کا ذہنی مرکز ہے جہاں سے سیر کا آغاز ہوا تھا اُسی پر سیر حیات ختم ہوگی۔ پھر دوسروں سے آس لگانا اور خدا سے منہ موڑنا کیا معنی رکھتا ہے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ الخ۔ غیر اللہ کی کارسازی کا عقیدہ رکھتے ہوئے لفظ شفاعت کی آڑ لینے والوں کے متعلق یہ آخری ریمارک ہے۔ شفیع پرستوں کے طرز عمل اور رفتار زندگی سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ پیروں پیغمبروں... کی شفاعت کا نہیں بلکہ اُن کی مطلق العنانی خود مختاری اور حاجت روائی ہے۔ یہ ان کو دلوں سے حاجت روا اور خود مختار جانتے ہیں اور اپنی زندگی کی لگام خدا کے ہاتھ سے چھین کر اُن کے ہاتھوں میں دینی چاہتے ہیں یا کم از کم اپنی زندگی کی راہ میں خدا کے ساتھ اُن کا حصہ بھی مانتے ہیں ورنہ کیا وجہ کہ اگر اللہ وحدہٗ لاشریک کا تنہا ذکر آتا ہے تو اُن کے منہ سکڑ جاتے ہیں، پیشانی کی کھال سمٹ جاتی ہے، تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں۔ دلوں پر کبیدگی اور انقباض چھا جاتا ہے لیکن فرض کردہ سفارشیوں کا نام سُن کر باچھیں کھل جاتی ہیں، چہرے کھل جاتے ہیں، دل شگفتہ ہو جاتے ہیں اور رونگٹے رونگٹے سے انبساطی کیفیات پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگتی ہیں۔ وہ پژمردگی کیوں اور یہ شگفتگی کس لئے۔ یا تو خدا سے یہ اپنا واسطہ ہی نہیں جانتے یا اللہ کے ساتھ دوسروں کی الوہیت کا بھی رشتہ جوڑتے ہیں۔ ابن عباس نے اس آیت کا مصداق ابو جہل ولید بن عتبہ اُبی بن خلف اور صفوان بن اُمیہ کو قرار دیا تھا۔ یعنی بطور تمثیل مورد آیت ان لوگوں کو قرار دیا تھا۔ اول الذکر تینوں آدمی تو کفر پر ہی مرے البتہ صفوان اس وقت خالص مومن ہو گئے تھے۔ جب حضورؐ بنی ہوازن کی جنگ سے واپس آئے تھے اور صفوان کی زرہیں واپس فرمائی تھیں اور صفوان نے گم شدہ زرہ کا تاوان لینے سے انکار کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ اب اللہ نے مجھے وہ راستہ دکھا دیا جو پہلے نہ دکھایا تھا۔ شاید ابن عباس نے نزول آیت کے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے صفوان کا نام ابو جہل وغیرہ کے ساتھ لیا۔

ایک ضروری تنقیح پوری آیت سے نفی شفاعت مستفاد نہیں ہوتی ہے نہ اس سے کوئی عقیدۂ شفاعت کو باطل قرار دے سکتا ہے بکثرت صحیح احادیث اور صریح آیات سے ملائکہ انبیاء اولیاء صفاء اور صلحاء مومنین کا شفاعت کرنا ثابت ہے لیکن اللہ کی اذن کے بعد اور اُسی شخص کے لئے جس کے متعلق اللہ چاہے۔ آیت سے شفاعتِ استبداد یہ جبریہ کی نفی ہوتی ہے۔

مقصودِ بیان: مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ دوسرے مشرکوں کے عقیدۂ شفاعت سے جس کو خدا تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے اور کسی شفیع

toobaafoundation.com

کی شفاعتِ استبدادیہ کا یہ عقیدہ نہ رکھنا چاہیئے۔ نہ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شفیع الامت جس کی چاہیں گے شفاعت کریں گے اور جب چاہیں گے کریں گے۔ خدا چاہے یا نہ چاہے ایسی شفاعت کا عقیدہ غلط ہے۔ شفاعت کی کیفیت کمیت اور اجازت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کی طرح اہلِ شفاعت سے محبت اور ان کی کارسازی وحاجت روائی کا عقیدہ رکھنا جرم ہے شرک آفریں۔ وغیرہ۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ

آپ کہیئے کہ اللہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں

عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

کے درمیان اُن امور میں فیصلہ فرماویں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے اور اگر ظالم (یعنی شرک وکفر) کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ

اور اُن چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تامل) انکو دینے لگیں اور خدا کی طرف سے

يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

انکو وہ معاملہ پیش آویگا جسکا انکو گمان بھی نہ تھا اور (اُس وقت) اُن کو تمام اپنے بُرے اعمال ظاہر ہو جاویں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ انکو آگھیرے گا

تفسیر

ہٹ دھرمی کٹ حجتی اور توہم پرستی اچھے اچھے سمجھدار آدمیوں کو سیدھا راستہ اختیار کرنے سے روک دیتی ہے۔ شواہد و براہین کے تمام مظاہر اپنی بات پر جم جانے والے آدمی کے لئے بے سُود ہوتے ہیں۔ دلیلِ فطرت ثبوت وعقل دعوتِ مطالعہ اور اظہارِ ہدایت دماغی عصبیت کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حق و باطل اور کذب وصداقت کا کوئی واجب التسلیم فیصلہ آج تک کبھی نہیں ہوا نہ ہونے کا امکان ہے۔ آدمیوں کا دائمی اختلاف زندگی کے راستوں کے تنوع کا سبب بنا ہوا ہے۔ اللہ نے اپنے پیغمبروں کو صحیح و غلط کا فیصلہ کرنے کے لئے بھیجا، کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے۔ پیغمبروں اور کتابوں نے انفسی اور آفاقی مطالعے کی دعوت دی۔ ماضی و حال کو مستقبل کے لئے آئینہ بنا کر پیش کیا۔ نظریات اور فکریات سے لے کر نہایت واضح بدیہات تک ہر فطری اور عقلی برہان کی تصویر کشی کے تجربے حدس اور عقلی قیاس پر تیار شدہ دلائل کا ایک تسلسل قائم کیا۔ لیکن محسوس اور غیر محسوس کی پرستش سے کور مغز اور کج دل انسان باز نہ آئے اور ایسا کوئی ہمہ گیر فیصلہ آج تک نہ ہو سکا جو روئے زمین پر بسنے والے تمام آدمیوں کے لئے واجب التسلیم ہو جاتا۔ کمزور خیال رکھنے والا محسوس پرست انسان عقل وخرد کی کسی بلندی پر چڑھنا نہیں چاہتا۔ اُس کا نورِ فطرت بجھ چکا ہے عقلی اور نقلی چقماق کی کوئی رگڑ اس کے اندر سے فہم کی چنگاری پیدا نہیں کر سکتی۔ جب تک اس کی غلطی فکر اور بداعمالی عذاب کی شکل میں مجسم ہو کر سامنے نہ آجائے اور بدکرداری سے پیدا ہونے والی آتشِ سوزاں ہر طرف سے اس کو نہ گھیرے۔ اس وقت تک اُس کی سمجھ میں اپنی فکری اور کرداری بربادی نہیں آتی لیکن جب کرداری دنیا ختم ہو جائے گی، عمل کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا اور پاداش کی گھڑی آنکھوں کے سامنے آجائے گی اس وقت اگر روئے زمین کے سارے خزانوں سے دوگنی دولت کا مالک بھی وہ ہو جائے گا اور ساری پونجی اپنی بداطواری کی سزا سے چھوٹنے کے لئے رشوت یا تاوان میں صرف کرنا چاہے گا تو بے سود ہو گا۔ کوئی معاوضہ قابلِ قبول نہ ہو گا۔ اس لئے اہلِ دانش حق پسند اور صداقت نواز گروہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ کج فہم حق پوش باطل کوش گروہ کے سامنے پیامِ حق کی تشریح تفصیل و توضیح اور تصویر کشی کرنے کے بعد الجھاؤ میں نہ پھنسے خواہ مخواہ منوانے کے درپے نہ ہو بلکہ اپنے خدا کی ہمہ گیر فطرت و قدرت۔ اور محیط کل علم کا اقرار و اعلان کرتے ہوئے اپنا

toobaafoundation.com

رو ئے خطاب اسی کی طرف کرے اور حق و باطل کے ہر فیصلے کا رُخ اُسی کی جانب موڑ دے اور صاف کہہ دے کہ اے خالقِ کائنات اور اے عالمِ کل ہماری برہانی قوت عاجز ہے۔ ہم کسی کو زبردستی حق کا قائل بنا نہیں سکتے۔ قیامت کے دن تو ہی اپنے بندوں کے ان اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ اسی وقت یہ حق و ناحق اور صدق و کذب کا فرق سمجھیں گے۔

تحلیلِ اجزاء

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ٥ اوپر کی آیات میں اللہ نے اپنی وحدتِ تشریعی کا اعلان کیا تھا اور اس کے لئے جن دلائل کی ضرورت تھی وہ بھی بیان کی تھیں۔ اپنی ہمہ گیر قدرت اور بڑے سے بڑے انسان کے عجز کا بھی اظہار فرمایا تھا۔ فرضی سفارشیوں کے بھروسہ پر جینے والوں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرنے والوں کی بدفکری اور بدکرداری واشگاف فرمائی تھی۔ غرض ہر طرح کی عقلی برہان مشاہداتی واقعات اور امکانی دلائل کو کھول کر بیان کیا تھا۔ اب اس آیت میں روئے خطاب پھیر کر اپنے پیغمبر کی طرف کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اپنے رب کی ہمہ گیر قدرت اور محیطِ کل علم کا اعلان کر دینا چاہیئے اور اُسی سے مناجات کرنی چاہیئے۔ اور انسان کے اختلاف کا فیصلہ اسی کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ یعنی انسانوں کا یہ عملی اور نظری اختلاف اس دنیا میں مٹنے والا نہیں۔ آپ کا کام دلائل کی روشنی میں راہِ حق دکھانا ہے اور بس۔ کسی کے ماننے نہ ماننے سے آپ کا تعلق نہیں اللہ ہی نے سارا جہان بنایا۔ وہی ہر شخص کی اندرونی اور بیرونی حالت سے واقف ہے۔ انسانی دماغ و وجدان کی جہاں تک رسائی ہے، اس کا بھی اللہ کو علم ہے اور جو کچھ انسانی عقل کی نظر سے غائب ہے اس سے بھی خدا واقف ہے وہی قیامت کے دن آخری فیصلہ کرے گا۔

لفظ فاطر کے معنی ہیں بلا مثال اور بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والا۔ یعنی اللہ سارے جہاں کے سارے مادیات اور برق و برقیات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ پہلے سے مادہ یا روح موجود ہو اور خدا نے دونوں کا باہم ربط اور تعلق کرا دیا ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ ہر چیز کی بنیاد حدوث علام ہے۔ قدم و وجود سنگ تاسیس نہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) عالمِ باطن و ظاہر یعنی جو کچھ انسان کی اندرونی اور بیرونی کیفیات ہیں اللہ اُن سے واقف ہے (۲) غیب سے مراد ہے مافوق الشعور والادراک اور شہادت سے مراد ہے ماتحت الشعور یعنی جن چیزوں تک انسان کی عقل نارسا نہیں پہنچتی اور جن چیزوں کا علم انسان کو ہے سب سے خدا واقف ہے۔

پھر اس کی واقفیت قیدِ زمان و مکان سے پاک ہے اُس کا علم ماضی و استقبال کے احاطہ سے خارج ہے، وہ ہر چیز سے پہلے بھی واقف تھا اب بھی واقف ہے اور آئندہ بھی واقف رہے گا۔ یہاں تک کہ زمانہ جو ہر چیز کو محیط ہے اللہ کا علم اس کو بھی گھیرے ہوئے ہے اسی لئے ماضی و مضارع کو چھوڑ کر لفظ عالم فرمایا۔

اَنْتَ تَحْكُمُ۔ اس لفظ کا مطلب تمام ہی مفسرین نے لکھا ہے اور بظاہر ہے بھی یہی کہ قیامت کے دن اللہ انسانوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا کہ کس کی راہ سیدھی تھی اور کون کج راہ تھا۔ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ لیکن اس لفظ سے اگر ایک لطیف ترین نکتہ کا استنباط کیا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ سیاقِ آیت بھی اس کے خلاف نہیں ہے یعنی لفظ تحکم سے قیامت کے دن فیصلہ کرنا مراد نہ لیا جائے بلکہ حق و باطل اور صادق و کذب میں اسی دنیا میں فصل کرنا اور ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینا اور آئین بنا کر نافذ کرنا مراد لیا جائے۔ اس تقدیر پر پوری آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ خالقِ کائنات ہے۔ عالمِ کل ہے اور حاکم و شارع بھی وہی ہے۔ سنسار کی تخلیق میں کسی کا دخل نہیں۔ اللہ کے احاطۂ علم سے بھی کوئی چیز خارج نہیں تو لا محالہ اسی کو شارع اور حاکم و متصرف ہونا چاہیئے۔ بس انسانی عقول و افہام کے باہمی اختلاف کا اسی کے دستِ تشریعت میں ہے۔ گویا آیت میں تخلیق کی ہمہ گیری اور علم کی ہمہ رسی کو حکم و آئین سازی کی علت قرار دے کر تنبیہ فرمایا کہ معمولی سا فرد مومن کا تو ذکر ہی کیا ہے جلیل القدر سید الانبیاء کو بھی اللہ سے یہی مناجات کرنی چاہیئے کہ اے اللہ تو ہی خالق ہے تو ہی عالمِ کل ہے اور تو ہی حاکم و متصرف ہے۔ انسانوں کا باہم فکری و عملی اختلاف کسی چیز کی حقانیت و بطلان کا فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

toobaafoundation.com

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس جب رات میں نماز کو کھڑے ہوتے تو ان الفاظ سے نماز شروع فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (رواہ مسلم)

ابن مسعودؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جب بندہ کہتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْكَ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَاِنَّكَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ اِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَكَ عَھْدًا تُوَفِّیْنِیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ تو قیامت کے دن اللہ ملائکہ سے فرمائے گا کہ میرے بندے نے میرے پاس ایک عہد رکھا ہے تم وہ عہد اس بندے کو ادا کر دو (رواہ احمد منفرداً) ابو عبدالرحمٰن کا قول ہے کہ حضور والا نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو یہ دعا سکھائی تھی اور فرمایا تھا کہ جب سونے کو جاؤ تو اس کو پڑھ لیا کرو۔ عبداللہ بن عمروؓ نے ہم کو وہ دعا کاغذ پر لکھی ہوئی دکھائی۔ دعا یہ تھی۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَشْھَدُوْنَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَشِرْکِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ اِثْمًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰی مُسْلِمٍ (رواہ احمد منفرداً) ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی بات تعلیم فرما دیجئے جو صبح و شام میں پڑھ لیا کروں۔ ارشاد فرمایا۔ ابوبکر یہ پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَهٗ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطٰنِ وَشِرْکِهٖ اَوْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْٓءًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰی مُسْلِمٍ (رواہ عبداللہ بن عمرو نقلہ احمد والترمذی وقال حسن غریب) سعید بن مسیب تابعی کا قول ہے کہ جب اس آیت کو پڑھ کر دعا کی جائے تو اللہ قبول فرماتا ہے۔ (سراج)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا الخ۔ اس آیت میں لفظ ظلم کی کسی خاص معنیٰ کے ساتھ خصوصیت ظاہر نہیں فرمائی۔ بظاہر یہ لفظ ہر بے جا حرکت اور گناہ کو شامل ہے۔ لیکن اکثر علماء نے اس جگہ ظلم سے مراد شرک لیا ہے۔ کیونکہ ظلم کا فرد اعظم شرک ہی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا جس دوزخی پر سب سے کم عذاب ہوگا اس سے اللہ دریافت فرمائے گا کہ جو کچھ زمین میں ہے اگر وہ سب تجھ کو مل جائے تو کیا اپنی رہائی کے لئے تو وہ سب کچھ دیدے گا۔ وہ شخص عرض کرے گا بے شک میں سب کچھ دے دوں گا۔ ارشاد ہوگا جب تو آدم کی پشت میں تھا تو اس سے بہت ہی زیادہ آسان بات کی خواہش کی گئی تھی۔ صرف اتنا کہا گیا تھا کہ شرک نہ کیجو۔ مگر تو نے نہ مانا۔ (صحیحین) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ روئے زمین کی کل دولت بلکہ اُس سے بھی دوگنی بالفرض اگر دوزخی مشرک کے قبضہ میں ہو جائے تو عذاب سے چھوٹنے کے لئے قیامت کے دن وہ سب دولت دینے پر تیار ہوگا۔ گویا اس آیت میں تنبیہ اور وعید ہے دونوں باتوں پر۔

(۱) دنیوی دولت اور مال و منال پر بڑا سمجھنا اور اُس کو وجہ امتیاز سمجھنا اور فخر کرنا غلط ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں۔ بلکہ قیامت کے دن آدمی خود بھی اس کو اپنی تکلیف کے مقابلہ میں ہیچ سمجھے گا۔ (۲) عذاب کی تکلیف بہت سخت ہوگی۔ جس سرمایہ بے نیازی پر مغرور ہو کر انسان ہر قسم کی چیرہ دستی اور ظلم کو اختیار کرتا ہے اور اس کو اپنے لئے وجہ اعزاز و برتری سمجھے بیٹھا ہے قیامت کے دن عذاب کے دُکھ سے چھوٹنے کے لئے وہ کل سرمایۂ عیش دینے کو تیار ہو جائے گا۔

وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ۔ یعنی اُن ظالموں کو جس بات کا گمان بھی نہ تھا اللہ کی طرف سے قیامت کے دن وہ بات ان کے سامنے آئے گی۔ مطلب یہ کہ اس طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اُن کے گمان میں بھی نہ تھا۔ اہل ایمان کے لئے ایک آیت میں آیا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ الخ۔ حضور اقدس کی ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی نعمتیں مہیا فرمائی ہیں جن کو کسی نے نہ آنکھ سے دیکھا نہ کانوں سے سُنا نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا۔ او کما قال (صحیح) اسی طرح کافروں کے لئے طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ جو دنیا میں ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ ہم نے یہ تشریح مقاتل کے قول کے موافق کی ہے۔

toobaafoundation.com

مجاہد نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جن اعمال کو وہ اپنے گمان میں نیکیاں سمجھے ہوئے تھے قیامت کے دن ظاہر ہوگا کہ وہ نیکیاں نہیں بدکاریاں تھیں۔ سدی سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ عکرمہ بن عمار کی روایت ہے کہ محمد بن منکدر مرنے کے وقت بہت گھبرائے۔ لوگوں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ مجھے اس آیت کا خوف ہے ایسا نہ ہو کہ میرے گمان کے خلاف حالت ظہور پذیر ہو۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن منکدر بھی آیت کی تفسیر وہی سمجھتے تھے جو مجاہد نے بیان کی ہے۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ آدمی گناہ کرتا ہے اور خوب پھلتا پھولتا ہے۔ دولت بھی ملتی ہے اور عزت بھی، صحت بھی اور حکومت بھی۔ واقع میں گناہ بری چیز ہے لیکن گناہ کے نتائج اچھے نکلتے ہیں اس لئے وہ برائی کو برائی نہیں سمجھتا۔ اولاد کی کثرت، مال کی فراوانی اور رسوخ واثر کی زیادتی گناہ کی طرف مزید میلان پیدا کرتی ہے ظلم، سفاکی اور چیرہ دستی کا نتیجہ عزت و رعب کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ خیانت، رشوت، غصب، چوری اور غبن کے پھل دولت و عیش کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ آدمی بدکاریوں کی جانب اور بڑھتا ہے اور ڈھیل کو پیش روی، طوفان در بغل سکون کو راحت اور عقل کی موت کو سکونِ دل سمجھنے لگتا ہے۔ حقیقت میں اس کے فہم کی نارسائی ہوتی ہے۔ اس کی عقل بلکہ اس کا دل بھی نامختون ہوتا ہے۔ وہ عارضی سکون کو دوامی عیش سمجھتا ہے۔ افاقۂ موت کو پیامِ زندگی سمجھنا غلطی ہے اور فالج کو خشکی قلب قرار دینا انتہائی کوتاہ فہمی۔ اسی طرح حماقت پناہ بلادت دستگاہ گروہ اپنی کور باطنی اور تیرگیٔ عقل کی وجہ سے خیر کو شر حق کو باطل اور روشنی کو تاریکی سمجھنے لگتا ہے۔ پیامِ حق جب دلائل بردوش اس کے سامنے آتا ہے اور سرتابی و انکار کے نتائج بد سے ڈراتا ہے تو وہ دعوت و داعی دونوں کا انکار کرتا ہے۔ دونوں کی تحقیر کرتا ہے۔ دونوں کا مذاق اڑاتا ہے اور انتہائی بے دانشی و کوتاہی فہم کے سبب دونوں کی ہنسی بناتا ہے۔ پیامِ حق اور پیامبرانِ حق سے استہزا اس کا شعار بن جاتا ہے۔

لیکن ایک وقت آئے گا کہ ساری پول کھل جائے گی۔ بداعمالیوں کے نتائج بد سامنے آئیں گے اور جس دعوتِ حق اور مغزِ دعوت کا مذاق اڑایا تھا اس کی صداقت سورج کی روشنی کی طرح ہر طرف سے گھیر لے گی۔ حواس کی کوری اور فہم کی زنگ آلودگی دور ہو جائے گی۔ جہالت کا پردہ ہٹ جائیگا اور نورِ حقیقت چمکے گا۔ اس وقت گناہ بصورتِ گناہ اور پیامِ صداقت بشکلِ حقیقت دکھائی دے گا۔

مقصودِ بیان اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ الخ سے مترشح ہو رہا ہے کہ اعمالِ انسانی کی صداقت و بطلان کا فیصلہ کرنے اور امر و نہی صادر کرنے کا اختیار اسی کو ہونا چاہیئے جو خالقِ کل بھی ہو۔ سب اسی کی مخلوق ہو اور مخلوق کی ہر حالت اور ہر ڈھکی کھلی بات سے واقف بھی ہو اور اس کی واقفیت و خالقیت قیدِ زمانی سے آزاد ہو۔ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ الخ سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر عمل کا بدلا اللہ کی طرف سے ملے گا اور وہ عذاب سامنے آئے گا جو دنیا میں گمان سے بھی خارج تھا۔ مَا كَسَبُوا کا لفظ بتا رہا ہے کہ انسان نتیجۂ بد کا کاسب ضرور ہے۔ اگرچہ خالق آدمی نہیں لیکن کسب پر ہی نتیجہ کا مدار ہے اس لئے کسبِ بدی کو اپنے کئے کا نتیجہ بھگتنا پڑیگا۔

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

پھر جس وقت (اس مشرک) آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ

بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں یہ بات (بعض) اُن لوگوں نے بھی کہی تھی جو اِن سے پہلے ہو گزرے ہیں (جیسے قارون نے کہا تھا)

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ

سو اُن کی کارروائی اُن کے کچھ کام نہ آئی پھر اِن کی تمام بداعمالیاں اُن پر آپڑیں (اور سزایاب ہوگئے) اور ان میں بھی جو ظالم ہیں اُن پر بھی

toobaafoundation.com

سَیُصِیۡبُہُمۡ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوۡا ؕ وَ مَا ہُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۝ اَوَ لَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ

ان کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ (خدا تعالیٰ کو) ہرا نہیں سکتے کیا اُن لوگوں کو (احوال میں غور کرنے سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی

الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ ع

جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیدیتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی بھی کر دیتا ہے اس (البسط و قدر) میں ایمان والوں کے واسطے نشانیاں ہیں

تفسیر فَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلۡنٰہُ نِعۡمَۃً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ ؕ ضر کا لفظ ہر دُکھ کو شامل ہے۔ تخویل کے معنی ہیں مہربانی کرکے اپنی طرف سے لینے والے کے استحقاق کے بغیر کسی کو کچھ عطا کرنا (کبیر و ابن کثیر) آیت میں الانسان کا لفظ اگرچہ عام ہے کسی خاص شخص یا مخصوص اوصاف کے آدمی کی تخصیص نہیں لیکن جن اعمال کا بیان آیت میں کیا گیا ہے وہ صرف کا فرانہ ہیں اس لئے الانسان سے کافر انسان ہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ بعد کو آنے والی آیت وَقَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ الخ بھی اسی خصوصیت پر دلالت کر رہی ہے۔ علیٰ علم سے مراد ہے علمی استحقاق یا وہ استحقاق جس کا علم اللہ کو ہے یا لینے والے کو ہے۔ (رازی)

برخود غلط انانیت اور استبداد کا مدعی انسان ہر قسم کے عیش و طرب، دولت و ثروت، صحت و طاقت اور عزت و حکومت کو اپنی خوش تدبیری نتیجہ واجبہ جانتا ہے۔ کسب اور کمائی کو اصل موجب اور موثر خیال کرتا ہے۔ وہب الٰہی اور عطائے غیبی کا تصور بھی اس کے دماغ میں نہیں آتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ سلسلۂ اسباب کی نتائج سے وابستگی ہی نظمِ عالم کی علتِ حقیقیہ ہے۔ اس کور بصیرت انسان کی عقلی بینائی اور قلبی روشنی چونکہ مردہ افسردہ ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے علم و بصیرت اور حدس و تجربہ کو ہی ثمر آفریں سمجھتا ہے باوجودیکہ یہ ضروری نہیں کہ دنیا کے حاذق طبیب اگر متفق الرائے ہو کر بھی کسی بیمار کا علاج کریں تو وہ شفایاب ہی ہو جائے یا ماہرین زراعت اپنی نظری تحقیق کے موافق کد و کاوش کرنے کے بعد کشاورزی کریں تو حسب اندازہ تمہ پیدا ہو بھی جائے اور طوفانِ باد و باراں اور محرقاتِ رعد و برق سے کھیتی محفوظ ہی رہے۔ بہار اور خزاں، سورج اور چاند ستاروں اور سیاروں رات اور دن غرض تمام حوادثِ فطریہ کے اثر سے کامل تحفظ کون کر سکتا ہے۔ امکانی خوش تدبیروں سے کام لینا اور پھر خوش کن نتائج سے محروم رہنا کثیر الوقوع نہیں تو نادر بھی نہیں۔ پس جب کوتاہ فہم اور نارسا دانش رکھنے والے برخود غلط انسان کی تدبیر الٹی پڑتی ہے اور کوئی زور کام نہیں دیتی اس وقت اس کو اپنی بے بسی دکھائی دیتی ہے اور مجبور ہو کر وہ خدا کو پکارتا ہے۔ اس وقت بھی یہ کج فہم کارساز سمجھ کر خدا کی بارگاہ میں سر نیاز نہیں جھکاتا بلکہ جس طرح کامرانیوں اور کامیابیوں کا سرچشمہ اپنی علمی بصیرت اور تجربہ کو جانتا تھا اسی طرح خدا کے متعلق اس کو سوء ظن ہوتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ مجھے استحقاق تو کامیابی کا تھا مگر خدا نے میری حق تلفی کی اور مجھے دکھ دیا اور چونکہ خدا سے لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی اس لئے چار و ناچار وہ خدا ہی کو پکارتا ہے کہ وہ اپنی بھیجی ہوئی مصیبت دور کر دے۔ گویا راحت کے وقت تو وہ کامیابی کو اپنا حق اور دست حال جانتا ہے اور دکھ کی صورت میں خدا کو پکارتا ہے تاکہ خدا نے جو اس پر ظلم کیا ہے وہ دور کر دے۔ حالانکہ انسان نہ رنج کا خالق ہے نہ راحت کا، کاسب ضرور ہے اور کاسب ہے تو دونوں کا۔ آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا وہ تنقیمی خصوصیت کا حامل ہے۔ ایک صاف سادہ مطلب اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ آدمی جب دکھ یعنی فقر و مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ اپنی مہربانی سے بغیر اس کے استحقاق کے اس کو نعمت عطا فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے تو اس کا حق ہی تھا میں اپنے استحقاق کو جانتا ہی تھا یا یہ معنی کہ جو کچھ مجھے ملا وہ میری بصیرت اور علمی استحقاق کا نتیجہ ہے۔ پھر تبادل رنج و راحت بھی کامیابی و ناکامیابی کا معیار نہیں۔ لیل و نہار تبادلۂ بہار و خزاں اور تمام فطری تبدلات انسان کے حالات میں انقلاب پیدا کرنے کے پیامبر ہیں۔ تندرستی اور بیماری، افلاس اور مالداری، ذلت اور عزت، رنج اور راحت غرض ہر حالت اور ہر کیفیت اپنے اندر امتحانی حقیقت رکھتی ہے۔ انسانی زندگی کا ہر لمحہ

بَلۡ ہِیَ فِتۡنَۃٌ وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۔ آزمائش پرورش اور عبرت دربغل ہے۔ خود بین اور خدا فراموش انسان کو بھولا ہوا رشتہ یاد دلاتا ہے۔

toobaafoundation.com

مخلوق کا خالق سے ٹوٹا ہوا تعلق جوڑتا ہے۔ معبود فعال کی بارگاہ میں عبد عاجز کا سر نیاز جھکاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ ہر امتحانی علم سے بے نیاز ہے اس کو آزمائش پر مرتب ہونے والے علم کی ضرورت نہیں لیکن کیا یہ حقیقت امتحان نما نہیں کہ خود کوش خدا فراموش آدمی عیش و طیش اور راحت و مصیبت میں کبھی اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ لیتا ہے اور بھولا ہوا تعلق اس کو یاد ہو جاتا ہے اور کبھی انانیت کا دبو ہر حالت میں دکھ کی ہو یا سکھ کی، تصور خدا کو بار استحقار سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اول صورت میں انجام کی ٹوٹی ہوئی کڑی آغاز کے سرے سے مل جاتی ہے اور آخر شکل میں منتہی تعلق مبدء سے منقطع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ میں فلاح و کامرانی ہاتھ آتی ہے یا خسران مآلی اور بدانجامی سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن حقیقت رس دماغ رکھنے والے کم آدمی ہیں۔ اکثر کی نظر کوتاہ اور فہم نارسا ہے اس لئے رنج و راحت کے تبادل اور دکھ سکھ کے تعاقب کی تہہ تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ شکر و شرک اور کفر و فکر کا فرق سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ یعنی پہلے بھی بہت سر پھرے لوگوں نے ایسی ہی بات کہی تھی اور خداداد نعمت کو اپنی علمی بصیرت اور روشنی تدبیر کا نتیجہ واجبہ قرار دیا تھا۔ چنانچہ قارون نے بنی اسرائیل سے کہا تھا إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي۔ اور قارون پر ہی کیا انحصار ہے بکثرت آدمی ایسے ہی کہتے چلے آئے ہیں لیکن ان کی خود پنداری اور غرور نے جو اعمال بد ان سے کرائے جب مال کی بربادی عزت کی تباہی حکمت کی فرسودگی اور موت کا تیر ان کے لگا تو کوئی نہ بچا سکا۔ نہ مال کام آیا نہ حکومت، نہ دانش و حکمت، نہ قوت اور نہ شوکت۔ بالآخر (مرنے کے بعد تو یقیناً اور کبھی کبھی اسی دنیا میں) بداعمالیوں کا دکھ اٹھانا پڑا اور بدکاریاں مصیبت بن گئیں۔ اسباب راحت موجبات زحمت ہو گئے۔

وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ۔ پچھلی آیت میں ان بدکوش بدکیش کافروں کی بداعمالی اور بداعمالی کے نتائج قبیحہ کا تذکرہ تھا جو امت محمدیہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس آیت میں پھر اصل مراد کی طرف رجوع فرمایا۔ قرآن چونکہ درس عبرت ہے گزشتہ کی تصویر دکھا کر حال کے متعلق صراحت فرماتا ہے اس لئے اس آیت میں امت حاضرہ کے کافروں کے نتائج بد کا تذکرہ فرمایا اور نتائج بد کی علت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ قابل توجہ خصوصیت کے ساتھ دو ٹکڑے ہیں۔

۱ لفظ ظَلَمُوا ۲ وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ ظلم ہی سرچشمہ عذاب ہے۔ بہت حیلہ جو اپنے کو مجبور مطلق خیال کرتے ہیں اور ہر برائی کا فاعل خدا کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن انانیت اور غرور کا شکار بھی ایک بہت بڑا گروہ ہے جو اپنے ہر فعل اور نتیجہ فعل کا خالق اپنی ہی ذات کو سمجھتا ہے اور اپنی علمی و عملی قوتوں کو محیط کل خیال کرتا ہے۔ یہ دونوں بے جا حرکتیں اور ظلم کی مختلف الشکل دو شاخیں ہیں لیکن آیت میں سیاق و سباق کا لحاظ رکھتے ہوئے بظاہر دوسری شاخ مراد ہے اس لئے آیت ختم پر فرمایا کہ یہ ظالم (اپنی علمی و عملی قوت سے اللہ کو) ہرا نہیں سکتے۔ اس پر غالب نہیں آسکتے یعنی علم کی وسعت اور عملی طاقت ہمہ گیری کے سبب بدکرداری کے نتائج بد سے بچ نہیں سکتے۔

أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ دنیا کی ہر نعمت رزق ہے۔ مال ہو صحت ہو حکومت و عزت ہو علم و دانش ہو اولاد ہو بیوی ہو رشتہ دار اور کنبہ والے ہوں یا ان سب کے علاوہ کچھ اور ہو۔ رزق کی تنگی فراخی میں تفاوت ہے۔ کوئی فراخ دست ہے کوئی تنگ حال کوئی بادشاہ کوئی گداگر کوئی عالم کوئی جاہل، کوئی طاقتور حسین و تندرست کوئی کمزور بدصورت بیمار۔ ایسا کیوں ہے کیا علم و جہالت، دانش اور حماقت کو اس کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ورنہ عالم مصیبت میں اور جاہل راحت میں کیوں ہیں بلکہ اکثر کمزور بیمار جاہل فارغ البال اور اکثر طاقتور تندرست عاقل بدحال کس وجہ سے ہیں۔ پھر کیا نیچر طبعی قوتیں اور ستاروں کی نیرنگی اس کا سبب ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ قران السعدین کے وقت پیدا ہونے والا بچہ فقط بادشاہ ہی نہیں ہوتا۔ ہزاروں بیمار فقیر بچے بھی تو بادشاہوں کی پیدائش کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اعمال کا اختلاف فی الجملہ اس میں دخل رکھتا ہے۔ لیکن اصل علت تو عمل کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسان کی عقل نارسا کی رسائی کچھ زیادہ نہیں عقل کے ساتھ ایمان عقلی بلکہ وجدان قلبی ہونا ضروری ہے تاکہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ اور متصرف لِمَا يَشَاءُ کی کارفرمائیاں نظر آئیں۔ حقیقت میں ہر تنگی فراخی کی اصل علت مشیت مختار کی حکمرانی ہے وہی جتنا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ مشیت الٰہیہ ہی وجہ تفاوت ہے کیا خوب

toobaafoundation.com

کہا ہے کہ

فلا السعد یقضی بنا المشتری ولا النحس یقضی علینا زحل

ولکنہ حکم رب السماء وقاضی القضاۃ تعالیٰ وجل

مقصودِ بیان

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ الخ اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ انسان اپنے کو مجبور بھی جانتا ہے اور مختار بھی لیکن اس کے دونوں عقیدے حق جوئی اور صداقت طلبی کے زیر اثر نہیں ہوتے بلکہ خود غرضی اور شیطانی جذبہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دکھ درد میں عاجز آ کر تو خدا کو پکارتا ہے۔ شاید سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت خدا نے بھیجی ہے دکھ درد اس کی طرف سے مجھ پر آتا ہے۔ غالباً وہ اپنی بداعمالی کو باعث دکھ نہیں سمجھتا ملکہ بغیر دی عمل کے خدا کی طرف سے نازل شدہ مصیبت جانتا ہے۔ پھر جب خدا اس کی سن لیتا ہے اور اپنی رحمت سے اس کا دکھ دور کر دیتا ہے اور نعمت سے سرفراز فرما دیتا ہے تو اس وقت انسان کو اپنی طاقت اپنی دانش اور اپنا اختیار یاد آتا ہے دماغ رعونت سے بھر جاتا ہے اور سمجھتا ہے جو کچھ ہے میرا حاصل کردہ ہے۔ میں عالم ہوں میں خوش تدبیر ہوں میں عقیل و فہیم ہوں میں نے اپنی بصیرت اور محنت سے افلاس کو دور کیا، دولت پیدا کی۔ مال دار بنا کامیاب علاج کیا۔ حاذق ڈاکٹروں سے مشورہ لیا، تندرست اور چاق و چپست ہو گیا کم بخت کا فر نعمت احسان فراموش اور انانیت کے نشہ سے بے ہوش ہو گیا گویا احمق نے نہ خدا کا انکار کیا بلکہ خالق شر اور موجب مصائب تو اللہ کو سمجھا اور خالق خیر اپنی ذات کو جانا۔

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا ہر دکھ راحت آزمائش ہے نہ دکھ کی دوائی ہے۔ سکھ ابدی دکھ کیسا ہی ہو (خواہ انسانی بداعمالی کے سبب آیا ہو لیکن) خدا آدمی کی آزمائش کرنی چاہتا ہے کہ بندہ مصائب سے تنگ آ کر خدا کو ظالم و جابر قرار دیتا ہے۔ کفر آمیز کلمات زبان پر لاتا اور خدا سے نفرت کرنے لگتا ہے یا اپنے گناہوں پہ نظر کر کے سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گناہوں سے توبہ کرتا اور خدا سے فرمانبرداری کا عہد کرتا ہے۔ اسی طرح راحت طاقت و دولت حکومت غرض ہر نعمت بھی امتحانی ہے اللہ آزماتا ہے کہ بندہ میری نعمتوں کا اقرار اور شکر کرتے ہوئے صحیح مصارف میں اس کو صرف کرتا ہے یا انانیت اور غرور کے نشہ سے چور ہو کر تکبر کا سر اٹھاتا اور خدا کو بھولتے ہوئے اپنے کو کارساز سمجھتا ہے اور نعمتِ الٰہیہ کو خود پیدا کردہ جانتے ہوئے قوانین خداوندی سے سرتابی کرتا ہے۔ اپنے کو متصرف مختار خیال کرتا ہے۔ حقیقت میں دونوں امتحان ہیں۔ مسلمانوں کو دونوں حالتوں میں خدا کو نہ بھولنا چاہیئے۔ فَاَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا سے واضح ہو رہا ہے کہ خدا خود بخود کسی کو دکھ نہیں دیتا بلکہ انسان کی بداعمالی اس کو دکھ دیتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰؤُلَآءِ اس آیت سے عبرت پکڑنی چاہیئے مسلمانوں کو جن کا دعویٰ تو اسلام کا ہے مگر حرکات گزشتہ کافروں ایسی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تخم آم کا درخت ہو یا شیریں کا مسلمان بوئے یا کافر پھل بہرحال ویسا ہی ہوگا جیسا تخم ہوگا۔ پھر کس طرح اعمال کا فراز کرنے کے بعد مسلمان نتائج عذاب آگیں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْا میں صاف صراحت ہے کہ رزق کی تنگی فراخی مشیت الٰہیہ کی تابع ہے۔ کمی بیشی انسان کی قدرت سے وابستہ نہیں وغیرہ۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین خدا تعالیٰ تمام

الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ

گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب الٰہی واقع ہونے لگے (اور پھر اس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری مدد کی جاوے اور تم (کو چاہیئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے

رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَن تَقُولَ نَفْسٌ

حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو کبھی (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے کہ

يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ

افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر

اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً

اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جاوے

فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ

پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں ہاں بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں سو تو نے ان کو جھٹلایا اور (جھٹلانا کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ) تو نے تکبر کیا

وَكُنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم

اور کافروں میں (ہمیشہ) شامل رہا اور قیامت کے روز تم ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنھوں نے خدا پر جھوٹ

مُّسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا

بولا تھا کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے)

بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

نجات دے گا ان کو (ذرا) تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر

ہم اسی تفسیر میں چند مباحث کے تنقیحی سلسلے میں لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرۃً تین طاقتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک روحانی علمی عقلی نورانی طاقت دوسری مادی بطنی صنفی اور راحت جسمانی حاصل کرنے والی یا حصولِ مرغوبات کا شوق رکھنے والی طاقت، تیسری ہر قسم کے مادی ... کو دور کرنے یا دور کرنے کی کوشش کرنے والی طاقت پھر ان تینوں طاقتوں کو استعمال کرنے کا ایک نظم بھی بتا دیا ہے اور گمراہی و ہدایت کی حدود بھی مقرر فرما دی ہیں اور یہ بھی تعلیم دے دی ہے کہ موخر الذکر دونوں مادی طاقتوں کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا موجب کامرانی ہے اور اعتدال سے ہٹنا باعث تباہی ہے اور اعتدال کی حدود صرف یہ ہیں کہ اول طاقت کے ماتحت اور اس کی رہنمائی اور نگرانی کے زیر اثر رہ کر اگر آخری دونوں طاقتیں اپنا اپنا فرض انجام دیں اور اس پر پہرہ دست نہ بن جائیں تو سمجھ لو کہ یہ نقطۂ اعتدال ہے نفسِ انسانی کے لئے باعثِ فلاح ہیشہ دوامی کے تمام راستے تمہارے لئے کھل جائیں گے اور اس کے خلاف صورت میں ابدی ہلاکت حاصل ہوگی اور بس۔ پھر نقطۂ اعتدال سے ہٹنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مادی طاقت کو بے لگام چھوڑ کر روحانی قیادت سے منہ موڑ کر خیر و شر اور حقیقی کامرانی و ناکامی سے بے نیاز ہو کر زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ دوسری یہ کہ دونوں طاقتوں کو عقل کے خلاف افسردہ اور مردہ بنا لیا جائے یہاں تک کہ اول طاقت کی حکمرانی اور رہنمائی پر چلنے سے وہ عاجز ہو جائیں اور اس طرح روحانی علمی فرائض کی انجام دہی اور معارف علمیہ کے حصول میں بھی رکاوٹ پڑ جائے۔

toobaafoundation.com

یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ صرف اعتدال کا پہلو جسے اللہ یعنی اللہ کی فطری ہدایت کا پہلو کہلاتا ہے اور اعتدال سے ہٹ کر افراط اور تفریط کے دونوں طرح شیطانی ہیں۔ یہی اسراف علی النفس ہے اور نفس کو انہی راستوں میں چلنے سے واقعی انجام کار دُکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ مادّی طاقتوں کی عقلی توت سے سرتابی اور فطری تعلیم سے ہٹ کر مادّیت کا رُوحانیت پر اور کثافت کا لطافت پر غلبہ بڑی زیادتی ہے۔

پس جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہو یعنی مادّی قوتوں کو عقلی حکمرانی اور روحانی قیادت سے آزاد کر کے استعمال کیا ہو خواہ افراط کا پہلو اختیار کیا ہو اس طرح کہ مادّی طاقتوں کو بے لگام اور خودسر چھوڑ دیا ہو عرفانی رُوحانی حرمت و ملّت کی پرواہ بھی نہ رکھی ہو واقعی خیر و شر کی حدود و قیود بھی توڑ دی ہو یا تفریط کا رخ اختیار کیا ہو اس طرح کہ مادی طاقتوں کو بے عقلی کے ساتھ مُردہ کر لیا ہو کھانا پینا چھوڑ دیا ہو۔ حلال کو بھی ترک کر دیا ہو اور اس طرح عرفان کے مدارج عالیہ کے حصول میں رکاوٹ پیدا کی ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے عدالتی قدرتی سزا تو سوائے دُکھ اور عذاب کے اور کچھ نہیں ہے لیکن عدالتی سزا سے بالاتر اللہ کی رحمت ہے جس کا تقاضا ہے کہ مجرم کو سزا نہ دی جائے اور رحم کر کے اس کو معاف کر دیا جائے اور جتنے جرائم اس سے سرزد ہوئے ہوں ان کو مٹا دیا جائے مگر شرط یہ ہے کہ آئندہ وہ توبہ کرے اپنے گناہوں کا اقرار کرے اللہ کے سامنے عجز و زاری کرے اپنی زندگی کے سارے معاملات، تمام افکار اطوار گفتار اور کردار اسی کے سپرد کر دے۔ غرض اسی کو اپنی ساری زندگی کا مرکزی نقطہ بنائے۔ اُسی کے گرد اگرد اپنی زندگی کا دائرہ بنائے۔ کسی جگہ مرکزی نقطہ سے زیادہ دوری نہ ہو جائے۔ اس کی قائم کردہ تمام قیود کا پابند ہو۔ اس کے بھیجے ہوئے احکام کی پیروی کرے اور ہر لحاظ اس کے فرمان سے بالارادہ سرتابی نہ کرے۔ ایسی صورت میں رحمت الٰہیہ جوش میں آجائے گی اور رحم کے پانی سے پچھلے گناہوں کے تمام داغ دھبے دُھل جائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پچھتانا اور ہاتھ ملنا پڑے کہ ہائے میں نے اللہ کی اطاعت کے رُخ پر چلنے میں کیوں کمی کی کیوں مادّی قوتوں کے افراط و تفریط کے گورکھ دھندے میں پڑ کر خود اپنے اوپر زیادتی کی۔ خوب سمجھ لو کہ اس وقت یہ معذرت نہیں چلے گی کہ اگر خدا مجھے سیدھا راستہ دکھاتا تو میں بھٹکتا پھرتا کیونکہ اللہ تو دنیا میں سیدھا راستہ دکھا چکا اُس نے فطری طور پر بھی رہنمائی کی۔ مادّی قوتوں کو اعتدال کے ساتھ روحانی سیاحت و قیادت کے زیرِ اثر استعمال کرنے کا راستہ بتا دیا اور اتمامِ حجت کے لئے آسمان سے کتابیں بھی اُتاریں۔ ہر حکم اور اس کے نتیجہ کو کھول کر بیان کیا۔ غرض خاموش اور ناطق ہر طرح کی ہدایت کی مگر تم نے ایک نہ مانی سب کی تکذیب کی۔ سب کو جھوٹا قرار دیا۔ فطری ہدایت پر بھی غور نہیں کیا اور بولتی ہوئی ہدایت کو بھی نہ مانا۔ ایسی صورت میں خدا پر ہدایت نہ کرنے کا الزام دھرنا کارآمد نہیں اور نہ دوبارہ لوٹ کر دنیا میں جانے اور پھر از سرِ نو زندگی کو سنوارنے کی آرزو کرنا ہی قابلِ قبول ہوگا۔ ماضی لوٹ کر نہیں آتا۔ گزری ہوئی کرداری زندگی دوبارہ نہیں مل سکتی۔ تخلیقِ عالم کا جو چکر ختم ہو گیا اس کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ حرکتِ مقلوب حکمت کے بھی خلاف ہے اور مشیّت کے بھی۔ غرض قیامت کے دن نہ یہ عذر قابلِ سماع ہوگا کہ اللہ نے ہم کو ہدایت نہیں دی۔ اگر وہ رہنمائی کرتا تو ہم ضرور راہِ راست پر چلتے۔ نہ دوبارہ دنیوی زندگی ملنے کی تمنا سُود مند ہوگی۔ پس سوائے حسرت و افسوس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا لیکن خدا غفور الرحیم ہے۔ وہ تم کو آگاہ کرتا ہے کہ پچھتانے و افسوس کرنے سے پہلے اس کی رحمت کی طرف قدم بڑھاؤ۔ عدالتی سزا یابی کا یقین نہ رکھو اور معافی سے ناامید نہ ہو لیکن نڈر ہو کر آئندہ گناہ اور نافرمانی پر احمقانہ جرأت بھی نہ کرو۔

تحلیلِ اجزاء

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ اس جگہ چند الفاظ غور طلب ہیں۔ (۱) عباد سے کیا مراد ہے (۲) اسراف علی النفس کیا چیز ہے؟ (۳) ناامید ہونے کا کیا مطلب ہے (۴) رحمۃ اللہ کیا ہے (۵) تمام گناہوں کے معاف کر دینے کے کیا معنی ہیں۔ ہم نمبر وار ہر ایک کی مختصر تنقیح کریں گے لیکن سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی شانِ نزول اور شانِ نزول سے تعلق رکھنے والی ... کو نقل کر دیں تاکہ تشریحِ آیت کے وقت خلفشار باقی نہیں رہے۔

ابن عباس نے فرمایا کچھ مشرکوں نے حالتِ شرک میں قتل خونریزی اور زناکاری کی اتنی کثرت کی کہ اپنی زیادتی کا انہیں خود احساس ہوا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جس چیز کی آپ دعوت دے رہے ہیں وہ ہے تو اچھی لیکن ہماری گزشتہ بدکاریوں کا تارک ہوگا اس پر آیت وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ الخ اور آیت قُلْ

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الخ نازل ہوئی (رواہ سعید بن جبیر، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول عیاش بن ابی ربیعہ، ولید بن ولید اور اُن چند مسلمانوں کے حق میں ہوا جو مکہ میں مسلمان ہوگئے تھے لیکن کافروں نے تکلیفیں دے کر پھر اُن کو پھیر لیا ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ کبھی ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ پہلے یہ لوگ مسلمان ہوئے اللہ کو پہچانا اور مصیبت پڑی تو پھر گئے۔ ایسے لوگوں کی توبہ تو کبھی قبول نہ ہوگی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ان کو بھجوائی وہ لوگ بھاگ کر چلے آئے اور ہجرت کے بعد مسلمان ہوگئے۔ (محمد بن اسحاق سند نافع عن ابن عمر)

حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ حضور اقدسؐ فرمایا کرتے تھے کہ آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الیہ) آیت مجھے دی گئی ہے جس کے عوض دنیا و مافیہا مجھے پسند نہیں ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ پھر اگر کسی نے شرک کیا ہو تو (کیا اس کو بھی مغفرت کی بشارت ہے) حضور کچھ خاموش رہے پھر فرمایا آگاہ ہو وہ بھی جس نے شرک کیا یہ جملہ حضورؐ نے تین بار فرمایا (احمد و ابن جریر، ابن ابی حاتم و ابن مردویہ والبیہقی)

حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ حضور انورؐ نے آیت اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا پڑھنے کے بعد فرمایا ولا یبالی (یعنی اللہ لاپرواہ ہے اس کے لئے سب گناہ معاف کردینے آسان ہیں)

علی بن ابی طلحہ نے کہا کہ آیت قول تعالیٰ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الآیۃ کے بیان میں ابن عباس نے فرمایا۔ دیکھو اللہ نے اپنی مغفرت کی جانب اس شخص کو بلایا جو اعتقاد رکھتا تھا کہ مسیح ہی اللہ ہے اور مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور جو کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور اللہ کا ہاتھ بخل کی وجہ سے بندھا ہوا ہے اور جو یہ دعویٰ کرتا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے (یعنی مریم اللہ کی بیوی اور مسیح اللہ کا بیٹا اور اللہ مسیح کا باپ مریم کا شوہر) اس کے بعد جو کوئی اللہ کے بندوں سے توبہ قبول ہونے سے مایوس کرے وہ اللہ کی کتاب کا منکر ہے لیکن یہ جان لو کہ بندہ کو توبہ کی توفیق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک خدا کا رخ اس کی طرف نہ ہو۔ (ابن کثیر)

حسن بصری فرماتے تھے اس رحم و کرم کو دیکھو کہ جن کافروں اور مشرکوں نے اللہ کے دوستوں کو قتل کیا اللہ اُن کو توبہ و مغفرت کی طرف بلاتا ہے

خطیب وغیرہ نے ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول حضرت حمزہ کے قاتل ہندہ کے غلام وحشی کے متعلق ہوا تھا جس نے شرک بھی کیا تھا اور جلیل الشان ولی اللہ (حضرت حمزہ) کو شہید بھی کیا تھا۔ اب ہم اصل آیت کے اجزاء کی تشریح کرتے ہیں:۔

(۱) خطیب نے سراج میں اور رازی نے کبیر میں لکھا ہے کہ قرآنی عرف میں جس جگہ اللہ نے عبادی یا عباد الرحمٰن وغیرہ لفظ استعمال فرمایا ہے وہاں صرف اہل ایمان ہی مراد ہیں۔ قرآن کی اصطلاح یہی ہے اس لئے آیت میں عبادی کا لفظ مشرکوں کو شامل نہیں ہے

ابن کثیر و دیگر اہل تفسیر نے شان نزول کی مختلف روایات کی روشنی میں آیت کے اطلاق میں اہل شرک کو بھی داخل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ نے تمام کافروں اور گناہ گاروں کو توبہ کرنے کی دعوت دی ہے اور آگاہ فرما دیا ہے کہ جو شخص توبہ کرکے گناہ سے منہ موڑ لے گا اللہ اس کے کل گناہوں کو بخش دے گا۔ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ، کثیر ہوں یا قلیل۔ یہاں تک کہ سمندر کے جھاگوں کی برابر بھی ہوں گے تب بھی بخش دے گا مگر توبہ شرط ہے۔ ہماری نظر میں ابن کثیر کا قول صحیح ہے۔ اس کی وجہ تفسیری مطلب بیان کرنے کے وقت ہم لکھیں گے

(۲) اسراف علی النفس کیا چیز ہے اور اپنے نفس پر زیادتی کی کیا حقیقت ہے۔ اسراف علی النفس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک شرک، دوسرے باقی گناہ۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مشرک دل کے سکون، روح کے قرار اور دماغ کے چین سے محروم ہوتا ہے۔ اس کے اعتقادی کارساز چند در چند ہوتے ہیں کبھی کسی کو پکارتا ہے کبھی کسی کو مدد کے لئے بلاتا ہے۔ کبھی کسی کے در پر سجدہ ریزی کرتا ہے۔ اس کو ہر فرضی دیوتا اپنے اوپر حکمران نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کی غلامی کرتا ہے۔ ہر ایک کے سامنے عاجزی کرتا ہے۔ ہر در پر گڑگڑاتا اور الحاح و زاری کرتا ہے۔ اس اعتقادی پراگندگی سے اس کی جان قید غلامی میں ہمیشہ سکڑی رہتی ہے۔ وہ نفس جو فطرتاً آزاد تھا جس کی خدمت گزار ساری کائنات تھی، بدرجہ ماسواء

toobaafoundation.com

اللہ کو حکمران تھا رب ۔ کا محکوم بن جاتا ہے ۔ عزت سے ذلت اور بلندی سے پستی میں جا گرتا ہے ۔ آسمانِ رفعت کا بادشاہ قعرِ مذلت کا قیدی ہو جاتا
ہے ۔ اس سے بڑھ کر نفس پر زیادتی اور کیا ہو سکتی ہے ۔ وجہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ تو ظاہر ہے کہ تمام گناہوں کے نتیجے میں کائنات
انسانی کا پورا روشن گھر تاریک ہو جاتا ہے ۔ قانونِ عدل اور ضابطۂ اخلاق سے سرتابی کا نتیجہ سوائے انسانی بربادی اور تباہی کے اور کچھ نہیں
نکلا ۔ ہر شخص کی حق تلفی ۔ ہر شخص پیچیدہ وستی کا شکار ۔ ہر شخص طاغوتی طاقتوں کا غلام اور ہر شخص ہلاکت کے دیوتا کی سواری بن جاتا ہے ۔ کسی کی عزت
محفوظ نہیں ہوتی ۔ کسی کی جان لوٹ سے بے فکر نہیں رہتی ۔ کسی کا مال مامون نہیں ہوتا ۔ سچ ہے گناہ سرچشمۂ ہلاکت ہے ۔ مخزنِ فلاکت ہے ۔
اور منبعِ ذلت و نکبت ہے ۔ صحت ، طاقت ، عزت اور سکونِ روح کی بربادی سے بڑھ کر نفس پر زیادتی کیا ہو سکتی ہے ۔ یہ تو دنیا میں اسراف
علی النفس کے نتائج ہوتے ہیں ۔ باقی آخرت میں جو سزا ملے گی اور جس ہولناک عذاب کو برداشت کرنا ہوگا اس کا ذکر ہی کیا ہے ۔
(۳ ، ۴ و ۵) گہری نظر سے دیکھا جائے تو حاکمانہ طاقت محکوم کے اعمال کی پاداش میں تین طرح کا برتاؤ کر سکتی ہے ۔ (۱) ناکردہ گناہ اور
بے قصور کو گرفتار کرلے اور خود بخود یا جذبۂ رعونت و رعب کے زیرِ اثر بے خطا کو خطاوار قرار دیتے ہوئے سزا دے ۔ اس سلوک کا نام ظلم ہے
دنیاوی حکومت بھی اگر ایسی سزا دے تو اس کو ظلم ہی کہا جائے گا ۔ اور آخرت میں بھی اگر ایسی گرفت ہو تو ستم رانی کی ہی تعریف اس پر صادق آئے گی ۔
اللہ خدا چونکہ جذبۂ السانیت سے پاک ہے اس ظلم کی نسبت اس کی طرف کی ہی نہیں جا سکتی ۔ (۲) قصوروار کو اس کے قصور کے موافق سزا دی جائے
کم زیادتی نہ کی جائے اس کو انصاف کہا جاتا ہے ۔ قانونِ عدل کا یہی تقاضا ہے ۔ جرم اور سزا کی مساوات قانونی انصاف ہے ۔ روئے زمین
کی تمام حکمران طاقتوں کا یہی طرۂ امتیاز ہے ۔ اسی کی تلاش میں انفرادی اور اجتماعی آئین بنتے ہیں اور ناکام ہو کر بگڑتے ہیں ۔ آسمانی شریعت کی کم
سے کم تعلیم یہی ہے اور مساواتِ حقوق ادنیٰ کرشمۂ ہدایت ہے ۔ (۳) مجرم جس کا جرم کرے اور قصوروار سے جس کی حق تلفی ہو وہ اپنا حق معاف
کردے اور پاداشِ جرم کی سزا دینے یا دلوانے سے دست بردار ہو جائے ۔ حاکم قانون شکنی کرنے والوں سے درگزر کرے ۔ باغی کی بغاوت ، سرکش کی
سرکشی اور نافرمان کی نافرمانی حاکم کی نظر میں اگرچہ موجبِ سزا ہو لیکن وہ سزا نہ دے اور بے وقوف قانون شکن کی کمزوری ، ناچاری اور بے بسی
پر اس کو رحم آجائے اسی کو رحمت کہا جاتا ہے ۔ انسانی قانون میں اس کی گنجائش بہت کم ہے بلکہ بعض اقوام و اشخاص کے آئین میں تو اس کو
جرم کہا گیا ہے جن قوانین میں رحم کی گنجائش ہے ان میں بھی رحم کرنے کا حق مخصوص افراد کو ہوتا ہے ۔ عام حاکم اور منصف اس حق سے محروم
ہوتے ہیں ۔ لیکن آسمانی شریعت نے اس کو احسان کہا ہے ہر حقدار کو اس کی تعلیم دی ہے ۔ اگرچہ عدالت اور انصاف کے حق سے کسی کو بے بہرہ
نہیں کیا لیکن رحم کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے ہر مستحق کو رضاکارانہ واگزاشتِ حق کی تلقین کی ہے ۔ فِیْنَ عَنِ النَّاس ۔ ارحموا من فی
الارض ۔ وَاَنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ اور اسی طرح دوسری نصوص میں صراحت فرما دی گئی ہے کہ طلبِ حق سے دست برداری
کہیں بہتر ہے ۔ لیکن یاد رکھو کہ معاف کرنے کا اختیار صرف اسی شخص کو ہوگا جس کو جرم کی سزا دینے یا دلوانے کا حق ہو یعنی مستحق اپنے حق سے دست بردار
ہو سکتا ہے ۔ کسی اجنبی کو کسی مستحق کا حق اس کی رضامندی کے بغیر معاف کر دینے کا کوئی حق نہیں ۔ پرائے حق کو اس کی مرضی کے خلاف معاف
کر دینا مجرم پر رحم نہیں بلکہ مستحق پر ظلم ہے ۔
جرم کرنے کے بعد اگر مجرم سزا سے بے خوف ہو جائے اور اس کو یقین ہو جائے کہ مجھے کسی قسم کی سزا نہیں ملے گی تو گویا وہ قانونِ عدل
کے نفاذ کا منکر قرار پائے گا یا عدالت حاکم کا اس کو اقرار نہ ہوگا ۔ اسی طرح اگر مجرم یہ خیال دل میں جمائے کہ جرم کی سزا مجھے ضرور ملے گی اور قانونی
سزا سے میں بچ نہیں سکتا اور حاکم کی قانونی سزا سے بچنے کے سب راستے بند ہیں تو گویا وہ حاکم کی رحمت کا منکر ہوگا اور رحمت سے انکار
کے معنی حاکم کے اختیارِ تمیزی کے انکار کے ہیں ۔ اس طرح ہر جرم کی سزا پانے کا یقین رکھنے والا حاکم کو مجبور بے اختیار اور مضطر عاجز سمجھنے والا
قرار ہوگا ۔ لیکن اللہ عادل بھی ہے اور مختار رحیم بھی ۔ اس کے عادل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس نے ہر جرم کی سزا مقرر کر رکھی ہے ۔ کسی جرم کی
سزا اس سزا سے زائد نہیں دے گا ۔ نہ کسی بے قصور کو قصوروار قرار دے کر عذاب میں ماخوذ کرے گا ۔ گویا خدا کے عادل ہونے کے معنی میں اس کا
ظالم نہ ہونا ۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر گنہگار اپنے گناہ کی سزا سے ڈرتا رہے اور عادلانہ سزا سے بے خوف نہ ہو ۔ ایسی بیباکی ، انکارِ عدالت ہے

toobaafoundation.com

اور غفور کے رحیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے حقوق کو معاف فرما دے گا۔ اُن کی قانونی سزا نہیں دے گا لہٰذا مجرم کو اپنی سزا پانے کا یقین نہ رکھنا چاہیئے۔ ایسا یقین اللہ کی رحمت سے مایوسی کے مرادف ہے۔ اگر خدا کو اپنے حقوق معاف کر دینے کا حق نہ ہو تو پھر اُس کے اندر اختیارات تمیزی نہ ہوں گے۔ ورا ایسا خدا مجبور خدا ہو گا مختار خدا نہ ہو گا۔ اسی بنیاد پر ایمان کی بنیاد بیم و رجاء دونوں پر ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے انسانوں اے بندگان خدا تم نے اپنے اوپر زیادتیاں کیں علمی بھی اور عملی بھی مگر اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو اللہ سب گناہ (خواہ شرک ہو یا کوئی اور گناہ) بخش دے گا کیونکہ وہ (جس طرح عادل ہے اسی طرح) غفور رحیم (بھی) ہے لیکن گناہوں کی معافی کیسے ہوگی۔ اس کی تین صورتیں ہیں (اگر ان پر عمل کرو گے تو گزشتہ اور موجودہ سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اُن کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اللہ کی رحمت عدالت پر غالب آئے گی۔ اول شرط یہ ہے کہ:

وَ اَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ۔ سچے دل سے شرک اور تمام گناہوں سے توبہ کرو۔ اللہ سے پکا وعدہ کرو کہ آئندہ جرائم نہیں کریں گے تو ہمارے گناہ معاف کر دے ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ۔

وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ اپنے ظاہر و باطن حواس وجدان ادراک کیفیت ادراک عمل اور کیفیت عمل کا رُخ خدا کی طرف موڑ دو، سب جہان سے قلبی تعلق توڑ دو۔ ماسویٰ اللہ سے دل کا لگاؤ چھوڑ دو۔ سوائے خدا کے کسی کو مرکز توجہ نہ بناؤ اللہ کی محبت پر سارے سنسار کی محبت یہاں تک کہ اپنے ماں باپ اولاد اور نفس کی محبت بھی نچھاور کر دو اور خدا کے خوف کے مقابل ہر چیز سے بے خوف ہو جاؤ۔ تم اپنی جسمانی دماغی قلبی اور روحانی طاقتوں کا نقطۂ توجہ خدا کو بنا لو یہاں تک کہ تمہاری زندگی بھی خدا کے لئے ہو اور موت بھی خدا کے لئے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ:-

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَۃً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں، ور پیغمبر کی معرفت جن ہدایات سے سرفراز فرمایا ہے ان کو مانو اور اُن پر چلو اور حکم خدا کے موافق اپنے اعمال کو درست کر لو۔

ان تین باتوں کو تم نے مان لیا تو پھر تم سے جو خطا بھی سرزد ہو چکی ہے خواہ وہ شرک ہی ہو اللہ اس کو معاف فرما دے گا ہم نے جو تفسیری مطلب بیان کیا ہے وہ تمام پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ حقیقت میں آیت کا مقصد صحیح توبہ اور اصلاح اعمال کی تلقین کرنا ہے لیکن موجودہ اعمال کی درستی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا وعدہ کر لینے سے گزشتہ گناہوں کی تلافی کس طرح ہو اور توبہ کے بعد والی زندگی پہلی زندگی کی بداعمالیوں کو کس طرح نامۂ اعمال سے مٹا دے اس، کے لئے مایوس نہ ہونے کا حکم دیا اور تمام گناہوں کو معاف کرنے کی صراحت فرما دی۔ سیاق قرآنی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اگر اس آیت کی تفسیر میں کہا جائے کہ ذنوب سے شرک خارج ہے کیونکہ شرک کے معاف نہ کرنے کی صراحت آ گئی ہے۔ (لا یغفر ان یشرک بہ) اور دوسرے گناہ بغیر توبہ کے معاف کر دیئے جائیں گے۔ توبہ کی شرط نہیں ہے۔ تائب کے جون یا غیر تائب کے بہرحال سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس قسم کی تفسیر کرنے والوں نے انابت اسلام اور اتباع قرآن کے حکم پر غور نہیں کیا اگر بعد والے ٹکڑوں کو یغفر الذنوب سے ملا کر غور کرتے تو مطلب صاف نکل آتا۔ فی الواقع آیت کی غرض توبہ کی تلقین اور اصلاح عمل کی دعوت ہے۔ گناہوں پر جرأت دلانی مقصود نہیں ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ اگر آیت یغفر الذنوب جمیعا میں بلا توبہ تمام گناہوں کے معاف کرنے اور سزا نہ دینے کا وعدہ کر لیا گیا ہے اور آیت کا یہی مطلب ہے تو پھر انابت اور اسلام اور اتباع قرآن کا حکم اس کے بعد کیوں دیا گیا۔ حقیقت میں بعض ہمارے قدماء نے معتزلہ کے رد میں اتنی افراط کی ہے کہ بعض آیات کے مطلب کو بھی ژولیدہ بنا دیا۔ اس آیت میں چونکہ معتزلہ نے مغفرت کے لئے خواہ مخواہ توبہ کی شرط لگائی ہے اس لئے ہمارے علماء نے خواہ مخواہ آیت کو بلا توبہ مغفرت کے لئے بھی عام کر دیا حالانکہ وعدۂ مغفرت میں توبہ کی شرط ہے نہ بلا توبہ کی صرف تلقین توبہ اور اصلاح عمل کا درس دینا مقصود ہے اور توبہ و اصلاح کے بعد گزشتہ یا موجود تمام گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:- شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے کہ قرآن میں کچھ نظری یا

toobaafoundation.com

عملی حصہ غیر احسن بھی ہے خواہ حسن ہے یا قبیح اور غیر احسن حصہ واجب الاتباع نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ممنوع العمل ہے۔ اس کا جواب امام رازی نے یہ دیا ہے
کہ اللہ نے پورے قرآن کو احسن الحدیث فرمایا ہے اس لئے سارا قرآن احسن ہے۔ امام کا یہ جواب بہت مبہم ہے تسلی بخش نہیں۔ قرآن کے احسن الحدیث
ہونے سے ما انزل کے بعض حصوں کے غیر احسن ہونے کے شبہ کا ازالہ نہ ہوسکا۔ کیونکہ اگر تمام ما انزل احسن ہے تو پھر اس کی طرف احسن کی اضافت کیوں
کی گئی۔ بعض مفسرین (ابن جریر وغیرہ) نے لکھا ہے کہ قرآن کے کچھ احکام حسن ہیں اور کچھ احسن مثلاً مجرم کا بدلہ مجرم لینا حسن ہے لیکن معاف کردینا احسن
ہے۔ اپنا قرض نرمی سے وصول کرلینا حسن ہے برا نہیں لیکن تنگدست کو معاف کردینا اور ہوسکے تو اس کی مزید مدد کرنا احسن ہے۔ سخاوت اچھی ہے
لیکن اپنی ضرورت پر دوسرے حاجتمند کی حاجت روائی کو ترجیح دینا احسن ہے۔ پس آیت میں حسن کو اختیار کرنے سے باز داشت مقصود نہیں بلکہ احسن پر
چلنے کا حکم دینا مقصود ہے۔ میری رائے میں یہ توضیح بہتر ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ احسن سے مراد ہے ناسخ اور غیر احسن سے منسوخ۔

تنبیہ:- آخری جملہ میں اچانک نزول عذاب کے ساتھ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ فرمایا یہ لفظ کسی قدر توضیح طلب ہے۔ شعور ادراک حواس اور
احساس کو کہتے ہیں اور کوتاہ بین کم فہم لوگوں کی نظر محسوسات سے آگے نہیں بڑھتی۔ وہ ہر چیز کے وجود کو ظاہری اسباب سے وابستہ جانتے ہیں۔
غیر محسوس اسباب اور موجد اسباب تک ان کی نگاہِ تصور بھی نہیں پہنچتی اور اللہ کا بھیجا ہوا عذاب اچانک ہوگا یعنی اس کے ظاہری اسباب نہ
ہوں گے نہ کوئی محسوس وجہ معلوم ہوسکے گی۔ غیبی مخفی اسباب تک تو کسی کی نظر نہیں پہنچے گی اور محسوس اسباب مفقود ہوں گے اس لئے پہلے سے اسلام
لانے کا موقع بھی نہیں ملے گا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۔ جنب اللہ کی تفسیر حسن بصری نے طاعت
اللہ، مجاہد نے امر اللہ اور سعید بن جبیر نے حق اللہ کی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ رضاء اللہ مراد ہے یعنی انابت اسلام اور اتباع قرآن کا حکم تم کو اس لئے
دیا جارہا ہے کہ قیامت کے دن کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ ہائے افسوس میں نے وہ پہلو اختیار کرنے میں قصور کیا جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی۔ میں تو
اللہ کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایت کا مذاق اڑایا کرتا تھا مطلب یہ کہ مجھے یقین ہی نہ تھا کہ رسول اللہ سچے ہیں اور ان کی ہدایت کا سرچشمہ امر اللہ ہے۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ اپنی گزشتہ غلطی اور عملی بے مائیگی پر افسوس کا فرض کو ہوگا اور حسرت کے ساتھ
اپنے جرم کا اقرار کریں گے لیکن بے سود۔ یہ مطلب اوپر کی آیت میں بیان کردیا گیا لیکن ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی اپنی غلطی اور بے راہ روی کا
اقرار نہ کرے بلکہ الٹا خدا ہی کو موردِ الزام قرار دے اور یوں کہے کہ خدا ہی نے مجھے ہدایت نہیں کی ورنہ میں ضرور متقی بن جاتا۔ اس غلط الزام کا جواب
اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت کے بعد دیا ہے۔

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی عذاب سامنے آنے کے بعد بعض لوگ یہ بھی کہیں گے کہ
کاش ایک بار پھر ہم کو دنیا میں جانا مل جاتا تو اس مرتبہ ہم ضرور نیکوکار بن جاتے۔ مطلب یہ کہ فقط ایماندار ہی نہیں بلکہ اہل احسان بن جاتے۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ یہ اس الزام کا جواب ہے جو کہ وہ خدا پر لگائیں گے
اور کہیں گے کہ خدا نے ہی ہم کو ہدایت نہیں کی ورنہ ہم ضرور متقی ہوجاتے۔ اللہ نے اس الزام کے جواب میں فرمایا کیوں نہیں یہ اللہ کی نشانیاں یعنی فطری
آیات قدرت اور آسمانی احکام ضرور تمہارے سامنے آچکے تھے مگر تم نے ان کو نہیں مانا۔ تم ایسے بر خود غلط اور انانیت پرست تھے کہ تم نے آیات
الٰہیہ کو بڑے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ دنیا میں لوٹ کر جانے کی تمنا کا جواب اس جگہ مذکور نہیں ہے بلکہ ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا
لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ یعنی وہ جھوٹ بولیں گے۔ اگر ان کی خواہش کے موافق دوبارہ ان کو دنیا میں بھیج دیا جائے تب بھی وہ منہیات
کو اختیار کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کے نزول کی وجہ صرف یہ ہے کہ اتمام حجت ہوجائے اور کسی کو کوئی عذر یا تمنا پیش کرنے کا موقع نہ ملے۔

مقصود بیان

گناہگار بندوں کو مغفرت سے ناامید نہ ہونے کا حکم اور اللہ کے غفور رحیم ہونے کی صراحت۔ عموم بشارت دلالت
کررہا ہے کہ مرتد کی توبہ بھی مقبول ہے۔ آیت اَنِيْبُوْا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے لئے انابت تفویض اور احسان
شرط ہے۔ آخر کے تینوں آیات سے ثابت ہورہا ہے کہ قیامت کے دن اور دنیا میں نزول عذاب کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ اور احکام الٰہیہ

toobaafoundation.com

کے نزول کے بعد کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہوگی کہ ہم کو خدا نے ہدایت نہیں کی وغیرہ۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ اس آباد زمین پر دو طرح کے آدمی رہتے ہیں اور رہتے چلے آئے ہیں اور رہتے رہیں گے ایک وہ حقیقت شناس معرفت طلب گروہ ہے جس کو اپنی علمی بے مائیگی اور عملی کمزوری کا اعتراف ہے۔ وہ اپنی سمجھ بوجھ کو ہمہ دان اور محیط کل نہیں جانتا بلکہ قوانین نظرت اور ضوابط قدرت کو سمجھنے اور سمجھ کر اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ انسانی دنیا میں خود ساختہ آئینی انقلاب لانے کا مدعی نہیں ہے اس لئے وہ اپنے فہم و دانش کو آئینِ حیات کا سازندہ نہیں جانتا بلکہ خوانندہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ضوابطِ زندگی کے حصول میں اللہ کے خاموش اور بولتے ہوئے فرمان کا محتاج رہتا ہے۔ لیکن اس کی احتیاج اپنے کو بے عمل بنانے اور مجبور یا بیچ ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ اُس احتیاج سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دانش کو نظامِ انسانی کا بانی نہیں سمجھتا بلکہ خدا تعالیٰ نے جس طرح یہ نظام بنانے اور بنائے رکھنے کا حکم دیا ہے اُس کو سمجھنے اور سمجھ کر عمل پیرا ہونے کو وہ فرضِ انسانیت جانتا ہے۔ انسان کے اختراع کردہ احکام کو وہ خدائی احکام نہیں کہتا اور نہ خدائی ہدایت کا ری کا مختار انسان کو جانتا ہے۔ گویا وہ نہ خدا کو خدائی اوصاف سے خالی مانتا ہے۔ نہ ان اوصاف کا حامل خیال کرتا ہے جو مخلوق کی خصوصیات ہیں مخلوق و خالق اور محتاج و کارساز کے اوصاف کو باہم آمیز کرنے اور مخلوط قوام تیار کرنے سے وہ اپنے آپ کو بچائے رکھتا ہے اور اس خلط ملط کا اس کو کبھی دعویٰ نہیں ہوتا۔ حقیقت میں دانش مند گروہ یہی ہے علم و امتیاز کی روشنی سے اس کا دل نورانی ہے اور دل کے نور سے اس کا ہر بُنِ مو جگمگا رہا ہے دنیا میں ہی اس کی زندگی کامیاب ہے اور ہر طرح کی کوردانشی و جہالت کے داغوں سے اس کا دامنِ عقل پاک ہے۔ یہ دنیا ہی اس کا میدان نوی اور آخرت کی تجارت اس کی ہم آغوش ماضی اس کا گرد آلود نہیں، اس لئے قیامت کے دن اس کو اس کا ملال نہیں مستقبل اس کا سیاہ نہیں اس لئے اس کو کچھ دُکھ نہیں۔ ہاں ایک دوسرا گروہ ہے جو اپنے دماغوں کو دقیقہ رس اور اپنی فکر و نظر کو حقیقت شناس جانتا ہے۔ وہ مدعی ہے ایجادِ حقائق کا اور تخلیق ضوابط کا۔ وہ جاہل ہے مگر عرفان کا دعویدار۔ وہ علم سے بے بہرہ ہے پر ہمہ دان اور محیطِ کُل ہونے کا جھوٹا علمبردار۔ وہ مفتری ہے کذاب ہے۔ خودی میں اتنا اکڑتا ہے کہ خدا بن بیٹھتا ہے۔ اس نے خدا پر وہ بہتان تراشی اور دروغ بانی کی کہ گویا خدا کی خدائی مٹادی، کبھی خدا کو باپ کہا، کبھی شوہر، کبھی بے اختیار مجبور سورج کبھی محتاج جاہل شہنشاہ، کبھی حدودِ زمان و مکان میں جکڑا ہوا جسم، کبھی ہر ذرۂ کائنات میں حلول کرنے والی سیال روح، کبھی اتنا گرایا کہ جاہل انسان بلکہ بے حس پتھر ملا کی برابر لا بٹھایا۔ کبھی اتنا اُٹھایا کہ ضروری اوصاف الوہیت سے بھی اس کو بے بہرہ کردیا۔ غرض تاریک فکر اور جاہلانہ نظر کی سیاہی اس کے دل پر چھا گئی۔ روشن ادراک کی ہر طاقت مفلوج بن گئی۔ علم و عرفان کی جڑیں سوکھ گئیں۔ روحیں ایسی کالی ہوگئیں کہ قیامت کے دن اس مغرور انانیت پرست گروہ کے چہروں پر باطن کی سیاہی چڑھ آئے گی۔ منہ سیاہ پڑ جائیں گے۔ سیرت تاریک تھی صورت بھی اندھیری ہو جائے گی اور بالآخر ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔

تحلیل اجزاء

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس جگہ کذب کے معنی ہیں دانستہ خلاف واقع بیان کرنا۔ امام نے دانستہ کا لفظ بڑھا کر آیت کے مفہوم کو بہت محدود کردیا اور اس کے اندر صرف وہی لوگ شامل رہے جو جان بوجھ کر خدا پر افترا بندی اور بہتان تراشی کرتے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جو خدا کو باپ اور شوہر کہنے والے یا اس کو بادشاہ کی طرح سمجھنے والے اور اس کو ارکانِ حکومت کا جاننے والے یا اس کی تجسیم یا تعطیل کا عقیدہ رکھنے والے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو نظامِ انسانی کے لئے قانونِ الٰہی کو ضروری نہیں سمجھتے اور تمام انبیاء اور آسمانی کتابوں کا انکار کرتے ہیں اور ہر چیز کو غیر شعوری نیچر کے تابع جانتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دانستہ خدا پر افترا بندی نہیں کرتا کبھی (معتزلی) نے اس حکم میں فرقہ جبریہ کو داخل قرار دیا اور حسن بصری نے فرمایا کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ بقاعی نے کہا۔ حسن بصری کی اس سے مراد فرقۂ معتزلہ (قدریہ) ہے۔ بقاعی نے تشریح آیت کے سلسلہ میں کہا کہ جو شخص دین میں ایسی بات کہے جو قرآن میں ہو نہ حدیث میں نہ اجماعِ سلف میں وہ بھی آیت کے حکم میں داخل ہے۔ میری نظر میں لفظ کذب کو مقید کرنا ٹھیک نہیں آیت کے حکم میں وہ سب لوگ داخل ہیں جن کے عقائد مشرکانہ اور افکار کافرانہ ہیں اور وہ بھی داخل ہیں جنھوں نے دین میں

toobaafoundation.com

بعض بحال رکھی ہیں اور خود تراشیدہ عقیدہ وعمل کو تعلیم الٰہی قرار دے رکھا ہے۔ قیامت کے دن ان کے عقیدے اور باطن کی سیاہی اُبھر آئے گی اور بجاۓ ہر گی محسوس بن کر چہروں پر چھا جائے گی۔ سیرت کالی تھی صورت بھی کالی ہو جائے گی۔

اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ ایسے افترا پرداز دروغ باف مغرور و متکبر ہیں جو خودی کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں ۔ جو اپنی تراشیدہ عقائد و افکار اور بشری زائیدہ نظام زندگی کو خدائی ہدایت کا قائم مقام سمجھتے ہیں بلکہ تعلیم الٰہی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں یا ناقص یا اپنے نظریات کو بعینہٖ قانونِ آسمانی جانتے ہیں گویا خدا کی یا تو اُن کو ضرورت ہی نہیں یا وہ قانونِ الٰہی کے مصلح ہیں یا اپنے اندر اوصاف خدا ہونے کے مدعی ہیں یا سارا گروہ سرکش اور مغرور ہے اس کا اصلی مقام جہنم ہے جہاں اس کو ضرور لوٹ کر جانا اور وہیں قرار پکڑنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن متکبروں کو چیونٹیوں کے برابر جسمانیت میں بہ صورتِ انسانی حشر کیا جائے گا۔ ان کے چھوٹے ہونے کے سبب ہر چیز ان کو روندتی چلی جائے گی بالآخر جہنم کے آتشی در آتشی جیل خانے میں جس کا نام بولس ہے لے جا کر قید کر دیا جائے گا اور دوزخیوں کا نچوڑ ان کو پینے کو دیا جائے گا۔ (رواہ ابن ابی حاتم)

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۔ مذکورہ بالا بہتان تراشیوں کے خلاف جن لوگوں نے دنیوی زندگانی کو میدانِ فوز بنا رکھا تھا یعنی جو ہر قسم کی دروغ بندی اور تہمت تراشی سے بچے رہے تھے جنھوں نے اپنے افکار کو کفر کی آمیزش سے پاک رکھا تھا اور پوری زندگی سیدھے راستے پر رہے تھے۔ ان کو قیامت کے دن اللہ ہر عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ ہم نے یہ تشریحی مطلب امام رازی کے اتباع میں بیان کیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مفازۃ سے مراد وہ فوزِ سعادت ہے جو ازل سے اللہ نے ان کے لئے مقدر کر رکھا تھا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے دنیا کے اندر اپنی زندگی میں تقویٰ اختیار کیا تھا ان کے متقی ہونے کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے ان کی قسمت میں ازل سے ہی فوزِ سعادت لکھ دیا تھا ان کو قیامت کے دن اللہ نجات دے گا یعنی اللہ نے پہلے سے جن لوگوں کو سعادت مند بنا دیا اور تقدیرِ ازلی کے موافق وہ راہِ مستقیم پر چلے وہ قیامت کے دن عذاب سے محفوظ ہوں گے۔ یہ مطلب بجائے خود دُرست ہو تو ہو ہمیں اس پر اعتراض نہیں تقدیر کے لکھے کے خلاف واقع میں کچھ ہو نہیں سکتا۔ سعادت اور شقاوت ازلی چیزیں ہیں۔ لیکن اس جگہ سیاق کے خلاف ہے۔ یہ مقام مقامِ مدح ہے۔ اللہ نے اپنے نیک بندوں کی کوششوں کو پسند فرمانے کا اظہار کیا ہے اور اسی صلاح و اتقاء کے عوض ان کو عذاب سے محفوظ رکھنے کی صراحت فرمائی ہے اور ازلی سعادت میں اختیارِ انسانی کو دخل نہیں پر اظہارِ خوشنودی کا تقاضا تفسیر مذکور کی بنا پر کس طرح پورا ہو سکتا ہے۔

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ حزن یعنی فوتِ مقصد پر غم۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بالا اہلِ تقویٰ دُکھ نہیں پائیں گے کوئی ناگواری اُن کو نہ ہوگی۔ اس تکلیف سے محفوظ رہیں گے جس میں کافر مبتلا ہوں گے اور چونکہ ہر مقصد ان کا حاصل ہو جائے گا اور وہ کامیاب ہو جائیں گے اس لئے فوتِ مراد کا غم بھی اُن کو نہ ہوگا۔

تکلیفیں دو ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ دُکھ پہنچنے کی تکلیف اور سُکھ سے محروم ہونے کی تکلیف۔ اول تکلیف دوسری سے سخت ہوتی ہے اس لئے فرمایا کہ دُکھ ان کو چھوئے گا نہیں۔ اور دوسری کے متعلق فرمایا کہ (سُکھ سے محروم ہونے اور زندگی رائیگاں جانے کا) اُن کو غم نہ ہوگا۔

مقصودِ بیان قیامت کے دن اہلِ کفر کی جو بُری حالت ہوگی اور اہلِ ایمان جس عیش و راحت میں ہوں گے اس کو مجمل بیان کر کے دنیوی زندگی کو سنوارنے سدھارنے اور کفر و معصیت سے پرہیز کرنے کی ضمنی تبلیغ۔ كَذَبُوْا کا مفعول آیت میں مذکور نہیں علی اللہ کہنے کے بعد اس کی ضرورت ہے۔ آیت میں کذب علی اللہ کی کوئی توضیح نہیں فرمائی۔ کذب علی اللہ کی چوٹی تو یہ ہے کہ خالق کی صفات کسی مخلوق میں یا مخلوق کی صفات خالق میں مانی جائیں یعنی مخلوق کو اتنا بلند کیا جائے کہ خالق کا ہم پلہ قرار دے دیا جائے اور خالق کو اتنا نیچے گرایا جائے کہ صفاتِ مخلوق سے متصف اس کو سمجھا جاتے۔ دونوں صورتوں میں خالق کی توہین ہوتی ہے۔ کذب علی اللہ کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے نہ کرنے کا خدا نے حکم نہیں دیا اس کی نسبت خدا کی طرف کی جائے اور اس کو خدا کی امر و نہی قرار دیا جائے۔ کذب علی اللہ کی ادنیٰ قسم یہ ہے کہ انسان خود رائی اور استبدادِ عقلی کا شکار ہو جائے اور اپنا نظامِ حیات خود بنانے لگے گویا خودی کو خدائی سے بڑھا کر خدائی اختیارات

toobaafoundation.com

خود سمیٹ لے آیت اس تمام مفہوم کو شامل ہے اور سب کی ضمنی طور پر یاد دلالت کر رہی ہے
روسیاہی کا معنی حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔ دل کی تاریکی اور باطن کی سیاہی ابھر کر مجسم بن کر چہروں کو سیاہ کر دے گی اور ذلت و رسوائی بھی اس سے مراد لی جا سکتی ہے۔

بِمَفَازَتِهِمْ سے متقیوں کی مدح کرنی مقصود ہے کہ نہ اُن کی زندگی کے اعمال اُن کے لئے سبب نجات بن جائیں گے اگرچہ نجات دینے والا خود مختار خدا ہی ہوگا۔

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ الخ سے تکلیف اور دُکھ کی دونوں قسموں کی نفی مقصود ہے وغیرہ۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ○ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (اور) اُسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ع قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ

اور جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے آپ (اُن کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو کیا پھر بھی تم

اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ○ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ

مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کی طرف بھی یہ (بات) وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ وَمَا

اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑ جائے گا (تو اے مخاطب کبھی شرک مت کرنا) بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اللہ کا) شکر

قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ

گزار رہنا اور (افسوس ہے کہ) اُن لوگوں نے خدائے تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنی چاہیئے تھی حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اُس کی

بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○

مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اسکے داہنے ہاتھ میں وہ پاک اور برتر ہے انکے شرک سے

تفسیر کسی نے کہا خدا کو جزئیات کا تفصیلی علم نہیں کسی نے خدا کو انسانوں کی طرح ایک شہنشاہ قرار دیا۔ ذاتی علم سے بے بہرہ جاسوسوں کا محتاج اور ارکان حکومت کا مزدد تمند کسی نے اُس کو نر و مادہ اولاد کا باپ قرار دیا اور بیوی کا شوہر۔ کسی نے اس کو چاند سورج اور دوسری نور پاش مشینوں کی طرح مانا مجبور بے اختیار۔ کسی نے اس میں دوسری مخلوقانہ صفات کا وجود تسلیم کیا اور کسی نے خدائی اوصاف سے بھی خالی تصور کیا کسی نے اس دنیا کے ذرے ذرے میں اس کا حلول اور سرایت و دخول جانا اور کسی نے اس کائنات سے اُس کو بالکل بے تعلق اور بیگانہ سمجھا۔ غرض اختلاف فکر و نظر انسانی ذہنوں کو تاریکی اور نابینائی کے اُس گہرے اتھاہ غار میں گرا یا کہ جس میں پہنچ کر نہ خدا خدا رہا، نہ ناخدا ناخدا، خدائی اقتدار بشری ظلمت افکار میں گم ہو گئیں۔ جبر و قدر تجسیم اور تشبیہ کے متضاد مذہبین سے بنے۔ دہریت اور انسانی انانیت و کبریائی کی بنیاد اسی جگہ سے قائم ہوئی

toobaafoundation.com

یہ افتراء بندی یہ بہتان تراشی، یہ خود رائی اور یہ خود غلطی اور یہ انانیت وکبریائی صرف نادانی اور تاریکی کی ناپیدا کنار وادیوں میں سرپٹ دوڑنے کی وجہ سے بروئے ظہور آئی اور جن لوگوں نے اس الزام تراشی اور استبداد عقلی سے اپنے کو بچائے رکھا وہ کامیاب رہے۔ نور وعرفان سے اُن کے سینے منور ہوگئے۔ بالکل کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ الوہیت کو ہی کو سرچشمۂ ایجاد ہونا چاہیئے۔ دنیا میں کوئی چیز کسی کے لئے اچھی ہو یا بُری تم اُس کو خیر کہو یا شر یہ تو اضافات ہیں، تعلقات اور انتسابات ہیں جو نام چاہو رکھ لو۔ الفاظ کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلتی۔ صداقت ایک ہی ہے کہ ہر چیز خدا نے ایک خاص انداز کے ساتھ بنائی ہے، بناتا ہے اور بناتا رہے گا۔

وہی کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور لا رہا ہے اور لاتا رہے گا۔ کوئی خالق نہیں۔ یہ کائنات کسی دوسرے کے دست ایجاد کی ممنون نہیں۔ نہ کسی کو تخلیق میں دخل ہے۔ نہ خدائی تخلیق سے کوئی چیز باہر ہے اور یہ بھی انکار صداقت ہے کہ ہر چیز کی تخلیق یونہی بے سوچے سمجھے اور بغیر کائناتی نظم کے لحاظ کئے ہوئے نہیں ہوگئی۔ عرشِ بریں سے فرشِ زمین تک ہر چیز آئیڈیل ہے اور ہر شئے کی پیدائش ایک ضابطہ سے بندھی ہوئی ہے۔ ہر شئے دوسری شئے سے مربوط ہے اور ہر کڑی دوسری کڑی سے وابستہ۔ غرض کیفیت کمیت ہیئت وضع مکانیت اور تمام احوال میں کسی چیز کا دوسری چیز سے نامناسب جوڑ نہیں ہے۔

دوسری واضح حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا وکیل ہے۔ الوہیت منبع بقا ہے۔ وہی ہر چیز کا حافظ اور نگراں ہے۔ یہ سارا نظم تکوینی ایک نگراں آنکھ کی زیرِ نگرانی انجام پا رہا ہے۔ پیدا کرنے کے بعد خدا نے کسی کو آزاد نہیں چھوڑ دیا۔ سب سے اونچے ستارہ کا شکم زمین کے اندر سب سے چھوٹے ذرّے سے ارتباط اور ہر گل و خار کا عرشِ بریں سے اندرونی تعلق ہر لمحہ ایک غیبی ناظم کی زیرِ حراست ہو رہا ہے۔ گویا یہ کل سنسار ایک انجن ہے جس کے ہر پرزہ کا دوسرے پرزہ سے ربط ہے۔ ربط کی کیفیت ضرورت اور حالت اور کارگزاری انجن بنانے اور نصب کرنے والے کی دیدبانی کی حدود کے اندر انجام پا رہی ہے۔ ایک بیدار آنکھ سب کو دیکھ رہی ہے۔ تیسری حقیقت یہ بھی مسلّمہ ہے کہ الوہیت کا استحقاق اُسی کو ہو سکتا ہے جو کائنات کا مالک ہو، آسمانوں اور زمینوں کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہو۔ تمام کائنات کے خزانے اُسی کے دستِ تصرف میں ہوں اور اُسی کے پاس کل عالم کی کنجیاں ہوں، اسی کا حکم جاری اور ساری ہو، اسی کا قانون نافذ ہو، اس کے فرمان سے کوئی سرتابی نہ کر سکے۔ یہ ہیں وہ حقائق ثابتہ جن کا انکار سوائے نادان اور احمق کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ ہیں اللہ کی الوہیت کی وہ نشانیاں جن کا انکار موجب زیاں کاری ہے۔ واقع میں یہ استمراری ضابطہ ہے جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے بڑے سے بڑا پیغمبر بھی اگر خدائی اوصاف میں کسی مخلوق کو شریک سمجھنے لگے بلکہ شرک کی کوئی آمیزش اس کے فکر و نظر میں پیدا ہو جائے تو پھر نیکی بیکار ہے نیکی بجائے خود نیکی صحیح لیکن جب بنیاد صحیح نہیں اور اساسی فکر درست نہیں تو ہر عمل کا سرچشمہ جہالت ہے، وحدت و الوہیت کے اقرار کے بعد اقرار بناعمل کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ نیت متمردانہ کے بعد عمل فرمان بردارانہ کسی اجر کا مستحق نہیں بنا سکتا، اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے نیست سے ہست کیا۔ عدمِ محض سے وجود میں لایا۔ منفی سے مثبت بنایا۔ لاشئے کو تقرر پھر تقدر پھر ثبوت پھر وجود کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اس کے بعد قدم قدم پر ہر آن غیبی اسباب کو حرکت میں لاکر نگرانی کی۔ آدمی کے ایک ایک سانس کے لئے ثریٰ سے ثریا تک ہر ذرّہ کو دوسرے ذرّے سے اور ہر برقی لہر کو دوسری برقی لہر سے وابستہ کیا اور اس کی دیدبانی رکھی تاکہ کہیں نظمِ کائنات کا یہ رشتہ بیچ میں سے ٹوٹ کر حیاتِ انسانی کے شیرازہ کے انتشار کا باعث نہ بن جائے۔ سورج کی چمکتی شعاعیں چاند کے خنک چمکارے ستاروں کی تابناک کرنیں تپتے ریگستان جھلستے میدان موجزن ناپیدا کنار سمندروں کے ان گنت قطروں کا مربوط تسلسل بہار و خزاں کا تبادل لیل ونہار کا تعاقب نسیم وسموم کا تغیر اور تمام کائناتی تصرفات و انقلابات آدمی کے رشتہ حیات کو قائم رکھنے کے لئے پیدا کئے اور کروڑوں ستاروں کی کہربائی لہریں انسان کی بقائے زندگی کا ذریعہ بنیں۔ کیا یہ مقامِ شکر نہیں۔ کیا ان اتھاہ غیبی نعمتوں کا دینے والا کوئی اور ہے۔ کیا ایسے منعم مہربان کی موجودگی میں کسی دوسرے کے دروازے پر سر جھکایا جا سکتا ہے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ جس کا حکم لرزاں اور ترساں یا فرحاں اور شاداں ہو کر اختیاراً اور اضطراراً ساری کائنات مان رہی ہے اور اس کے فرمان پر چل رہی ہے انسان اس سے سرتابی کرے اور کسی دوسرے کی اطاعت کرے یہ تو سراسر خسران اور ٹوٹا ہے۔ پیغمبر کی جلالت شان بھی اس خسارے سے اس کو نہیں بچا سکتی۔ دوسروں کا ذکر کیا ہے حقیقت میں اللہ کی عظمت شان کا لوگوں نے صحیح اندازہ نہیں کیا۔ وہ خدائی جلال کو سمجھے ہی نہیں انہوں نے اللہ کی ہمہ گیر قدرت کو جانا ہی

toobaafoundation.com

ان کے فہم کی اس درجہ تک رسائی ہی نہیں ہوئی کہ جس خدا کے ہاتھ میں حقیر ترین چیز کی طرح قیامت کے دن تمام زمین آسمان لپٹے لپٹائے ہوں گے، جو آن کی آن میں تمام کروں کو توڑ مروڑ کر رکھ دے گا۔ اس کی قوتِ قاہرہ کے سامنے انسان کی کیا ہستی اور کیا عدم۔ آہ کافر نعمت انسان اس کے متعلق کیسی کیسی بہتان تراشیاں کرتا ہے جن سے اس کا دامنِ الوہیت بالکل پاک ہے۔

تحلیلِ اجزاء

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ۔ گزشتہ آیت میں کافروں کو ترہیب اور مومنوں کو بشارت دی تھی اور آسمانی کتابوں کا طرزِ تبلیغ ہے بھی یہی کہ اطاعت گزاروں سے انعام کا وعدہ کیا جاتا ہے اور نافرمانوں کو عذاب کی وعید دی جاتی ہے۔ اس آیت سے استحقاقِ الوہیت کی تین تکمیلی دلائل کو بصورتِ اخبار بیان کرنا شروع فرمایا۔ دلائل کا خلاصہ ہم آگے لکھیں گے۔ اس جملہ میں دو لفظ تحقیق طلب ہیں (۱) خالق (۲) شیٔ۔

خلق ایک خاص اندازے کو کہتے ہیں یعنی اللہ ہی ایجاد کرنے والا اور اس کی ایجاد ایک خاص اندازہ کے تحت ہے وہ بے اختیار یا لاعلم موجد نہیں۔ مطلب یہ کہ خدا صاحبِ ارادہ مالک اختیار اور عالم کل ہے۔ اس نے ہر چیز کا پہلے سے اندازہ کر لیا ہے پھر اپنی علمی ہمہ گیری اور محیط کل اختیار کو کام میں لا کر اشیاء کی ایجاد کی جس کے لئے جن تکمیلی اجزاء اور لازمی یا تحسینی کیفیات ہیئت اور وضع کی ضرورت تھی۔ انہی اجزاء کیفیت رنگ شکل اور فوائد کے ساتھ اس چیز کو بنایا نہ لوازم اور ضروریات میں سے کسی حصہ کو ترک کیا نہ غیر ضروری بیکار کمیت اور کیفیت کی بھرتی کی۔ غرض یہ کہ وہ عالم کل بھی ہے مختار مطلق بھی، حکیم کامل بھی، صاحبِ ارادہ و مشیت بھی اور قدرتِ رسا کا مالک بھی، باپ عدم سے وجود میں نہیں لاتا نہ آئندہ ہونے والی اولاد کی کمیت کیفیت اتحاد مزاجی اور سعادت و شقاوت سے وہ واقف ہوتا ہے اس لئے خدا باپ نہیں ہو سکتا۔ نہ خدا سورج کی طرح بے اختیار لاعلم منبع نور ہے نہ بے شعور فرض انجام دینے والی مشین، نہ دنیوی بادشاہوں کی طرح محتاج کمزور اور دوسروں کا دست نگر۔

(۲) کُلِّ شَیۡءٍ۔ معتزلہ جہمیہ اور خارجیہ نے کہا کہ انسان اپنے افعال کی خود تخلیق کرتا ہے۔ گویا ان بے دانشوں کی نظر میں دو خالق ہیں انسانی افعال کا خالق خود انسان ہے اور باقی اشیاء کا خدا۔ ان کے اور مانویہ یا ثنویہ کے قول میں معمولی فرق ہے۔ دو خالق ہونے کے دونوں گروہ قائل ہیں لیکن مانویہ ظلمت و شر کو اہرمن کی تخلیق کہتے ہیں اور نور و خیر کا خالق یزداں کو قرار دیتے ہیں لیکن جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ خود انسان کو خالقِ شر مانتے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو بھی تعددِ خالق کے قائل ہیں۔ رہے پرانے یونانی فلاسفر وہ تو تخلیق کے قائل ہی نہیں کائنات کو مجعول کہتے ہیں مخلوق نہیں کہتے۔ امکان اور حدوثِ ذاتی کے ضرور قائل ہیں مگر اسی کے ساتھ سب سنسار کو قدیم الزماں کہتے ہیں۔ باقی دیمقراطیس اور دوسرے دہریت پرست وہ تو کسی علتِ واجبہ فاعلہ کے قائل ہی نہیں۔ نیرنگی اطوار اور حدوثِ ناپیدا کنار کو خود بخود نیچرل اور طبعی قرار دیتے ہیں۔ کیسا خالق، کہاں کا عامل اور موجد ہر چیز خود رو ہے۔ کائنات کی گول زنجیر حلقہ در حلقہ ہے۔ ہر حلقہ کا نظر سے غائب ہونا دوسری کڑی کے نمودار ہونے کی علت ہے اور یہ سب کچھ اتحادِ طبیعت کے زیرِ اثر ہو رہا ہے۔ قرآن نے مذکورہ بالا دو لفظوں میں اپنے نظریہ کا اعلان کر دیا اور ظاہر فرما دیا کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے پھر خالق کا لفظ استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ ماضی اور مضارع دونوں اس کی تخلیق کی حدود ہیں۔ ماضیات کو بھی اسی نے پیدا کیا اور استقبالیات کو بھی وہی پیدا کرے گا۔

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ۔ یہ دلیل کا دوسرا ٹکڑا یا دوسری مستقل دلیل ہے۔ کیا تخلیقِ کائنات کے بعد خدا غیر متعلق اور آزاد ہو گیا۔ وجود کی قدرتِ عمومی اور فاعلیت و ارادہ کی طاقت اللہ نے انسان کو عطا کر دی۔ قوتِ تمیز و عرفان بھی دے دی۔ اسی طرح ساری کائنات کو اس کی نوعی خصوصیات کی طاقتیں عنایت کر دیں۔ قوتِ حافظہ للترکیب قوتِ منمیہ قوتِ حاسیہ اور محرکہ ارادیہ وغیرہ اس کے بعد خدا سے کائنات کا کوئی تعلق نہیں رہا یہ خیال دنیا کے کوتاہ نظر اہلِ عقل کا ہو تو ہو، معتزلہ وغیرہ اسلامی فرقے بھی فلسفیانہ الجھاؤ میں پھنس کر ژولیدہ عقل بن جائیں تو بن جائیں، شیو وشنو اور برہما کے بجاری تفریقِ فرائض کے قائل ہوں تو ہوں، قرآن کی تھیوری اس کے خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایک اللہ نے سب کو بنایا اور اونچے آسمانوں کے شعاعی ستاروں سے لے کر زمین کے پیٹ اور سمندر کے قعر میں رینگنے والے خورد بینی کیڑوں تک کوئی بھی اللہ کی نگرانی اور دیدبانی سے باہر نہیں۔ ایک دیدبان بیدار آنکھ سب کو دیکھ رہی ہے سیاروں اور ستاروں کا نکلنا ڈوبنا، چھپنا اور نمودار ہونا، پیچھے ہٹنا اور آگے بڑھنا فضائی لاتعداد ہروں کا اتار

toobaafoundation.com

دم او گھٹاؤ اور تناؤ، سمندروں اور دریاؤں کے ان گنت قطروں کی مسلسل مربوط حرکت اور بناؤ بگاڑ ریگستانوں اور بیابانوں کے بیشمار چمکیلے ذرّوں
کی ترتیب تنظیم اور حرکت و سکون کرد رہا کرو درختوں کے ان گنت ریشوں سوتوں رگوں اور پتیوں کی تری خشکی نمو ذبول اور شادابی و پژمردگی، غرض یہ
کہ کائنات کی ہر حرکت اور ہر حرکت کا نتیجہ پھر ہر نتیجہ کا لاکھوں نتائج در اصل ہونا اللہ کی زیر حفاظت ہو رہا ہے کیا صحیح نہیں ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ
السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ الخ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا الخ۔ مَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ الخ۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ الخ۔ هُوَ
الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ اگر وہ ایک آن غافل ہو جائے تو سارا کائناتی نظام درہم برہم ہو جائے۔ سچ ہے کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ اس سے کی
کوئی بات نہ اس سے پوشیدہ ہے نہ فعال طاقتوں کی فعالیت اس کی نگاہ سے بچی ہوئی ہے۔ نہ تصورات کی موجیں اس کی نظر سے غائب ہیں اور نہ قلبی
خطرات کی نیرنگی اس سے اوجھل ہے۔

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ دلیل کا تیسرا حصہ یا مستقل تیسری دلیل ہے۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ مقالید عربی لفظ نہیں عربی
میں مستعمل ہے۔ اگر عربی ہو تو اس کا مفرد مقلید یا مقلد ہوگا۔ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے بے شمار غیبی خزانے چھپے ہوئے ہیں جن پر قدرتی قفل
لگے ہوئے ہیں اور کنجیاں اللہ کے دست تصرف میں ہیں۔ وہ جس کو جتنا چاہتا ہے اپنے خزانے میں سے دیتا ہے۔ کوئی پودا خشک ہے کوئی تر کوئی نونہال
کوئی افسردہ پژمردہ۔ کسی پتھر میں سونے چاندی ہیرے یاقوت اور نیلم و پکھراج کا انبار ہے، کوئی تیزاب اور شوراب کا دفن، کوئی زمین بنجر ہے کلر ہے
ایک ہی رنگ ہے۔ ناقابل روئیدگی کوئی شاداب ہے سرسبز اللہ کے نور سے روشن۔ اسی طرح حیوانوں اور انسانوں میں صحت و مرض طاقت ضعف
حسن و قبح عزت و ذلت سیادت و نکبت حکومت و غلامی علم و جہالت ایمان و کفر نیکی اور بدی کی تقسیم ہے۔ اللہ کے تصرف و حکم کی کنجی غیبی تالوں کو کھول کر
حسب مشیت جس کو جتنا اور جو چاہتی ہے دیتی ہے۔ خود آسمان اور زمین کے اندر کی موجودات غیبی تقسیم سے بے نیاز نہیں۔ ان گنت ستاروں کی
نور ریزیاں اور شعاع ریزیاں اور زمین کے اندر فتنہ انگیزیاں ہلاکت خیزیاں یا حیات آفرینیاں اور راحت آگینیاں الٰہی خزانوں کی ممنون بلکہ مرہون ہیں۔
زمخشری نے کشاف میں ایک اثر نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان کی مرفوع روایت ہے۔ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ یہ کلمات ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ
وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ الخ۔ ابن کثیر نے بھی اس اثر کو نقل کیا ہے اور غریب منکر قرار دیا ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابو یعلیٰ بھی اس کے ناقل ہیں۔ شیخ
بوری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے۔ کیونکہ ابو الحسن قطان اور قاضی ابو یوسف اور ابن سنی اور ابن مردویہ اور ابن منذر نے بھی متعدد
سلسلوں سے حضرت عثمان سے اس کی روایت کی ہے۔ حاصل دلیل یہ ہے کہ تخلیق کائنات نگرانی اور حفاظت اور کامل تصرف و حکمرانی اللہ کا کام ہے
کسی دوسرے نے اس کی تخلیق کی ہے نہ کوئی اور محافظ اور حکمران ہے۔ نہ کسی کے پاس کائنات غیبی کے خزانوں کی کنجیاں ہیں کہ جس کو جتنا چاہیں دیں
اور خیر و شر کی اپنی مرضی سے تقسیم کریں۔ اس لئے الوہیت اور معبودیت کا اختیار و استحقاق بھی اللہ ہی کو ہے اللہ کی الوہیت کی یہ واضح نشانیاں ہیں۔
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ ایسی کھلی ہوئی نشانیوں کا انکار موجب زیاں کاری و خسران مآلی ہے۔ اتنی واضح
دلائل الوہیت کا انکار کرنے والے ہی زیاں کار ہیں کیونکہ خلق ملک ملک اور حکم جب سب کچھ خدا کا ہے تو اگر کسی اور کو معبود قرار دیا جائے اور معبودی
معاملہ کیا جانا جائے تو اس سے سوائے نقصان اور کیا حاصل ہوگا۔ جب کسی کے پاس خود ہی کچھ نہیں تو دوسرے کو وہ کیا دے سکتا ہے۔ محتاج
بھوکا دوسرے بھوکے کا کس طرح پیٹ بھر سکتا ہے۔ مردہ مردے کو کس طرح زندہ کر سکتا ہے۔ سوتا سوتے کو کیسے بیدار کر سکتا ہے۔ لولا لنگڑا دوسرے
اپنے سہارے سے کیونکر رواں دواں بنا سکتا ہے۔ جو خود ہی معذور نادار اور بے بہرہ ہو اس کا بھروسہ رکھنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہاں جو
دلائل الوہیت تصرف تام حکومت کاملہ ملکیت عامہ اور ربوبیت شاملہ کے منکر نہ ہوں آغاز کار میں خواہ وہ کچھ دکھ میں ہوں لیکن مآل کار ان کا اچھا
ہوگا کیونکہ ان کی عقل کا دیوالہ نہیں نکلا۔ علمی بضاعت تباہ نہیں ہوئی۔ فکری بے مایگی نے ان کا احاطہ نہیں کیا اس لئے عملی کوتاہی ان کو کامل طور پر تباہ کار
اور خسران مآل نہیں بنا سکتی۔ راس المال باقی ہے تجارت کے اصول سے واقف ہیں۔ معاملات کی کجروی نفع میں عارضی کمی کر سکتی ہے لیکن زیاں کار
اور خسران مآل نہیں بنا سکتی۔ ہم نے اتنی طویل تشریح اس لئے کی کہ مسلمانوں میں سے بعض فرقے گناہوں پر جرأت دلانے کے قائل ہیں اور ایمان کی موجودگی

toobaafoundation.com

ہیں کسی گناہ کو موجب عذاب نہیں جانتے اور عدم شرک کی حالت میں ان کی نظر میں ہر گناہ مغفور ہے۔ یہ لوگ اپنے مطلب کو ثابت کرنے کے لئے مذکورہ بالا آیت کی طرح مختلف آیات و احادیث پیش کرتے ہیں اور خوارج و معتزلہ کے رد میں (جن کے نزدیک ہر گناہ کبیرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے) اتنا غلو کرتے ہیں کہ ان کو امتِ اسلامیہ کی عملی تباہی کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔ ان کو معلوم ہونا چاہئیے کہ جن آیات و احادیث میں کافروں ہی کو بدمآل اور مسلمانوں کو قطعی نجات یافتہ کہا گیا ہے وہ تمام آیات و احادیث صحیح ہیں مگر ان میں زیاں کاری سے مراد کامل خسران اور نجات سے مراد آخری نجات ہے۔ ابتدائی نجات اور ہر دکھ سے براءت کا سارٹیفکیٹ کسی گناہگار مسلمان کو نہیں دیا گیا۔ (بل ھو الاضلال مبین)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۔ ابن ابی حاتم نے بروایت ابن عباس بیان کیا کہ ایک مرتبہ قریش کے سردار جمع ہوئے اور مشورہ کے بعد حضور کی خدمت میں پیام بھیجا کہ اب آخری بار ہم حجت تمام کرتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ ہم چندہ کر کے اتنا مال آپ کو دے سکتے ہیں کہ پھر آپ سے بڑا مالدار مکہ میں کوئی نہ ہوگا اور قریش کی جس لڑکی یا جن عورتوں سے آپ نکاح کے خواستگار ہوں گے ہم ان سے آپ کا نکاح بھی کرا دیں گے۔ اور آپ کو اپنا سردار بھی مان لیں گے اور آپ کے پیچھے پیچھے بھی چلیں گے۔ حضور والا نے اس پیام کو سن کر فرمایا میں وحی کا تابع ہوں۔ اس پر سورۃ کا نزول پوری نازل ہوئی اور آیت اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ کا بھی نزول ہوا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا کے علاوہ دوسروں کی پرستش جہالت ہے۔ تم لوگ نادان اور جاہل ہو کہ خدا کے ہوتے ہوئے دوسروں کی پوجا کرتے ہو تو کیا مجھے بھی اسی جہالت کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہو۔ میں ایسا کس طرح کر سکتا ہوں۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ میرے پاس تو اللہ کا حکم آچکا ہے بلکہ مجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر گزرے ہیں سب کو یہ حکم مل چکا ہے کہ اگر تم نے کسی قسم کا شرک کیا خدائی ذات اور صفات میں کسی کو خدا کا ساجھی سمجھا یا خدا کے اندر مخلوقانہ اوصاف کو مانا تو تمہارے تمام اعمال (خواہ کیسے ہی اچھے اور تعمیری ہوں) مٹ جائیں گے، اکارت جائیں گے، نابود جائیں گے اور زیاں کاروں بدنصیبوں تباہ کاروں کے گروہ میں تمہارا بھی شمار ہوگا۔

اس آیت میں اشرکت کا مفعول مذکور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرو یا مخلوق کے ساتھ خدا کو، بہر حال کسی طرح کا شرک کرو، یقیناً اعمال کو تباہ کرنے والا ہے۔ دنیا میں کچھ لوگ بعض مخلوق کے اندر صفات خداوندی کے حلول کے قائل ہیں۔ اگرچہ برائے نام وہ ظہور کا لفظ زبان پر لاتے ہیں۔ اور خاص انسانوں یا فرشتوں یا غیبی کارندوں کو مظہرِ صفات قرار دیتے ہیں یا بعض ستاروں سیاروں اور عناصر کو جلوہ گاہ خداوندی کہتے ہیں مگر حقیقت میں اعتقاداً وہ حلولیہ ہیں اور بعض صفاتِ خداوندی کا حلول بعض مخلوق میں مانتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ان کو مکاتیب انبیاء قرآن مجید اور احادیث مقدسہ میں ایسے ظاہری الفاظ بھی مل جاتے ہیں جن کو پڑھ کر وہ حلولی عقیدے کا استنباط کر لیتے ہیں۔ مثلاً مکتوب حبقوق کے تیسرے باب کا تیسرا جملہ ہے خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، یا قرآن میں آیا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یا فرمایا ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۔ اسی طرح احادیثِ قدسیہ میں بھی بعض اشتباہی کلمات آئے ہیں۔ ان سب سے وہ بعض انسانوں میں خدا کی ذات یا بعض صفاتِ حلول کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس طرح مخلوق کو صفات میں خالق کا شریک بنا دیتے ہیں۔

کچھ لوگ خدا کے اندر مخلوقانہ صفت کے قائل ہیں۔ ان کو بھی اپنا مدعا حاصل کرنے کے لئے کچھ ظاہری الفاظ مل جاتے ہیں پہلی آسمانی کتابوں میں بھی اور قرآن و احادیث میں بھی اللہ کی داڑھی ہے یا اس کی شکل امرد کی ہے وہ عرش پر آرام کر رہا ہے یا چھ دن میں مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد ساتویں دن اس نے عرش پر آرام کیا یا قرآن میں وجہ اللہ ید اللہ جنب اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح پچھلی رات کو آسمانِ دنیا پر اللہ کے نزول کا ذکر آیا ہے۔ قیامت کے دن رحمٰن اپنا قدم دوزخ میں رکھے گا وغیرہ۔ اس سے ظاہر پرستوں کو تجسیم اور تشبیہ کا عقیدہ رکھنے کا موقع مل گیا اور علمی بے مائیگی کے سبب انہوں نے مجازات استعارات اور کنایات کا دروازہ بند کر کے الفاظ کو ظاہری معانی پر محمول کیا اور اس طرح خدا کو مخلوقانہ اوصاف میں شریک بنا دیا۔ آیت میں لفظ اشرکت تمام اقسام شرک کو شامل ہے۔ خواہ خالق کو مخلوق کا شریک بنایا جائے یا مخلوق کو خالق کا۔ اسی تعمیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی خاص مفعول کا آیت میں ذکر نہیں فرمایا۔ خوب سمجھ لو کہ خدائی صفات کا کسی مخلوق میں حقیقی ثبوت ماننا جس طرح شرک ہے اسی طرح

مخلوق کی صفات کا خدا میں حقیقی وجود بھی کم شرک نہیں۔ کوئی مخلوق خالق نہیں، مالک نہیں، آئین ساز نہیں، حکمران نہیں۔ اگر ان صفات کی جھلک کسی مخلوق میں پائی جاتی ہے تو حقیقۃً مجازاً۔ اسی طرح تجسّم تشکل تلوّن اور مادہ ومدت کی حدود میں محدود ہونا زمان وزمانیات، اور مکان ومکانیات کی قیود میں باندھا جانا مخلوق کی خصوصی صفات ہیں جن سے اللہ پاک ہے۔ اگر کہیں ایسے الفاظ ملتے ہیں جن میں صفاتِ خلقیہ کی جھلک نظر آرہی ہے تو ان کا اطلاق حقیقی نہیں اور استحالۂ حقیقت کی صورت میں مجاز کی طرف رجوع ممنوع ہے۔

رہا اعمال کا اکارت جانا اور نتیجہ خیز نہ ہونا تو اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ اعتبار انجام کا ہے آغاز کا نہیں اور عمارت کی راستی کا مدار بنیاد کی راستی پر ہے۔ اول تو جس ... کی بنیاد کج ہو اور خود رائی پر تاسیس ہو وہ نیکی نہیں خیر نما شر ہے اور اس کو خیر بھی مان لیا جائے تو اصطلاحی عرفی خیر ہے واقعی حقیقی خیر نہیں۔ سوسائٹی کے دربار سے قانونی فسق وفجور کا جواز اور آئینی قمار وشراب کی حلّت اور ان چیزوں کی واقعیت کو نہیں بدل سکتی۔ جب فکری اساس غلط ہے اور مخلوق کو اٹھا کر خالق کی کرسی پر بٹھانے یا خالق کو گرا کر مخلوق کی صفت میں پہنچانے پر جن اخلاقِ اعمال کی بنیاد ہو وہ بہرحال ضعیف البنیان بلکہ بے بنیاد ہوں گے جو کسی طرح سود مند نہیں ہوسکتے۔ مجسّم نجاستِ غلیظہ کو دنیا کے کل سمندر اور ابشار بھی پاک نہیں کرسکتے۔ آیت میں بہت قوت اور پختگی کے ساتھ حبطِ عمل کو ظاہر فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے خاسرین کے ساتھ بالکل مساویانہ حیثیت میں شمار کیا ہے۔ بالفرض اگر نبی سے بھی شرک صادر ہوجائے تو نہ فقط یہ کہ اس کا نام دفترِ نبوت سے مٹا دیا جائے گا بلکہ سابقہ نبوت اور گزشتہ فرمان پذیری اور جلالتِ شان کا لحاظ کئے بغیر کافروں کے گروہ میں داخل کر دیا جائے گا۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ نفی کے بعد اثبات ضروری ہے۔ عبد کے لئے عبدیت بہرحال لازم ہے اور اظہارِ عبودیت کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ پس جس طرح دوسروں کو معبود قرار دینا جرم ہے اسی طرح اصل معبود کو معبود نہ سمجھنا جرم ہے اور جس طرح دوسروں کی پرستش کرنا موجبِ خسران ہے اسی طرح اصل معبود کی پرستش نہ کرنا موجبِ کفران ہے۔ وجود عطا کرنا پھر آئینِ حیات کی تعلیم دینا اور ہر وقت حفاظت اور دیربانی کرنا اتنی بڑی نعمت ہے جس سے بڑا احسان ممکن نہیں اس لئے شکر ادا کرنا لازم ہے اور شکر صرف زبانی نہیں بلکہ ہر بن مو سے تن اور دھن سے، حرکت اور سکون سے ہر تصور وتصدیق کی لہر اور ہر قلبی وجدان وعرفان سے غرض اللہ ہی کے سامنے ہر قسم کا تذلل اور اسی کے احکام کی پابندی اور اسی کے ہر فرمان کے سامنے سرافگندگی ضروری ہے۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر ادا کرو کہ اس نے اپنا بندہ بننے اور بندگی کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ شیخ حسین اور سہل تستری کا قول ہے کہ عبودیت ہی آخری کمال اور موجبِ عزت ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ۔ جنھوں نے مخلوق کو بڑھا کر خالق کے ساتھ جا بٹھایا، یا خالق کو گھٹا کر مخلوق کے ساتھ لا ملایا۔ انہوں نے اللہ کی قدرت جلال عظمت اور اوصافِ کمال کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ بروایت ابن کثیر بقولِ مجاہد یہ آیت قریش کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ ایک یہودی عالم نے خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض کیا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام بحر وبر کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر۔ پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔ حضورِ والا یہ بات سن کر مسکرا دیئے کہ اگلے دندانِ مبارک نمودار ہوگئے۔ پھر فرمایا۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الخ۔ (رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی وقد نقلہ ابن کثیر عن البخاری) شاید حضورؐ نے یہودی کی جہالت پر تبسم فرمایا ہو کہ اس نے اپنی رائے سے اللہ کے ہاتھ کی انگلیاں شمار کرکے ہر انگلی پر ایک خاص مخلوق کی برداشت کا ذکر کیا جو حقیقت میں بے اصل بات تھی اور ظاہری مجمل الفاظ کو دیکھ کر وہ شخص تفصیلی تجسیم وتشبیہ میں پڑ گیا اور اس نے بالکل خدا کے ہاتھ کی خصوصیات انسانی ہاتھ کی طرح سمجھ لیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ تشریف فرما تھے ایک یہودی اُدھر سے گزرا اور حاضر ہو کر اپنے کلمہ کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس روز اللہ آسمانوں کو اس انگلی پر رکھے گا اور زمین کو اس انگلی پر اور پہاڑوں کو اس انگلی پر (غرض تفصیلاً) وہ بات کہتے وقت اپنی ہر ایک انگلی کی طرف اشارہ کرتا جاتا تھا۔ ابوالقاسم بتایئے آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الآیۃ نازل

toobaafoundation.com

زبانی۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

حضرت ابن عباس کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ یہودی کے جواب میں نازل ہوئی اور حضرت ابن مسعود کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ پہلے سے نازل شدہ تھی۔ حضورؐ نے یہودی کے جواب میں تلاوت فرمادی تھی۔ غالباً یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ سورۂ زمر کی ہے یا یہ کہا جائے کہ اس آیت کا دو مرتبہ نزول ہوا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضورؐ والا فرمارہے تھے کہ اللہ زمین کو مٹھی میں اور آسمانوں کو تہہ کرکے اپنے دستِ راست میں لے کر فرمائے گا، میں بادشاہ ہوں (آج) وہ زمین والے بادشاہ کہاں ہیں۔ (بخاری و مسلم) نقلہ ابن کثیر۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے حضورؐ والا نے فرمایا کہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ ان زمینوں کو ایک انگلی پر اور سب آسمانوں کو یمین (دایاں ہاتھ) پر رکھ کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں (بخاری و مسلم) صحیح مسلم میں یہ روایت طول سے ہے۔ نسائی ابن ماجہ اور بزار نے بھی اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے لکھا ہے اور صحیح ہونے کی صراحت کی ہے۔

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۔ خطیب نے سراج میں لکھا ہے کہ آسمان و زمین کے مقبوض ہونے کی صراحت سے مجسمہ اور مشبہہ جیسے گمراہ فرقوں کو اپنے اوہام کی وادی میں سرگرداں پھرنے کا موقع ہاتھ آسکتا تھا اور جسم و جسمانیات کی مشابہت کا اس جگہ سے استخراج کرسکتے تھے اس لئے ان کے وہم کو دور کرنے کے لئے اس آیت میں اپنی تنزیہ و تقدیس ظاہر فرمائی اور اعلان فرمایا کہ اللہ ہر مخلوق کے نقص و لگاؤ سے پاک ہے۔

خطیب نے شیخ ابو سلیمان خطابی کا قول نقل کیا ہے جو اس موقع پر نہایت لطیف ہے کہ آیت میں جو لفظ یمین آیا ہے اُس سے یسار کا وہم نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہاں یمین کا وہ مفہوم نہیں ہے جس کا مقابل یسار ہے۔ اللہ کے متعلق ہاتھ یا انگلی یمین سے یہ دھوکا ہی نہ کھانا چاہیئے کہ اللہ کے یہ اعضا ہیں اس لئے صحیح حدیث میں آیا ہے۔ كِلۡتَا يَدَيۡهِ يَمِيۡنٌ ۔ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یمین سے دست اور جسمانی عضو مراد نہیں ہے۔ ورنہ دونوں ہاتھوں کے یمین ہونے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔ انتہی۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ اللہ نے قرآن میں جو کچھ اپنے اوصاف بیان فرمائے ہیں، ہمارا ان پر ایمان ہے ہم اپنے باطل اوہام کو اُن میں دخیل نہیں بناتے اور نہ اپنی رائے سے تاویل کرتے ہیں۔

محاکمہ صفات کے متعلق ذیلی طور پر ہم اس جگہ مجبوراً مختصر تشریح کرنی چاہتے ہیں۔ اہلِ اسلام میں سے کچھ لوگ تو خدا کی ذات کو تمام صفات سے خالی خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا حکیم ہے۔ بغیر حکمت کے سمیع ہے بغیر سمع کے بصیر ہے بغیر بصارت کے یہاں تک کہ موجود ہے بغیر صفتِ وجود کے۔ یہ لوگ چونکہ واجب اور قدیم کے تعدد کے شبہ سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور تعدد صفات کی تقدیر پر تمام صفاتِ واجبہ اور قدیمہ ہوں گی اس لئے انہوں نے نفی صفات کی صراحت کی لیکن صفات پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں اور مختلف صفات سے جو مختلف افعال سرزد ہوتے ہیں اُن افعال کا سرچشمہ اُنہوں نے تنہا ذاتِ الٰہی کو قرار دیا اور صاف کہہ دیا کہ اللہ کی ذات مختلف افعال کے صدور کا منبع ہے صرف حیثیات کا اختلاف ہے اور حیثیت و اعتبار کے اختلاف سے افعال کا باہمی اختلاف ہوتا ہے۔ یہ بحث بہت دقیق اور طویل ہے ہم نے مجمل خلاصہ نقل کردیا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ خدا کی صفات متعدد ہیں۔ ہر ایک کا مفہوم جدا جدا ہے۔ اگرچہ مصداق ایک ہی ہے اس لئے نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات یا یوں کہو کہ عین بھی ہیں اور غیر بھی۔ یہ تو عام صفات کے متعلق اختلاف تھا۔ باقی وہ صفات جن سے بظاہر جسمانیت کا دھوکا ہوتا ہے۔ اُن کی توضیح تین طرح سے کی گئی ہے اور ہر فرقہ کا ایک قول ہے

(۱) اللہ کے تمام اعضاء ہاتھ پاؤں انگلی پہلو چہرہ آنکھ کان وغیرہ اسی مفہوم کے ساتھ موجود ہیں جیسے ہمارے ہیں۔ یہ فرقہ مجسمہ اور مشبہہ ہے اکثر یہودیوں کا یہی عقیدہ تھا اور ہندوستان کے ہندوؤں کے اقوال بھی اسی سے ملتے جلتے ہیں اور نصاریٰ نے بھی بعض اوصاف مخلوق کا وجود خدا میں تسلیم کیا ہے۔

(۲) علامہ ابن حزم اندلسی امام ابن تیمیہ مصری علامہ ابن قیم جوزی اور اکثر اہل حدیث کا مسلک ہے کہ صفات کے متعلق جتنے الفاظ آئے ہیں وہ

toobaafoundation.com

ناقابلِ تاویل ہیں اُن کو سمجھا بھی نہیں جاسکتا صرف ظاہری معانی مراد ہیں جو معلوم ہیں لیکن معانی کی کیفیت مجہول یا معلوم ہے مثلاً ید کا معنی ہاتھ یمین کا معنی داہنا ہاتھ وجہ کا معنی چہرہ اور جنب کا معنی پہلو ہے۔ قرآن میں جہاں یہ الفاظ خدا تعالیٰ کے متعلق آئے ہیں وہاں یہی معنی مراد ہیں لہٰذا مراد تو معلوم ہے لیکن خدا کا ہاتھ اور چہرہ اور پہلو اور قدم اور آنکھ اور کان انسانوں کی طرح گوشت پوست ہڈی پٹھے اور آنت کا بنا ہوا نہیں ہے بلکہ جیسے یہ ہیں معلوم جیسا اس کی شان کے لئے مناسب ہے ویسا ہی ہے۔ محدثین کے قول سے اتنا معلوم ہوا کہ الفاظ کے لغوی معنی مراد ہیں مگر غیر معروف مجہول الکیفیت اور ظاہر ہے کہ اطلاق کے وقت اگر اہلِ زبان کسی لفظ کا کوئی معنی نہ سمجھیں۔ مثلاً ید کا وہ معنی جو مجہول الکیفیت ہے اور جو ہماری سمجھ سے بالا ہے اُن کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ معنی حقیقی ہوگا بلکہ مجازی ہوگا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدثین کے قول پر ایسے متشابہ الفاظ کے معنی حقیقی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں لیکن کونسا مجازی مراد ہے اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔

سفیان بن عیینہ کا جو قول ہم نے اوپر نقل کیا ہے اُس کا مطلب بھی یہی ہے۔ اشاعرہ بھی متشابہ الفاظ سے مجازی معانی مراد لیتے ہیں اور عربی زبان احادیث مقدسہ۔ قرآن کے سیاق و سباق اور اہلِ عرب کی تصریحات کی روشنی میں وہ مجازی معانی کی تعیین بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی آیت میں قبضہ (مٹھی) اور یمین (داہاں ہاتھ) سے مراد اُن کے نزدیک اللہ کی قدرتِ قاہرہ اور قبضہ غالبہ ہے۔ دنیا میں زمین و آسمان کا بقاء ان کا تحفظ۔ ان کی اطاعت اور فرمان پذیری ان کی مغلوبیت اور مقہوریت تو واضح طور پر نہیں آتی لیکن حشر کے دن اتنی عظیم الشان مخلوق کو جب خدا کی قدرتِ قاہرہ سے اڑتا ہوا دیکھتا سمٹتا محسوس طور پر دیکھیں گے تو قدرت کی عظمت کا ہولناک مشاہدہ ہوگا۔ یہی نظریہ اشعریہ کا قول ہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

آیت مذکورہ کی ایک لطیف تشریح

اللہ کی ازلی ابدی صفات کے مقابلہ میں ساری کائنات ہیچ ہے کسی کی کوئی ہستی نہیں پھر کس کی مجال ہے کہ اس کا اندازہ کرسکے اور کس میں طاقت ہے کہ ذات کی صفات کا احاطہ کرسکے اور کس دل یا مکان میں اس کی غیر محدود صفات کی سمائی ہوسکتی ہے۔ کونسی آنکھ اس کا احاطہ کرسکتی ہے اور کونسا فہم کی وہاں تک رسائی ممکن ہے۔ اس کی قدرت کے مقابل روح پہلی ہی فکر میں سوختہ ہے اور عقل ایک ہی جگہ میں فانی۔ اس کی صفتِ قدرت سے جو ذرہ کہ چمکتا ہے اس کی چمک سے عقلِ نورانی اور فکرِ روحانی فنا ہے جب ساری مخلوق اس قدر عاجز ہے کہ اگر قدرت کی حقیقت کو مطالعہ کرنے کی ہزار دعوت دی جاتی تو پہلی ہی فکر میں وہ فنا ہو جاتی اور صحیح اندازہ کرنے سے پہلے ہی مٹ جاتی۔ اس لئے بجائے اس کے کہ حقیقتِ قدرت کے مطالعہ کی دعوت دی جاتی فعلِ قدرت اور اس فعل کے اثر کو مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ کیا اور آگاہ فرمایا کہ سب سے بڑی مخلوق اللہ کی تسخیری قدرت کے سامنے بے مقدار ہیں۔ رائی کے دانے سے بھی حقیر ہیں۔ دیکھو اس کی صفتِ قدرت کا ایک ادنیٰ نمونہ فعلی دیکھو اور اُن کی توڑ پھوڑ اور لپیٹ سمیٹ پر غور کرو یہ عمل اور اثر فعل کتنا ہولناک اور عظیم الشان ہے لیکن اس سے جاہلانہ قیاس آخرت میں اور توہم پرستی میں نہ پڑو۔ الفاظ سے حقائق میں مشابہت کا تصور نہ کرو کیونکہ اللہ ہر مشابہت مماثلت اور نقص و عیب سے پاک ہے۔

تنبیہ آیت وما قدروا اللہ حق قدرہ کی تفسیر مفسرین نے جو کچھ لکھی تھی ہم نے اس کی موافقت میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ اپنے الفاظ میں توضیح کردی۔ اس تفسیر کی بناء صرف اس بات پر ہے کہ قدروا کا فاعل کافروں کو قرار دیا گیا ہے لیکن اگر کافرین اور متقین، خاسرین اور شاکرین سب کو فاعل قرار دیا جائے جس کا قرینہ واضح ہے تو عجیب پرلطف مطلب نکلتا ہے اور آیت کا مفہوم وہی ہوگا جو ما عرفناک حق معرفتک کا ہے حاصل مراد یہ ہوگا کہ تمام آدمی نیک ہوں یا بد کافر ہوں یا مومن خاسر ہوں یا مفلح سب ہی اللہ کی ذات و صفات کا صحیح اندازہ کرنے سے عاجز ہیں۔ اندازِ الٰہی سے ہر ایک کی فکر قاصرہ ہے۔ دیکھو فعلِ قدرت کا ادنیٰ مظاہرہ کتنا ہیبت ناک اور عظیم الشان ہوگا قیامت کے دن زمین بھی دستِ قدرت میں سمٹی ہوگی اور آسمان بھی لپیٹ دیئے جائیں گے۔ یہ ہولناک مشاہدہ فعلِ قدرت کا حقیر مظاہرہ ہوگا۔ لیکن اس تمثیل سے مماثلت اور تشبیہ سے مشابہت کا دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ ہر قسم کی مماثلت و مشابہت سے دور ہے اور کائنات کی ہر رفعت سے عالی مرتبہ ہے اس لئے مماثلت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ مماثلت تو شرک آفرین ہے۔ والعلم عند اللہ۔

مقصودِ بیان: ۔ اللہ خالق سے مقالید السموٰت والارض تک اللہ کی صفاتِ سہ گانہ کا بیان ہے اور تینوں اپنے اپنے مقام پر بہ پہلے

toobaafoundation.com

اور عقائد مشرکانہ پر ضرب لگانے کی ناقابل مقاومت طاقت رکھتا ہے۔ اگرچہ تینوں صفات مثبت ہیں اور سادہ الفاظ میں اللہ کران صفات کا حامل بتایا ہے لیکن حقیقت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو ان اوصاف کا حامل نہ ہو وہ سزاوار الوہیت نہیں۔ لفظ خالق سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ایجاد کائنات اندازۂ علمی اور قدرتِ حکمت آفرین کے بغیر نہیں ہے۔

کل یعنی ء سے مانویہ ثمنویہ جہمیہ صفوانیہ خارجیہ اور قدریہ فرقوں کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے جو خالق خیر اور خالق شر یا خالق نور اور خالق ظلمت غرض دو خالقوں کے قائل ہیں، بلکہ بہت سے آدمی تو متعدد خالق مانتے ہیں۔ کسی کو خالقِ حسن، کسی کو خالقِ جنگ، کسی کو خالقِ امن، کسی کو خالقِ راحت اور کسی کو خالقِ مصیبت خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ میں کل شئ بتا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی کسی قسم کے نظم تخلیقی اور حفظ کائنات کا ضامن نہیں۔ کائنات کا نظام جسمانی ہو یا عقلی مادی ہو یا روحانی سب کا نگراں خدا ہی ہے۔ کوئی بنتے کو بگاڑ نہیں سکتا اور نہ بگڑتے کو بنا سکتا ہے۔ اس وکالت و حفاظت سے یقینی ترشح ہو رہا ہے اس بات کا کہ اللہ کی حکمت قدرت مشیت اور ارادہ ہمہ گیر ہے دقیقہ رس ہے۔ اس کے ارادہ کے بغیر یہ نظام کائنات رواں دواں نہیں ہے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے یہ مقصود ہے کہ آسمانوں کی حرکت، سیاروں اور ستاروں کا دور اس سے پیدا ہونے والی ظاہری اور باطنی اثرات فضاء کی ساری لہریں اور اُن کی کائناتی تاثیریں، زمین کی روئیدگی بالیدگی سرسبزی شادابی یا شوریت، نیز ابیت خشکی افسردگی پژمردگی اور زمین کے اندرونی مواد کی حیات آفرینیاں ہلاکت انگیزیاں غرض اس کائناتِ علوی و سفلی میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو نتائج برآمد ہو رہے ہیں ان تمام ذخیروں اور خزانوں کی کنجیاں اللہ ہی کے دستِ تصرف میں ہیں کوئی بت موہوم موکل فرضی دیوتا پیر پیغمبر حاکم بادشاہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ پس عبرت حاصل کرنا چاہیئے در در سجدہ ریزی کرنے والے مشرکوں کو اور سبق لینا چاہیئے عقائدِ اسلامیہ سے جاہل مسلمانوں کو جو کاسہ گدائی لئے ہر فقیر مزاماتِ مقدسہ آثارِ متبرکہ اُمراء و سلاطین اور حکام کی غلامی کرتے پھرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ خزانوں کی کنجیاں تو سوائے خدا کے کسی کے پاس نہیں، وہ نہ دے تو کون دلوائے اور وہ دے تو کون رکوائے۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ ایسی کھلی ہوئی حقیقتوں کے انکار کرنے سے خسارے اور نقصان کے علاوہ حاصل کیا ہے خالق محافظ اور مالک متصرف سے منہ موڑنے اور مخلوق محتاج بے اختیار نادار کے دروازوں پر دستک دینے سے کیا مل سکتا ہے۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ سے مِنَ الشّٰكِرِيْنَ تک یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ شرک سے بدتر کوئی جرم نہیں۔ یہ نبوت سے انبیاء کو محروم کر دینے والا بلکہ ان کے اعمال کو بھی اکارت بنا دینے والا ہے اس لئے ہر مسلمان کو خصوصًا اور ہر انسان کو عمومًا شرک کی بو سے بھی بچنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معمولی شرک تمام عمر کی نیکیوں کو کھا جائے بلکہ شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اللہ نے اپنا بندہ بننے کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ سے کافروں کی جہالت کو ظاہر کرنا اور یہ بات دکھانا مقصود ہے کہ مشرکوں کے شرک کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کی عظمت رفعت اور جلال و کمال سے ناواقف ہیں۔ ان کو الوہیت کا صحیح مرتبہ ہی معلوم نہیں ہے۔ آخر میں دستِ الٰہی میں زمین کے اور آسمانوں کے لپیٹے ہوئے ہونے سے قوتِ قاہرہ اور قدرتِ غالبہ کو ظاہر کرنا غرض ہے وغیرہ۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ

اور (قیامت کے روز) صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اُڑ جاویں گے مگر جس کو خدا چاہے پھر اُس

نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ

(صور) میں دوبارہ پھونک ماری جاوے گی تو دفعتہً سب کے سب کھڑے ہو جاویں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائیگی اور سب کا

toobaafoundation.com

الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝

اعمال نامہ ایک کے سامنے رکھ دیا جائیگا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا

وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ع

اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلا دیا جاوے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر کائنات میں روزانہ بناؤ اور بگاڑ ہو رہے ہیں۔ ان گنت کیڑے کروڑوں حیوان اور لاکھوں انسان ہر روز پیدا ہوتے اور مرتے ہیں بلکہ کائنات کی جن ذرات کہربائیہ سے تخلیق ہوتی ہے وہ سب جاندار ہیں اور ہر آن مرتے جیتے رہتے ہیں۔ یہ ہولناک انقلاب اگرچہ محسوس اور مرئی ہے لیکن اکثر آدمیوں کی بصیرت پر غفلت کے پردے پڑے ہیں اور آنکھوں کے پردے زنگ آلود ہو گئے ہیں اس لئے کچھ دکھائی نہیں دیتا عموماً آدمیوں کی نگاہ حدوث اور نیرنگیوں کی تہہ تک نہیں پہنچتی۔ بادۂ نخوت وحرص سے سرشاری موجب جہالت و پردہ داری ہو گئی ہے۔ ہر وقت دردناک مناظر کا پیہم مشاہدہ آدمی کے دل کو سخت اور ہر قسم کی اثر پذیری سے محروم کر دیتا ہے۔ حرارت کے تواتر اور تسلسل سے اُن کی جاذبیت گم یا کم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چمکتے سورج کی ہر کرن اور ظلمت شب کی عریاں آگیں ہر شعاع اگرچہ اپنے اندر ہزاروں ہولناک ہیبت آفریں مناظر رکھتی ہے لیکن خوگر ذہول اس کی طرف نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھتا۔ خود آدمی کی بدنی ساخت میں روزانہ لاکھوں ذرے مرتے اور جیتے رہتے ہیں لیکن کم ہیں اس کو دیکھنے والے اور نادر ہیں اُس کو سمجھنے والے اور نایاب ہیں سمجھ کر عبرت حاصل کرنے والے۔ آخر یہ کرداری دنیا ایک دن ختم ہوگی نیم مرئی انقلاب ہولناک مرئی شکل میں سامنے آئے گا۔ اسلامی نظریہ ہے کہ سزا اور جزا کا ایک دن مقرر ہے۔ جب جاندار کائنات کی عملی زندگی ختم ہوگی تو فیصلہ کن سزا جزا کا دن آئے گا۔ نو بہ نو تغیرات و انقلابات کا سلسلہ ختم ہونے کو ہوگا تو اللہ کا آخری حکم آجائے گا۔ ایک پکار ہوگی کہ کرداری دنیا ختم ہو گئی۔ یہ سنتے ہی زندہ کائنات موت کی آغوش میں سو جائے گی۔ کوئی جاندار نہ بچے گا اُس وقت واحد قہار اپنی انفرادی کبریائی اور ملوکیت کا اعلان فرمائے گا۔ پھر دوسرا دور شروع ہوگا غیبی منادی ہوگی چلو احکم الحاکمین کے دربار کی طرف آخری فیصلہ سننے کے لئے۔ مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ موت کی بے ہوشی سے ہوش میں آجائیں گے۔ زمین سے اُگیں گے سبزے کی طرح بڑھیں گے پودوں کی مثل زندہ ہو جائیں گے زمین کے کیڑوں کی طرح جوق جوق زمین سے نکلیں گے اُٹھیں گے سمٹیں گے اُبھریں گے بڑھیں گے اور دربار حکم کی طرف دوڑیں گے۔ پولیس کے فرشتے کوڑیں کے کھینچیں گے صفیں ترتیب دیں گے۔ شہنشاہ اعلیٰ جاہ عرش عدالت پر رونق افروز ہوگا۔ نور تجلی سے زمین جگمگا جائے گی آفتاب قدس کی جھلکیاں کرنیں ہر چیز پر پرتو فگن ہوں گی ہر شخص کی فرد اعمال پیش ہوں گی۔ اللہ جانے وہ اعمال نامے کیسے ہوں گے اور کس طرح اُن کی پیشی ہوگی۔ ثبوت کے لئے انبیاء کو پیش کیا جائے گا۔ وہ بیان کریں گے کہ ہم نے قانونی اطلاع سب کو دیدی تھی اور آئین سے واقف کر دیا تھا کچھ لوگ انکار کریں گے تو انبیاء کی تصدیق کے لئے شاہد سامنے آئیں گے۔ اعمال نامے لکھنے والے فرشتے نیک پہلے ہی شہادت دیں گے۔ دوسرے نیک لوگ خصوصاً اُمت محمدیہ انبیاء کی تصدیق کرے گی۔ دربار عدالت سے فیصلہ صادر ہوگا انصاف کا فیصلہ۔ کسی کی حق تلفی نہ ہوگی، کسی پر ظلم نہ ہوگا کسی کے عمل کی جزا کم نہ دی جائے گی زیادہ ہی ملے تو ملے۔ دربار کی یہ تمام کارروائی نہ ہوگی کہ حاکم عدالت کو صحیح واقعات کا علم ہو جائے۔ اس کو تو ہر شخص کے اعمال وافعال پہلے ہی سے معلوم ہیں یہ صرف ضابطہ کی تکمیل ہوگی تاکہ کسی کو کوئی قانونی عذر اور حیلہ باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

تحلیل اجزاء وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ صور کیا ہے۔ نفخ صور سے کونسا نفخ مراد ہے۔ صعقہ کا کیا مطلب ہے اور کون کون بے ہوش ہوگا اور کون بے ہوش نہ ہوگا۔ یہ چار مباحث توجہ چاہتے تھا۔ (۱) صور قرن سنکھ یا سینگھ کو کہتے ہیں۔ صور قیامت کی شکل سنکھ کی ہوگی۔ قرآن اور حدیث میں جو لفظ صور آیا ہے اس کے ظاہری معنی یہی ہیں۔ اور یہی مراد بھی ہیں۔ واقع میں صور اور نفخ صور اور اسرافیل یہ تمام الفاظ ہیں جن کے معانی امر الٰہی کے مظاہر ہیں۔ حقیقت خدا جانے کہ کیا ہے۔

toobaafoundation.com

کہہ سکتے کس چیز کا بنا ہوا، کتنا بڑا اس آلہ کا نام تو اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ امر الٰہی کے اسباب ظہور کا نام صور بھی ہے اور نفخ صور بھی اور اسرافیل بھی۔ سنکھ کا قطر ایک طرف سے کم ہوتا ہے اور دوسرے کنارے پر زیادہ اس طرح پھونکنے میں آسانی ہوتی ہے اور پھر پتلی آواز نکلنی شروع ہوتی ہے لیکن جب آواز دوسرے سرے سے نکل کر پھیلتی ہے تو اونچی ہو جاتی ہے اور گونجنے لگتی ہے۔ عرب میں اطلاع عام کرنے اور قدیم رسوم ادا کرنے کے لئے اجتماعی دعوت دینے کے واسطے سنکھ کا ہی استعمال ہوتا تھا۔ اب بھی دنیا کے بعض مذاہب میں عبادتی اجتماع کے لئے اس کو استعمال کیا جاتا ہے اور لاؤڈ اسپیکر کی شکل بھی کچھ سنکھ جیسی ہوتی ہے۔ عربی زبان میں قرآن کا نزول ہوا اس لئے عربی دہنیت، فہم اور لغت کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ وہ امر الٰہی جو فرمانبردار فرشتے اسرافیل کے ذریعہ سے سارے جانداروں کو مارنے اور جلانے کے لئے صادر ہوگا حسی طور پر اُس کا اعلان و اظہار ہوگا اس کو صور اور نفخ صور سے تعبیر فرمایا۔ ابن ماجہ کی ایک ضعیف الاسناد روایت میں آیا ہے کہ صور پھونکنے والے دو فرشتے ہیں دونوں کے ہاتھ میں دو سنکھ ہیں۔ دونوں نظر اٹھائے ہوئے نفخ صور کے حکم کے منتظر ہیں۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری ہیں۔ ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوسعید خدری بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے صور پھونکنے والے کا ذکر فرمایا کہ اُس کے دائیں طرف جبرئیلؑ اور بائیں جانب میکائیلؑ ہے (قرطبی) عام صحیح روایت میں کثرت آیا ہے کہ صور پھونکنے والے کا نام اسرافیل ہے اور یہی درست بھی ہے۔ (۳۱۲) صعقہ کے معنی بے ہوشی مراد ہے۔ بیہوش ہو کر مر جانا۔ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا پہلی مرتبہ میں آسمان و زمین کے سوائے مخصوص ہستیوں کے سب بے ہوش ہو کر مر جائیں گے بعض لوگوں نے تین مرتبہ صور پھونکے جانے کی صراحت کی ہے۔ پہلی مرتبہ صور کی آواز سن کر ہول اور گھبراہٹ پیدا ہوگی۔ اور دوسرے صور پر مر جائیں گے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس سے دوسرا صور پھونکنا مراد ہے اسی کو نفخۃ الصعق (بے ہوش کر دینے والی پھونک) کہا جاتا ہے اور اسی سے زمین و آسمان کے جاندار باستثناء مخصوص مر جائیں گے۔ چنانچہ مشہور حدیث اسی صور میں تفصیل کے ساتھ اس کا بیان آیا ہے۔ اس کے بعد بچے ہوئے مخصوص افراد کی روح قبض کی جائے گی سب سے آخر میں ملک الموت کو موت ہوگا اُس وقت سوائے حی قیوم وحدہٗ لاشریک کے کوئی باقی نہیں رہے گا اور تین مرتبہ ارشاد فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی حکومت ہے) پھر خود ہی جواب میں فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ پھر فرمائے گا میں اکیلا تھا میں نے ہی سب کو پیدا کیا اور میں نے سب کو فنا ہو جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مخلوق کو زندہ کرے گا۔ چنانچہ اسرافیل کو سب سے پہلے زندگی ملے گی اور اسی کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ یہ تیسری بار نفخ صور ہوگا اسی کو نفخۃ البعث بھی کہا جاتا ہے۔ ابن کثیرؒ کی یہ تشریح نفخ صور والی عام حدیث کے خلاف ہے۔ مشہور حدیث میں تین بار صور پھونکنے کا ذکر نہیں ہے۔ حدیث اس طرح ہے احمد اور امام مسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے حضرت عبداللہ کا بیان ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا ہے میری امت میں دجال نکل کر چالیس دن تک رہے گا۔ راوی نے کہا مجھے یاد نہیں کہ حضورؐ نے چالیس دن فرمایا تھا یا چالیس رات یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا جو صورت میں عروہ بن مسعود ثقفی کی طرح ہیں وہ دجال کو ہلاک کر دیں گے پھر سات برس تک لوگ (امن سے) رہیں گے کہ دو آدمیوں میں کبھی عداوت نہ ہوگی۔ اس کے بعد شام کی طرف سے ایک سرد ہوا بھیجے گا جو اور سب لوگوں کی روح قبض کر لے گی جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اچھے آدمی سب دار الآخرت کو سدھاریں گے جس میں ذرہ برابر بھی خیر بھلائی وہ منہ پہنچے گا۔ برے لوگ رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح شکست سرا اور درندوں کی طرح بے عقل اور بے ہنر ہوں گے جن کو نیک و بد کا کچھ امتیاز نہ ہوگا۔ شیطان آدمی کی شکل میں نمودار ہو کر ان کو ابھار دے گا اور بت پرستی پر آمادہ کرے گا لوگ بتوں کی پوجا کرنے لگیں گے لیکن اس کے باوجود اُن کو کثیر روزی ملے گی کہ خوب عیش میں خوش و خرم رہیں گے۔ اس کے بعد اچانک خفیف آواز سے صور پھونکا جائے گا۔ لوگ کان اٹھا اٹھا کر متوجہ ہو کر اس کو سنیں گے۔ اس آواز کو سب سے پہلے وہ شخص سنے گا جو حوض درست کر رہا ہوگا وہ بیہوش ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ سب بیہوش ہو کر مر جائیں گے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ اس کے بعد اللہ (طل یا تیز مادہ کا شک ہے) بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم ایسے اُگیں گے جیسے زمین میں دانہ اُگتا ہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ کھڑے ہو جائیں گے ٹکٹکی لگائے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے اس کے بعد منادی ہوگی لوگو اللہ کی طرف آؤ اور حکم ہوگا ان کو روکے رکھو ان سے حساب فہمی ہوگی۔ پھر حکم ہوگا ان میں سے جہنم کا حصہ چھانٹ لو۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آدمؑ کو حکم ہوگا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ چھانٹ لو۔ عرض کیا جائے گا کتنے چھانٹے جائیں۔ حکم ہوگا نوسو ننانوے فی ہزار چھانٹ لو یہ وہ وقت ہوگا کہ اولاد

toobaafoundation.com

بچے وہ بے ہوش نہ ہوں گے اور آیت یوم یکشف عن ساق کو کھی وقت ہوگا (احمد، مسلم) حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں چالیس کے عدد ان بابت
بیان یا سال کی تعیین نہیں، کچھ پتہ دور اوی نے یقین سے نہیں لاعلمی ظاہر کی ہے (بخاری)۔

(۳) کون بے ہوش ہوگا اور کون نہ ہوگا اس کے متعلق مختلف اقوال اور روایات ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے جن کے استثنائی مادی اور برزخیہ میں
کو بیہوش نہ ہونے والے شہید ہوں گے جو عرش کے گرداگرد تلواریں حمائل کیے ہوئے موجود ہوں گے (ابو یعلیٰ، دارقطنی، ابن زاید، ابن المنذر، حاکم
و ابن مردویہ و بیہقی) حضرت انس کی روایت میں آیا ہے کہ بیہوش نہ ہونے والے جبریل میکائیل ملک الموت اسرافیل اور عرش کو اٹھانے والے
فرشتے ہوں گے (فریابی، ابن جریر، ابو نصر سجزی، ابن مردویہ) کسی نے حضرت موسیٰ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ خطیب نے تعیین مستثنیٰ سے انکار کر دیا اور قتادہ
سے یوں نقل کیا ہے کہ اللہ نے اس کی تعیین نہیں فرمائی کہ کون بیہوش ہوگا اور کون بیہوش نہ ہوگا۔ بس اس پر ہمارا ایمان ہے کہ کچھ مخلوق بے ہوشی سے مستثنیٰ
ہوگی میرے نزدیک بھی تعیین نہ فقط بیکار ہے بلکہ بے جا ہے۔ ہر روایت کے کسی درمیانی راوی میں سقم ضرور ہے۔ ہاں آیت کا اوپر اشارہ ہے کہ
نبی، ولی اور پیغمبر و شہدا کی جماعت کا استثنا مقصود نہیں ہے کیونکہ بے ہوشی ان لوگوں کو ہوگی جو اس دارِ فانی میں اس مادی زندگی کے ساتھ
اس وقت موجود ہوں گے۔ جو جہان سے جا چکے اور روپوش ہو گئے ان پر بے ہوشی طاری ہونے اور ان کے مرنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔ انبیاء اس
دنیا سے جا چکے شہدا جا چکے ان کی یہ دنیوی مادی عناصری اتصالی زندگی ختم ہو گئی وہ کرداری دیس سے باہر چلے گئے اور عیش کی دنیا میں پہنچ چکے
ان کی موت کیا معنی رکھتی ہے اس لئے نفخہ صعق سے بے ہوش ہونے والی اور بے ہوشی سے مستثنیٰ رہنے والی وہی جاندار مخلوق ہوگی جو اس وقت
اس سماوی اور ارضی دنیا میں کرداری زندگی کے ساتھ موجود ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے جلیل القدر فرشتے اور غیبی صورت گرانبار خود
سے بے ہوش نہ ہوں گے اور جب سب جاندار مخلوق مر چکے گی تو پھر ان کارگزاروں کے مرنے کا وقت آئے گا اور وہ بھی مر جائیں گے اور سوائے ذات
الٰہی کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ - پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ جی اٹھیں گے اور باہم حیرت
سے دیکھیں گے سب سے پہلے حضور سر اٹھائیں گے اور موسیٰ کو عرش کا پایہ پکڑے کھڑا دیکھیں گے حضور نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ کو ہوش مجھ سے
پہلے آچکا ہوگا یا طور کی بیہوشی کے عوض ان پر بے ہوشی ہی طاری نہ ہوگی (اس آخری فقرہ خاص طور پر غور طلب ہے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا - امام رازی کے نزدیک اس جگہ نور سے مراد عدل ہے اور ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک ارض سے مراد
یہ زمین نہیں ہے جو بدل دی جائے گی بلکہ ارض قیامت مراد ہے۔ بقول ابن کثیر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ نور تجلی کے سبب زمین جگمگا جائے گی یعنی اللہ
کے نور عظمت و قدرت نور صنعت اور نور خلقت سے تو اب بھی آسمان و زمین جگمگا رہے ہیں۔ وہ نور السموات والارض ہے لیکن قیامت کے دن پردہ
اٹھا کے جلوہ الٰہی کی نور بیزی زیادہ کھلی ہوئی ہوگی اور مخلوق کی آنکھوں سے پردے اٹھ جائیں گے اور تجلیات جمال پر حسب استعداد ذوق المرء ہوگا تو اس
کی جلوہ پاشی سے کل زمین جگمگا جائے گی۔ رازی کی تشریح کے موافق یہ مطلب ہوگا کہ اگرچہ عدالت الٰہیہ اب بھی کائنات میں جاری و ساری ہے اور سارے
جہان کی بنا عدل پر ہے لیکن جب اعمال کے فیصلوں کا وقت ہوگا تو وہاں انصاف کے خلاف کسی سفارش کی سفارش نہیں چلے گی کسی طاقتور کا دباؤ نہ
ہوگا کارکنان الٰہی اور رشوت خوار نہ ہوں گے اور وہاں کسی اخوت قرابت زوجیت تولیت وطنیت وغیرہ سے اگر وہ نہ ہوگا اس لئے کسی کا جنبہ دار
بھی نہ ہوگا کسی کے پاس یار و مددگار کی طاقت بھی نہ ہوگی اس وقت صرف اپنے اپنے اعمال کی شکل ہوگی اس کی جانچ ہوگی صحیح فیصلہ ہوگا ایسا صحیح
فیصلہ کامل روشنی کل زمین یعنی زمین والوں پر پڑے گی اور کسی پر ظلم زیادتی نہ ہوگی سب لوگ واضح طور پر اپنی آنکھوں سے عدالت عالیہ کو دیکھ
لیں گے

وَوُضِعَ الْكِتَابُ - بعض مفسرین کے نزدیک الکتاب سے لوح محفوظ مراد ہے جس میں تمام مخلوق کے اعمال درج ہیں (معالم التنزیل، التفسیر الکبیر، معالم
التنزیل) اکثر مفسرین مجاہد کے قول کی موافقت میں اس جگہ اعمال نامے مراد لیتے ہیں۔ دوسری آیت میں آیا ہے وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ مقبول
کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں اور مردود کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ اس کو پڑھو۔

toobaafoundation.com

وَجِاۗیْءَ بِالنَّبِیّٖنَ پھر شہادت کے لیے انبیاء کو بلایا جائے گا تاکہ وہ اپنی اپنی اُمت کے مقابلے میں پیام الٰہی پہنچانے کی شہادت دیں (بقول ابن عباس) انبیاء اظہار کریں گے کہ ہم نے فرض رسالت ادا کر دیا اور لوگوں کو پیام پہنچا دیا لیکن ہر امت کا کافر گروہ انکار کرے گا اور کہے گا ہم کو احکام نہیں پہنچائے گئے تو اس وقت انبیاء کے قول کے ثبوت کے لئے

وَالشُّهَدَآءِ گواہوں کو طلب کیا جائے گا۔ انبیاء اپنی تصدیق کے لئے امت محمدیہ کو پیش کریں گے۔ آیت لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کا حضورؐ نے یہی مطلب بیان فرمایا تھا امت محمدیہ میں یہ عادل لوگ انبیاء کی طرف سے شہادت دیں گے ابن عباس نے فرمایا عادل سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسروں پر لعن طعن کرنے والے نہیں ہیں مختلف صحیح احادیث کا مفہوم بھی یہی ہے۔

ترمذی نے کہا شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو جہاد میں فی سبیل اللہ شہید ہوئے وہ شہادت دیں گے کہ جو لوگ دین الٰہی سے ظلم و شرک کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے ان سے کافروں نے جنگ کی اور ظلما ان کو شہید کیا سدی نے لفظ شہداء کے مفہوم کی جو تخصیص کی ہے آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اس پر استدلال کیا جاسکے انبیاء کی شہادت کے علاوہ خود منکروں کے ہاتھ پاؤں بھی ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ تکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم کا یہی مطلب ہے

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ تکمیل شہادت اور ثبوت کے بعد فیصلہ کا وقت آئے گا اور بغیر کسی پر ظلم کئے صحیح فیصلہ کر دیا جائے گا کسی کو بے جا سزا نہیں دی جائے گی

وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اور جس نے جو اور جتنا کام کیا ہے اس کو وہی یعنی اس کا بدلا پورا پورا دیا جائے گا۔ نیک ہو یا بد ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا پھل ملے گا

ایک شبہ ممکن تھا کوئی اس طرح شبہ کرتا کہ اس تفصیلی پیشی اور شہادت در شہادت کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔ کیا اعمالناموں کی پیشی اور ان کا ثبوت اور شہادت اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا کو اس طریقے کے بغیر صحیح علم نہ ہوگا اور صحیح معلومات حاصل ہونے کے بعد وہ فیصلہ کرے گا

ازالہ یہ ترتیب مقدمہ اس لئے نہ ہوگی کہ دنیوی حاکموں کی طرح بغیر پیشی کے اللہ کو لوگوں کے اعمال کا علم نہ تھا اور اعمالنامے سامنے لائے گئے تو زندگی کے کارناموں کا پتہ چلا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تو لوگوں کے کردار سے بخوبی واقف ہے اس نے خود دوسری جگہ فرمایا ہے۔۔۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِیْنَ بلکہ بقول قرطبی کا فروں پر جرم ثابت کرنے کے اور ہر عذر کی جڑ اکھاڑ دینے کے لئے ایسا کیا جائے گا۔ بہر حال مذکورہ بالا شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ:۔

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ. جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ یعنی ان درمیانی وسائل کی ضرورت اللہ کو نہیں براہ راست اللہ ہر ایک کے کردار کو جانتا ہے۔

مقصود بیان تذکرہ نفخ صور اللہ کی قوت قاہرہ اور قدرت باہرہ کے ظہور کا حامل ہے۔ اول نفخ صور کے نتیجہ سے ایک ہولناک منظر کی تصویر کشی اور دوسرے نفخ سے حیرت آفرین اعجوبہ انگیز نتیجہ کی رونمائی ہو رہی ہے اور یقینی الوقوع مستقبل کی تعبیر ماضی کے لباس میں بتا رہی ہے کہ قیامت کا قیام صرف کلامی نہیں بلکہ واقعی ہوگا۔ یہ تذکرہ برائے تذکرہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

اشراق ارض کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ ظلم ایک اندھیرا ہے جو قیامت کے دن ظلمت کی شکل میں نمودار ہوگا اور عدل ایک روشنی ہے جس کو نور الٰہی کہا جاسکتا ہے بالحق سے مترشح ہو رہا ہے کہ اللہ کا تعلق تمام انسانوں سے برابر ہے۔ اس کے فیصلہ میں کسی مخلوقانہ جذبہ کو دخل نہیں۔ انبیاء اور اہل شہادت کی پیشی کا تذکرہ ظاہر کر رہا ہے کہ باز پرس انبیاء سے بھی ہوگی فرض نبوت کو ادا کرنے نہ کرنے کی حساب فہمی ضرور ہوگی اور صرف انبیاء کا دعوی بلا دلیل نہیں مان لیا جائے گا بلکہ ان سے بھی شہادت طلب کی جائے گی۔ اس سے مترشح ہوا کہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو بغیر شہادت کے اس کے کسی دعویٰ پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا طلب شہادت اس سے بھی ضروری ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مقدمات کی پیشی کے وقت حاکم کو اپنے نائب کی

toobaafoundation.com

جنبہ داری نہ کرنی چاہیے بلکہ عام لوگوں کی طرح اس سے بھی شہادت مانگی جائے۔ قیامت کے دن نظام عدالت کی جس ڈھنگ سے ترتیب ہوگی اس کا تفصیلی ذکر تعلیم دے رہا ہے کہ مدعا علیہ اور ملزم کو اپنی بے قصوری اور برأت کا پورا موقع دیا جائے خواہ وہ ملزم کتنی ہی بڑی عظیم الشان ہستی کا ہو۔ یہاں تک کہ بادشاہ کا حامی ہو اور جرم بغاوت اس پر قائم ہو تب بھی اس کو صفائی پیش کرنے کا حق ہے وغیرہ۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ

اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جاویں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو (اس وقت) اس کے دروازے کھول دیئے

لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ

جاویں گے اور اُن سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت کے) کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور

لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا (پھر ان سے) کہا جاویگا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے)

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝

کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے

تفسیر جج صاحب اپنے بیٹے کو برسوں قانون پڑھاتے ہیں نالائق لڑکا نہیں پڑھتا طبیعت آوارہ صحبت خراب آخر تک جاہل ہی رہتا ہے جج صاحب کے گھر کا بیش خدمت لڑکا اپنے آقا زادے کو پڑھتا دیکھ کر باتوں ہی باتوں میں پڑھ جاتا ہے سب کچھ سیکھ جاتا ہے۔ آقا زادہ آوارگی اور قانون شکنی کی وجہ سے جیل خانہ میں پہنچ جاتا ہے۔ خدمت گار بچہ پڑھ لکھ کر قابل بن کر قوم کا لیڈر یا کچہری کا مجسٹریٹ یا حکومت کا وزیر بن جاتا ہے۔ اللہ نے اپنے نمائندے بھیجے نمائندے بھی اجنبی نہ تھے۔ دوسری مخلوق میں سے نہ تھے۔ انسانوں کی طرح انسان تھے۔ آدمیوں کی شکل کھاتے پیتے چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے تھے۔ کسی آدمی کے بیٹے بھی تھے اور کسی کے باپ بھی۔ ہم نے ان کو خوب پرکھ لیا۔ وہ کسی طرح ہماری آدمیت سے جُدا نہ تھے۔ انھوں نے ہم سے کہا تھا۔ تمہارا ایک رب ہے مہربان وہی روزی دیتا ہے، بیمار کو تندرست بناتا ہے۔ پیاسے کی پیاس پانی سے بجھاتا ہے اور بھوکے کی بھوک روٹی سے دفع کرتا ہے۔ وہی سورج چمکاتا اٹھاتا گراتا پھر نیچے کو جھکاتا اور گراتا چھپاتا ہے۔ وہی چاند تاروں کو جگمگاتا اور سجاتا ہے۔ وہی پھول کھلاتا پھل اور غلہ کو پکاتا اور تم کو کھلاتا ہے وہ ہر طرح تمہارا رب اور تم پر مہربان ہے۔ اس نے ہم کو اپنے احکام دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری زندگی کے لئے دستور العمل عنایت کیا ہے۔ اس دستور کو پڑھو سیکھو جانو مانو اور اس پر چلو۔ حساب کتاب کا ایک دن آئے گا۔ قیامت ضرور ہوگی اس روز تمہاری زندگیوں کے تمام اعمال کے فیصلے ہوں گے۔ جنت یا دوزخ میں جانا پڑے گا۔ قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا۔ کوئی سفارشی نہ ہوگا۔ کوئی سزا سے بچانے والا نہ ہوگا۔ کوئی رعایت کرنے والا نہ ہوگا۔ قانون کی پابندی کرو توڑو گے تو جیل خانے جاؤ گے اور پھر کبھی نہ چھوٹو گے۔ ہم نے انبیا کی تقریر سنی مطلب سمجھا کسی نے مان لیا زندگی کو سنوار لیا۔ لیکن بہتوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ ان کو نادان پاگل بتایا۔ معجزات کا مقابلہ نہ کر سکے اور چمکتے سورج کا انکار کرنے لگے۔ قرآن کو جادوگر کہا اور جھٹلایا۔ زندگی کے کسی رُخ میں روشنی نہیں پیدا کی ہر بُت کو کالا ہی رکھا آخر پکڑے ہی گئے۔ بدمعاشی میں چالان کیا گیا عدالت سے سزا ہوئی جیل خانے بھیج دیا گیا جیلر اور نائب جیلر نے سوال کیا کیا تم کو کسی نے قانون زندگی نہیں بتایا تھا کیا قانون شکنی کی سزا تم کو معلوم نہ تھی کیا تمہارے کسی بھائی برادر نے نہیں اطلاع دی تھی کہ سزا جزا کا بھی ایک دن ضرور آئے گا اور زندگی کے ہر کرتوت کا حساب فہمی کے بعد بدلا بھی ملے گا۔ کافروں کے پاس

toobaafoundation.com

اس کا جواب ہی کیا ہو سکتا تھا عجیب کہنے لگے یہ تو سب کچھ ہوا مگر مقدر کی کھوٹ تھی ہم تو دستورِ زندگی کو ماننے سے انکار نہ کرتے مگر کیا کہیں قانون
نہ ماننے والوں کو سزا دینے کا فیصلہ تو قانون سنانے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حاکم اور سب سے بڑے حاکم کی بات غلط کیسے ہوتی اس کو تو پورا ہونا ہی تھا۔
بدمعاشوں کو سزا ملنی ضروری تھی سزا کا ملنا یقینی تھا اس لئے بدمعاشوں کا ہونا بھی ضروری تھا۔ جج صاحب کی تعلیم اپنے بیٹے کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔
قانون اٹل ہے جیل خانے کا پُر ہونا لازم ہے اور نیک لوگوں کو اس میں بھرا بھی نہیں جاسکتا۔ اس لئے بدمعاشوں کا ہونا اور جیل میں بھر جانا بھی لازم ہے۔

تحلیلِ اجزاء

وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا۔ سوق کے معنی ہیں جانوروں کو پیچھے ہنکانا۔ یہ لفظ توہین آمیز ہے۔ گویا
کافروں کو جانوروں کی طرح ہنکایا جائے گا۔ اپنی خوشی سے جہنم کی طرف نہیں جائیں گے۔ ابن کثیر نے اس آیت کی تشریح
میں لکھا ہے کہ کافروں کو سختی گھُڑکی اور جھڑکی کے ساتھ جہنم کی طرف راندا جائے گا۔ دوسری آیت میں آیا ہے۔ یوم یدعون الی جھنم دعا الخ
اس وقت جہنمی پیاسے بھی ہوں گے۔ آیت میں وارد ہے۔ ونسوق المجرمین الی جھنم وردا الخ اور وہ اندھے بہرے اور گونگے بھی ہوں گے اور
بہتوں کو منہ کے بل چلایا جائے گا۔ آیت میں آیا ہے۔ ونحشرھم یوم القیمۃ علی وجوھھم عمیا وبکما وصما ماوٰھم جھنم الخ
پھر کافروں میں سینکڑوں گروہ ہوں گے کچھ منافق ہوں گے۔ کچھ کھلے ہوئے منکر۔ منکروں میں کچھ بت پرست کچھ ستارہ پرست، کچھ دیوتا پرست، کچھ آدمی
پرست پھر ہر ایک گروہ در گروہ ہوں گے اور اپنے اپنے کفر موجب عذاب کی شدت درجہ وار برداشت کریں گے اس لئے زمرا فرمایا۔

حتی اذا جاءوھا فتحت ابوابھا۔ جونہی جہنم پر پہنچیں گے فوراً دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جہنم کیا ہے، کیسا ہے، کہاں ہے
اس کے دروازے کیسے اور کس چیز کے اور کتنے بڑے ہیں۔ کوئی نہیں بتا سکتا الفاظ معلوم ہیں معانی کی کیفیت مجہول۔ بہرحال جہنم ایک جیل خانہ ہے
ایک عذاب گھر ہے۔ اسی کے مناسب اس کے دروازے بھی ہیں۔ اس کے اندر ہر قسم کا دکھ ہوگا۔ بس اتنا ایمان ضروری ہے۔ حقیقت کی تشریح
ناممکن ہے مابعد الطبیعات یا مافوق الطبیعات تک طبیعت یا عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان چیزوں کی جتنی تفصیل قرآن و حدیث میں آئی ہے،
اس پر عقل سے بالا تر تقلیدی ایمان ضروری ہے اور زیادہ غور موجب ضلالت۔

وقال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم۔ جہنم کے خدام اور نگران جن کے سردار کا نام مالک ہوگا کافروں سے دریافت کریں گے
کہ کیا اللہ کے پیامبر تمہارے پاس نہیں پہنچے تھے جو تم ہی میں سے تھے۔ تم میں سے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے ہم نسب یا ہم وطن یا ہم زبان تھے
بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری طرح انسان تھے فرشتے نہ تھے۔ کسی دوسری نوع کے نہ تھے کہ ان کی بات سمجھنے اور ماننے میں تمہیں دشواری ہوتی یا اُن کی ہیبت
سے تمہاری زبانیں گنگ اور سوچنے سمجھنے کے قوتیں مختل ہو جاتیں اور تم اُن سے مانوس نہ ہو سکتے جب اجنبیت نہ تھی تو پھر تم نے ان کی بات کیوں
نہیں مانی۔ محافظین جہنم کا یہ قول استفہامی نہیں سوال کرنا مقصود نہیں۔ توبیخی ہے زجر مقصود ہے۔

یتلون علیکم ایٰت ربکم۔ یعنی کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ تمہارا ایک رب ہے جو ظاہر باطن تمہاری پرورش کرتا ہے اور ربوبیت کا تقاضا
تھا کہ رب کے احکام تمہارے پاس بھیجے جاتے تو کیا پیغمبروں نے (خود ساختہ اور ذاتی تراشیدہ نہیں بلکہ) تمہارے رب کے کھلے ہوئے احکام تم کو
پڑھ کر نہیں سنائے۔

وینذرونکم لقاء یومکم ھذا۔ اور کیا تم کو نہیں ڈرایا کہ قیامت کا دن پیش آنے والا ہے یعنی ایک دن ضرور آئے گا جس میں
اچھے بُرے کی جزا سزا ملے گی۔

قالوا بلی ولکن حقت کلمۃ العذاب علی الکٰفرین۔ اس آیت کا مطلب اہل تفسیر نے دو طرح سے لکھا ہے۔ (۱) کافروں نے جواب
میں اپنا عذر پیش کیا اور جہنم میں داخل ہونے کا اصل سبب خدا کے حکم اور اس کی مشیت کو قرار دیا اور کہنے لگے پیغمبر بھی آئے، احکام بھی لائے، ہم کو ہر
حکم بھی سنایا، قیامت سے بھی ڈرایا سب کچھ ہوا لیکن اللہ نے پہلے سے طے کر دیا تھا کہ جہنم کو بھرا جائے گا اور اس میں کافروں کو بھیجا جائے گا۔ اللہ کی یہ
بات تو ضرور پوری ہونی ہی تھی ہو گئی ہم نے کفر کیا جیسے اگر سمجھتے تو کفر نہ کرتے لیکن سنتے سمجھتے کس طرح جب دوزخ میں بھیجا جانا ہی تھا تو کفر کرنا بھی ضرور تھا
تھا۔ پس اللہ کی بات پوری ہو گئی

toobaafoundation.com

(۲) کافر جواب دیں گے انبیاء آئے احکام لائے ہم کو سب کچھ بتایا سنایا سمجھایا ڈرایا لیکن ہم نے نہ مانا اور نہ ماننے والوں کی سزا اللہ نے جہنم مقرر کر رکھی تھی اس لئے ہم جہنم میں بھیج دیئے گئے۔ یہ مطلب صاف سلجھا ہوا ہے اول مطلب اس لئے بھی مناسب نہیں کہ اس صورت میں کلمۃ العذاب سے کلمہ وعدہ عذاب مراد لینا پڑے گا جس کی صراحت آیت لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ میں کی گئی ہے یا ازلی نوشتہ مراد لیا جائے گا اور یہ دونوں بعید ہیں۔ وعدۂ عذاب کلمۃ العذاب نہیں۔ کلمۃ العذاب تو فیصلۂ عذاب ہے اور ازلی نوشتہ ایک مشیت الٰہیہ ہے جس کا اجراء کافروں کے کفر کے بعد ہوگا مشیت کو جواز کفر کی وجہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ واللہ اعلم۔

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ۔ اس آیت میں تین الفاظ غور طلب ہیں۔ (۱) قیل کا لفظ ہے جس کا فاعل مذکور نہیں ہے۔ حکم دینے والا تو بہرحال خدا ہوگا خطیب نے کہا کہ ملائکہ یا خازنِ جہنم اللہ کا یہ حکم ان کو سنائیں گے۔ ابن کثیر نے کہا کوئی فاعل مخصوص نہیں ہر دیکھنے والے کی زبان سے یہی نکلے گا۔ تمام مخلوق اس پر شاہد ہوگی بلکہ وہ خود بھی اپنے متعلق شہادت دیں گے کہ فیصلہ صحیح ہوا۔ یہی عدل ہے۔

(۲) خالدین۔ خلو دغیر منقطع مدت اور دوام کو کہتے ہیں۔ کبھی لمبی مدت کو بھی کہتے ہیں جس میں دوام اور عدم انقطاع کی شرط نہیں ہوتی۔ یہاں اول مراد ہے دوسری آیات اس کی تائید کرتی ہیں۔

(۳) المتکبرین۔ کفر کا باعث غرور خودرائی اور کبر نفس ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کافر کا متکبر ہونا ضروری ہے۔ اصولِ فقہ کا ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر کسی صفت سے کسی حکم کو متعلق کیا جائے تو وہ صفت اس حکم کی علت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر زید خالد سے کہے تم اپنے پیارے بھائی عمرو پر رحم کرو تو محبوب بھائی ہونا حکم رحم کی علت قرار پائے گا گویا زید کو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عمرو تمہارا پیارا بھائی ہے اور پیار کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس پر رحم کرو۔ آیت میں جہنمی ہونے کو متکبر ہونے پر مبنی کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے خواہ مخواہ ان کو دوامی جہنمی نہیں بنایا بلکہ ان کا تکبر اس کا باعث ہے۔

مقصود بیان

لفظ سیق سے کافروں کی توہین مترشح ہو رہی ہے۔ گویا کافر جانور ہوں گے جن کو ہنکایا جائے گا۔ زمرا کا لفظ بتا رہا ہے کہ کافروں کے مختلف گروہ ہوں گے گویا کفر کے درجات ہوں گے۔ ہر گروہ کا درجہ دوسرے گروہ سے الگ ہوگا۔ خزنتہا کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ دربان ہوں یا دوسری خدمت پر مامور سب پر لفظ خازن کا اطلاق صحیح ہے۔ گویا جہنم سے تعلق رکھنے والے چوکیدار نگران اور عذاب دینے والے اور مختلف دوزخیوں کو ان کے درجات میں تقسیم کرنے والے سب ہی خازن ہوں گے۔

رُسُلٌ کی تنوین بتا رہی ہے کہ کوئی خاص پیغمبر مراد نہیں۔ اللہ کی طرف سے احکام کو پہنچانا اور روزِ قیامت سے ڈرانا تمام پیغمبروں کا فرض مشترک ہے یعنی اللہ کے قوانین وضوابط کی انسانوں تک تبلیغ اور یومِ سزا جزا کی یقینی اطلاع پیغمبروں کے یہ دو فرض ہیں۔ باقی تعلیم انہی اصول کی شاخیں ہیں۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اس مغرور گروہ کو جو رسالت اور قوانینِ آسمانی کو غیر ضروری سمجھتا اور انسانی عقل کو حیاتِ انسانی کی اصلاح کے لئے کافی جانتا ہے

أَبْوَابَ جَهَنَّمَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے مقرر دروازے ہیں اور باضابطہ دروازوں سے ہی اندر داخلہ ہوگا۔ خَالِدِينَ کا لفظ دوام قیام پر دلالت کر رہا ہے اور مُتَكَبِّرِينَ کے لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کا اخروی عذاب خدا کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ رعونتِ نفس کی سزا ہے وغیرہ

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جاوینگے یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ○ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ

(پہلے سے) کھلے ہوئے ہونگے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے) اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزے میں رہے سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کیلئے داخل ہو جاؤ

toobaafoundation.com

الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ

اور داخل ہو کر کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں غرض نیک

أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

عمل کرنے والوں کا اچھا بدلا ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے اجلاس کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہونگے (اور) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہونگے

رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے

تفسیر عام قانون فطرت ہے اور تمام آسمانی کتابوں کی اجتماعی تعلیم ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا۔ یہاں جو کوئی کوشش کرے گا آخرت میں اس کا نتیجہ پائے گا۔ عمل اور اجر باہم وابستہ ہیں۔ طیب عمل طیب حیوٰۃ کا موجب ہے اور خبیث عمل سے زندگی ناپاک ہو جاتی ہے۔ ظاہر و باطن کی پاکیزگی سے نتیجہ کی پاکیزگی لازم ہے اور اس کی کثافت کو ساتھ لاتی ہے لیکن کردار اطوار اور رفتار کی پاکیزگی اور عقل و ہوش کی لطافت کا معیار کیا ہے۔ اس کے متعلق اللہ کی شریعت ہر زمانے میں بغیر کسی ژولیدگی کے صراحت کرتی چلی آئی ہے کہ نفسانی میلان کے سبب دنیوی لذائذ کی طرف جھکاؤ اور مادی منافع کو اصل مقصد زندگی بنا لینا ہر خباثت اور گندگی کی جڑ ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ ناقابل شک حقیقت ہے اور اللہ کی خوشنودی کو زندگی کے تمام اوقات میں اول ترین مقصد قرار دینا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا اور تمام ان چیزوں کو جو اس مقصد کے حصول سے مانع ہوں قربان کر دینا حقیقی طیب نفس اور طہارت حیوٰۃ ہے۔ رب کے ہاتھ میں ربوبیت عامہ جاننا اور اس احسان کے عوض اس کے احکام کو ماننا حسن عمل کی تحت ذی ہے۔ بڑی اور چھوٹی نیتوں کو چھوڑنا اور ادنی اعلی تعلیم پر چلنا اور امر و نہی کے تمام اصول پر زندگی کو کاربند بنانا اور اس سے اوپر اپنے فات کی ہر منفعت و مضرت کو من جانب اللہ سمجھتے ہوئے بکشادہ پیشانی خوشی خوشی اس کا استقبال کرنا ارتقاء حقیقی ہے۔ دنیا میں یہی تقویٰ پاکیزگی کا معیار ہے۔ خواہ دنیا والے اس کو پاکیزگی قرار دیں یا نہ دیں جن کی نظر آمر کی طرف ہوتی ہے امر پر غور و خوض ان کا شعار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی عقل کو افکار و اعمال کے حسن و قبح کو جانچنے کی میزان نہیں قرار دیتے۔ گندے تاریک حواس کے بندے صابن کو پسند کرتے ہیں اور روشن روح رکھنے والے مٹی پر تیمم کرنے کو موجب طہارت جانتے ہیں۔ فرق صرف معیار اور میزان کا ہے۔ کسی کی نظر میں انانیت اور خودی معیار ہے اور کوئی خدا کے احکام کو اشیاء کی صحت و بطلان کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ پس طیب نفسی کا مدار حسن عمل ہے اور حسن عمل کی بنیاد تقویٰ اور جذبہ اطاعت و بندگی کے زیر اثر زندگی کا بناؤ بگاڑ۔ پھر اسی تقویٰ اور جذبہ بندگی کے تفاوت سے حسن عمل میں تفاوت پیدا ہو جاتا ہے اور حسن عمل کے تفاوت سے نفس کی پاکیزگی میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اس طرح اہل تقویٰ کے مدارج و مراتب میں بلندی و پستی کا ہونا ضروری ہے اور فرق مراتب کے پیش نظر گروہ در گروہ ہو جانا لازم ہے۔ لیکن قیامت کے دن متقیوں کا کوئی گروہ بھی ہو، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، پست یا بالا طیب جزا ہر ایک کو ملے گی۔ جنت میں داخلہ کی اجازت ہر ایک کے لئے ہوگی۔ اپنے اپنے مرتبے کے موافق اپنی اپنی جگہ ہر شخص پہچان لے گا اور اپنے محدود رقبے میں جہاں چاہے گا آزادی سے بغیر خطرہ زوال کے ہمیشہ رہے گا اور ہر دکھ سے محفوظ رہے گا۔ یہی ہے وہ عدالت الٰہیہ جس کو عام قانون فطرت کہا جاتا ہے اور جس کی شہادت تمام آسمانی کتابیں دیتی چلی آئی ہیں اور جس کا اعتراف سبوحی حاملین عرش بھی کرتے ہیں اور قیامت کے دن ہر شخص کی زبان سے اس کا اعلان ہوگا۔

تحلیل اجزاء وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۔ اس آیت میں لفظ سیق توہین کے لئے نہیں ہے بلکہ اعزازی نقول ابن کثیر اس جگہ ہنکا کر لے جانے سے مراد ہے۔ متقیوں کی سواریوں کو ہنکانا گویا متقیوں کو سواریوں پر سوار کر کے جنت کو لے جائے جانے کا حکم ہوگا۔ زمر کی تشریح میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ اہل ایمان کے گروہ کے گروہ الگ الگ ہوں گے اور ہر گروہ میں وہی لوگ شامل ہوں گے جو

toobaafoundation.com

قریب المرتبہ ہوں گے۔ مثلاً انبیاء کے گروہ میں انبیاء، صدیقوں کے گروہ میں صدیق، شہیدوں کے گروہ میں شہید، مقربین کے ساتھ مقربین اور ابرار کے ساتھ ابرار وغیرہ۔ میرے خیال میں شیخ کی یہ تشریح مناسب نہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سب انبیاء سے پہلے حضور والا جنت میں داخل ہوں گے۔ اور حضورؐ کے ساتھ فقراء مہاجرین ہوں گے (یہ حدیث عنقریب مفصل آتی ہے) ظاہر ہے کہ مہاجرین انبیاء نہ تھے۔ پھر بجائے انبیاء کے حضورؐ کے ہم رکاب کیوں ہوں گے۔ ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوذرؓ اور ترمذی نے بروایت حضرت انسؓ لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا المرء مع من احب یعنی جس سے آدمی کو محبت ہوگی آخرت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔ صحابہؓ کو یہ الفاظ سن کر اتنی خوشی ہوئی کہ کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ یعنی وہ سمجھیں گے کہ جب محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوں گے اور ہم محب رسول ہیں اس لئے ضرور حضورؐ کے ساتھ ہوں گے۔ اس صورت میں ابن کثیر کی تشریح کس طرح صحیح ہو سکتی ہے اور کس طرح فرمان رسول مقبولؐ کے ہم مرتبہ یا قریب المرتبہ ہو سکتے ہیں۔

خطیب نے سراج المنیر میں لکھا ہے نفل نماز پڑھنے والوں کی جماعت علیحدہ ہوگی اور روزہ داروں کی علیحدہ اور صدقہ دینے والوں کی علیحدہ۔ اسی طرح دوسرے نیک اعمال والوں میں سے ہر ایک کا گروہ جدا جدا ہوگا۔ خطیب کے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے نمازیوں کو باب الصلوٰۃ سے، صدقہ والوں کو باب الصدقہ سے، روزہ داروں کو باب الریان سے بلایا جائے گا (یہ دعوت اعزازی ہوگی) اور صدیق اکبرؓ کو ہر دروازہ کی طرف سے دعوت دی جائے گی۔ الحدیث۔ (یہ حدیث لفظ ابواب کے ذیل میں مفصل آرہی ہے)

سب سے اوّل داخل ہونیوالا گروہ

سب سے پہلے جنت میں رسول اللہؐ داخل ہوں گے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا وہ میں ہوں گا (مسلم)۔ حضرت انسؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں کھلواؤں گا۔ خازن جنت پوچھے گا آپ کون ہیں میں جواب دوں گا محمد۔ دربان کہے گا بہت خوب مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔ (رواہ احمد باسناد صحیح و مسلم)

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جنت میں داخل ہونے والے سب سے پہلے گروہ کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے جنت میں ان کو نہ تھوک (تھوکنے کی ضرورت) ہوگی، نہ ناک کی رینٹ، نہ بول و براز۔ اس حدیث کے آخر میں ہے۔ ان میں باہم مخالفت اور بغض نہ ہوگا۔ اُن کے دل ایک ہوں گے۔ وہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کریں گے۔ (رواہ احمد والبخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ کی دوسری روایت میں آیا ہے۔ جنت میں اول نمبر پر داخل ہونے والا گروہ کے چہرے چودھویں کے چاند جیسے ہوں گے اور اُن سے متصل نمبر دوم پر داخل ہونے والے ایسے ہوں گے جیسے آسمان کا سب سے زیادہ روشن ستارہ۔ اس حدیث کے آخر میں آیا ہے۔ ان کے قد اونچائی میں ساٹھ ہاتھ ہوں گے۔ (رواہ ابویعلیٰ والبخاریؒ و مسلم) یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میری اُمت میں سے جنت میں جس گروہ کا داخلہ سب سے پہلے ہوگا وہ تعداد میں ستر ہزار ہوگا اور اس کے چہرے بدر کی طرح چمکتے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن اسدی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھے ان میں (شامل) کر دے۔ حضورؐ نے دعا کی الٰہی اس کو بھی انہیں میں (شامل) کر دے۔ اس کے بعد ایک انصاری نے کھڑے ہو کر یہی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے اس حدیث میں ایسے ستر ہزار کا بھی تذکرہ آیا ہے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن مسعود، حضرت رفاعہ جہنی، حضرت ام قیس بنت محصن سے نقل کیا ہے۔ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سہل بن سعد کی روایت اس طرح ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میری اُمت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ اس شان سے جنت میں جائیں گے کہ باہم ایک دوسرے کو پکڑے ہوں گے۔ اول سے آخر تک سب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان کے چہرے بدر کی طرح روشن ہوں گے (بخاری و مسلم)۔ حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے کہ حضور والا فرمارہے تھے کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت میں ستر ہزار کو داخل فرمائے گا اس شان سے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جن کا نہ حساب ہوگا نہ عذاب اور ان کے ساتھ میرے رب کے تین لپ بھرے ہوئے ہوں گے (رواہ ابوبکر بن عبدالولید بن مسلم)۔ عتبہ بن عبد السلمی سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے (طبرانی)۔ حضرت ثوبان اور حضرت ابوسعید انماری سے بھی اسی طرح مرفوع روایت ہے

toobaafoundation.com

حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا۔ جنت کے کتنے دروازے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی مندرجہ ذیل روایت میں اس کی کوئی تعین نہیں کی گئی۔ ابو ہریرہ کی روایت اس طرح ہے جس نے اللہ کی راہ میں اپنے مال میں سے ایک جوڑا صدقہ کیا اُس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے دروازے بہت ہیں نمازی کو باب الصلوٰۃ سے، خیرات کرنے والوں کو باب الصدقہ سے، مجاہدین کو باب الجہاد سے اور روزہ داروں کو باب الریان سے بلایا جائے گا ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یوں تو کسی کا زور نہیں جس دروازے سے بلوا لیا جائے لیکن کیا کوئی شخص ایسا بھی ہوگا جس کو سب دروازوں سے بلایا جائے۔ فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم اُن میں سے ہوگے۔ (رواہ احمد والبخاری ومسلم)

لیکن حضرت سہل بن سعد کی روایت میں آیا ہے حضورؐ نے فرمایا جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں ایک دروازہ کا نام باب الریان ہے اس دروازے سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو اہل صوم ہیں (بخاری ومسلم) غالباً اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ کے علاوہ نوافل میں سے جو لوگ جس خاص عبادت سے لگاؤ رکھتے ہیں اُسی کی مناسبت سے جنت میں دروازہ سے داخلہ ہوگا۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا تم میں جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح پورا وضو کرے پھر کہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تو اس کا مرتبہ یہ ہوگا کہ جنت کے آٹھوں دروازے اُس کے لئے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے (یعنی اجازت ہر دروازے سے جانے کی ہوگی۔ اگرچہ بطور اعزاز خاص خاص دروازوں سے اُس کو دعوت دی جائے گی) (رواہ مسلم) حضرت معاذ کا قول ہے مجھ سے حضورؐ نے فرمایا جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ ہے (رواہ الحسن بن عرفہ) یعنی توحید کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔

وسعت ابواب جنّت

حضرت ابو ہریرہؓ نے طویل حدیث شفاعت کے آخر میں بیان کیا کہ حضور اقدس نے فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جنت کے ہر دروازے کے دونوں بازوؤں کے درمیان اتنی وسعت ہے جتنی مکہ و ہجر کے درمیان۔ دوسری روایت میں آیا ہے جتنی مکہ و بصرہ کے درمیان (صحیحین)

حضرت عتبہ بن غزوان نے بیان کیا کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ باب جنت کے دونوں کیواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دونوں حدیثوں میں وسعت کی خاص پیمائش بتانی مقصود نہیں ہے بلکہ وسعت کی زیادتی دکھانی مقصود ہے جس طرح جنت کی وسعت کے متعلق آیت میں وارد ہے وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ اس میں بھی وسعت کی تصویر کشی مقصود ہے کوئی خاص وسعت مقرر کرنی غرض نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے بھی حضرت عتبہ کی روایت کی طرح ایک روایت منقول ہے (رواہ احمد) وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ ابن کثیر نے آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ مسلمان کے اقوال، اعمال اور تمام کوششیں پاکیزہ ہوتی ہیں، اس لئے اس کی جزاء بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ مسلمان کا ظاہر باطن اللہ کے اوامر و نواہی کی پابندی کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ ایمان اور عقیدۂ صحیحہ کے سبب باطن پاکیزہ ہوتا ہے اور دل نجاست کفر و شرک سے پاک ہوتا ہے اور تمام اعمال کی بنا حسن نیت پر ہوتی ہے۔ اُس کی ہر حرکت لوجہ اللہ ہوتی ہے۔ کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، کمائی کرنا، بیوی بچوں سے تعلقات دوستوں سے دوستی، دشمنوں سے دشمنی، اُٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا آرام اُٹھانا اور تکلیف پانا غرض زندگی اور موت صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ نفسانی اغراض کی نجاست آمیختہ نہیں ہوتی۔ حاصل یہ کہ نور ایمان سے اندرون اور اتباع شریعت سے بیرون پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے جنت کے نگران اُن کو خوش آمدید کہتے ہوئے ہر دُکھ سے بچاؤ اور ہر ظاہر و باطن کے عوض طیب جزا کی بشارت دیں گے۔

فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ اور اس شان سے داخل ہو کہ وہاں تمہارا قیام دوامی ہوگا۔ اور وہاں رہنے سے تم کبھی نہ اُکتاؤ گے۔ (ابن کثیر) مقصد یہ کہ جنت کی راحت سے کبھی دل برداشتہ نہیں ہوگا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ۔ اہل ایمان دنیا میں اللہ سے دعا کرتے تھے۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ یہ دعا ان کی قبول فرما لی گئی اور اللہ نے آپ سے پیغمبروں کی معرفت جو وعدہ فرمایا تھا جنت میں اس کو پورا کیا تو اس وقت اہل جنت نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

toobaafoundation.com

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۔ ابو العالیہ ابو صالح قتادہ سدی اور ابن زید نے کہا آیت میں الارض سے مراد ارضِ جنت ہے اور نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ اسی کا بیان ہے۔

وارث بنانے کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا کہ اللہ نے ہم کو مالک و مختار بنا دیا جنت میں جہاں چاہیں رہیں یعنی اپنے محدود حصہ میں۔ بعض دوسرے علماء نے وراثت کی تعبیر اختیار و تملیک سے نہیں کی بلکہ قائم مقام بنانا مراد لیا ہے۔ جب اللہ نے دوزخ جنت کی تخلیق کی اور آدمیوں کو بھی بنایا تو دونوں مقامات پر ہر ایک کافر و مومن کی جگہ بھی مقرر فرما دی۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنے مقررہ مکان کو پہچان لے گا۔ پھر جب کافر اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں اور مومن اپنے ایمان و عمل صالح کے سبب جنت میں داخل ہوگا تو کافر علاوہ اپنے مقررہ مکان کے اُس مقام کا دُکھ بھی برداشت کرے گا جو مومن کے لئے بصورت اختیارِ کفر جہنم میں مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح مومن جنت میں اپنی جگہ کے علاوہ اس مقام سے بھی تمتع اندوز ہو سکے گا جو کافر کے لئے بصورتِ ایمان جنت میں معین کر دیا گیا تھا۔ اس طرح مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث اور قائم مقام ہو جائے گا۔ آیت کا یہی مفہوم ہے۔

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۔ ابن کثیر نے اس جملہ کو اہلِ جنت کی حمد و ثنا کا تتمہ قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے ہمارے عمل کی قدر دانی فرمائی اور اپنا وعدہ پورا کیا اس کا شکر ہے۔ عمل کرنے والوں کے عمل کا اجر کیسا اچھا ہے۔ دوسرے علماء نے اس فقرے کو اللہ کا کلام قرار دیا ہے۔ حَيْثُ نَشَآءُ تک مومنوں کا کلام تھا۔ یہ اللہ کی طرف سے ریمارک ہے کہ ہم نے جو کچھ مومنوں کو دیا وہ ان کی نیکو کاری کا نتیجہ ہے کام کرنے والوں کی قدر دانی ہم بہت اچھی دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے یہاں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت علی کا ایک اثر نقل کیا ہے جو بہت طویل ہے جس میں مذکور ہے کہ جنت کے دروازوں کے باہر ایک درخت کے تنے کے نیچے سے دو چشمے بہتے دکھائی دیں گے۔ مومن ایک چشمہ میں نہائیں گے تو رحمت کی تازگی اور شادابی اُن پر آ جائے گی۔ پھر بدنی تغیرات نہ ہوں گے (یہاں تک کہ) سر کے بال پھر پراگندہ نہ ہوں گے۔ گویا عمدہ تیل بالوں میں پڑ جائے گا۔ دوسرے چشمہ کا پانی پئیں گے تو پیٹ کی کثافت اور غلاظت دور ہو جائے گی۔ (مطلب یہ کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے دنیوی جسمانی لوازم صاف کر دیئے جائیں گے اور جنت میں داخل ہونے اور رہنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس کے بعد جنت کے دروازوں پر ان کا استقبال ہوگا اور آیت میں جو کیفیت بیان کی ہے وہ پیش آئے گی۔

مقصودِ بیان

اتقوا ربھم کا لفظ ہر حُسنِ کردار اور اتباعِ شریعت کو شامل ہے۔ اس لفظ سے مترشح ہو رہا ہے کہ مومنوں کا ایمان اور صلاحِ عمل ہی جنت میں داخلہ کا سبب ہوگا۔ زمرا سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جنت کے مختلف گروہ ہوں گے اور تفاوتِ اعمال سے مدارج کا تفاوت ہوگا۔ سلام علیکم کا لفظ کثیر معنی کو جامع ہے یہ اس جگہ بطور دعا استعمال نہیں کیا گیا۔ دعا کا موقع نہیں بلکہ بطور بشارت کہا گیا ہے۔ ہر قسم کا بچاؤ اس کے اندر داخل ہے۔ تمام آلامِ دنیوی سے بچاؤ۔ دوزخ اور شدائدِ آخرت سے بچاؤ۔ خوفِ زوال سے بچاؤ۔ ظالم کے ظلم اور حاکم کے جبر سے بچاؤ۔ غرض ہر امرِ ناگوار سے بچاؤ مقصود ہے۔ طبتم کا لفظ بشارت بھی ہے اور سلامتی کی علت بھی ہے۔ بشارت اس طرح کہ ہر پاکیزہ جزاء اہلِ جنت کو ملے گی اور سلامتی کی علت کا اظہار اس طرح کہ عقائد و اعمال کی پاکیزگی حصولِ جنت کا سبب ثابت ہوئی اس لئے جنت کے نگرانوں نے کہا کہ چونکہ تم دنیا میں پاکیزہ تھے اور علمی و عملی پاکیزگی تمہارے اندر تھی اس لئے آج تم کو ہر دُکھ سے سلامتی دی گئی۔ خالدین کا لفظ بتا رہا ہے کہ اہلِ جنت جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کبھی کوئی ان کو نکلنے پر مجبور کرے گا نہ وہ خود ان نعمتوں سے دل برداشتہ ہو کر اور اُکتا کر تبدیلِ حالت کے خواستگار ہوں گے۔ صدقنا وعدہٗ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جنت کو کچھ دنیوی احوال یاد ہوں گے اور پیغمبروں نے اللہ کی طرف سے جس اُخروی کامیابی کا وعدہ کیا تھا وہ اُن کو یاد آ جائے گا اور کیفیت و حالت کی تبدیلی اس کثیف دنیا کی کچھ باتیں یاد رکھنے سے مانع نہ ہوگی۔ اور ثمنا الارض سے ثابت ہو رہا ہے کہ جنت میں زمین بھی ہوگی خواہ کیسی ہی ہو اور اس کی کیفیات کچھ ہی ہوں مگر ہوگی ضرور زمین۔ نعم اجر العاملین۔ اُس بے عمل انسان کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو تقدیر پر بھروسہ رکھتے ہوئے عمل کو غیر ضروری سمجھتا ہے۔ وغیرہ

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۔ آیات مذکورہ بالا کی تلاوت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مومنوں کو جنت میں اُن کے مقام پر اور کافروں کو جہنم میں اُن کی جگہ پہنچا دیا جائے گا اور جزا سزا کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اس آیت میں اللہ کی جبروتی شان اور رُعب جلال

toobaafoundation.com

ہیبت کا بیان فرمایا ہے جس کے سامنے جلیل القدر حاملین عرش بھی تعظیم و تقدیس تمجید و تحمید میں مشغول دکھائی دیں گے ملائکہ اگرچہ ہمیشہ تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں لیکن انسانوں کی آنکھوں پر حجاب ظلمت ہونے کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتے قیامت کے دن تاریکی دور ہو جائے گی اور اس عالم کی کثافت زائل ہو کر ہر آنکھ میں عالم آخرت کی لطافت پیدا ہو جائے گی اس لئے وہ سب کو تسبیح و تحمید میں مشغول دکھائی دیں گے اور عجیب پر شکوہ جلال آگیں جبروتی عظمت والا منظر ہوگا۔

ضروری تنبیہ

اگرچہ ملائکہ بے شمار ہیں اور ہو سکتا ہے کہ لاتعداد حاملان عرش اللہ کے بے کیف اور منزہ عن الجہت تخت کو پورے گھیرے ہوئے ہوں لیکن اس جگہ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ اس لئے فرمایا کہ شاید اس وقت انسانی بصر و بصیرت فرشتوں کے اس احاطۂ عرش کو جو جہت جسمانیت رنگ اور کیف سے منزہ ہے ہر طرف سے نہ گھیر سکے اور کوئی آنکھ عرش خداوندی کا احاطہ نہ کر سکے اس لئے وہ عرش کے کچھ فرشتے نظر آئیں گے اور باقی دکھائی نہ دیں گے۔

بعض اہل تفسیر نے یسبحون کا فاعل ملائکہ کو قرار نہیں دیا بلکہ مذکورہ بالا اہل جنت کو تسبیح پڑھنے والا قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ تمام مخلوق خواہ ناطق ہو یا غیر ناطق وہاں اللہ کی قدرت اور عدل کو دیکھ کر سب کی زبانوں پر حمد الٰہی جاری ہوگی اس لئے آیت میں قیل کا کوئی مخصوص فاعل ذکر نہیں فرمایا۔

بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ حمد کرنے والے مومن ہوں گے اور جنت میں ان کی آخری دعا بھی ہوگی جس طرح کہ دوسری آیت میں آیا ہے۔ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس سورت کا اول آخر ایک ہی ہے۔ آغاز بھی الحمد للہ سے کیا تھا اور خاتمہ بھی اسی حمد پر کیا۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے حضور اقدس نے سورہ زمر کو منبر پر تلاوت فرمایا تو منبر کو دوبارہ جنبش ہوئی۔ (کما فی الصحاح)

مقصود بیان

قیامت کے روز اللہ کی ہیبت جلالت اور پھر جبروت شان آنکھوں سے دکھائی دے گی اور حاملان عرش کی تسبیح و تحمید نظر آئے گی جس کی وجہ سے ہر شخص (بقول ابن کثیر موافق اور مخالف دونوں) اللہ کی حمد کریں گے حاملان عرش کی تحمید و تمجید کو ظاہر کرنے سے بقول شیخ ابو علی جوزجانی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مقام قرب بہت ہیبت ناک ہے اہل قرب ہر وقت ذات پاک کی تنزیہ اور تسبیح میں غرق رہتے ہیں اور نہ فقط ان کو تنزیہی استغراق ہوتا ہے بلکہ وہ استغراق اور تسبیح کو بھی اللہ کی نعمت سمجھتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ استغراق تنزیہی کے باوجود ان میں انانیت اور رعونت نہیں پیدا ہوتی اور اس عبادت سے وہ اللہ پر کوئی احسان نہیں رکھتے بلکہ تسبیح و عبادت کی توفیق کو اللہ کی طرف سے جانتے ہوئے وہ نعمت توفیق پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ مقام قرب اتنا پُر جبروت ہے کہ مقربان بارگاہ کو تسبیح و حمد میں مشغول دیکھ کر دیکھنے والے بھی بے ساختہ حمد کرنے لگتے ہیں وغیرہ۔

سورۂ مومن

یہ سورت پوری مکی ہے عطاء جابر اور عکرمہ کا یہی قول ہے کتاب اسباب النزول میں ہے کہ ابن عباس نے فرمایا سورہ حم کا المومن نزول مکہ میں ہوا سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ تمام حم (والی سورتوں) کا نزول مکہ میں ہوا حسن بصری سے مروی ہے کہ آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الآیۃ کو مکی ہونے سے مستثنیٰ کرنا چاہئے۔ کیونکہ نمازوں کا نزول مدینہ میں ہوا قتادہ اور (ایک روایت میں) ابن عباس سے مروی ہے کہ دو آیات مدینہ میں نازل ہوئیں یعنی إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ الآیۃ۔ اور اس کے بعد والی آیت سیوطی نے اتقان میں یہی لکھا ہے۔ اس سورت کا نام سورۃ الطول اور سورہ غافر بھی ہے۔ آیات کی تعداد بیاسی یا پچاسی ہے۔ کلمات ایک ہزار ایک سو ننانوے اور حروف چار ہزار نو سو ساٹھ ہیں

محمد بن نصر مروزی اور ابن مردویہ نے حضرت انس کی روایت بیان کی ہے کہ حضور فرماتے تھے آپ نے خود سنا۔ بجائے تورات کے اللہ نے مجھے سات حم مرحمت فرمائے (یعنی حم والی سات سورتیں) اور انجیل کی بجائے وہ آیتیں ہے کہ صاحب مئین تک (قرآن) عنایت کیا اور زبور کی جگہ طواسین

toobaafoundation.com

سے حوامیم تک (قرآن) عطا کیا اور فضیلت دی مجھے حوامیم اور مفصل (سورتیں) دی گئیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ ہر چیز کا مغز ہے اور قرآن کا مغز حم (والی سورتیں) ہیں۔ اتقان اور اسباب النزول میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا حوامیم (حم والی سورتیں) قرآن کی دیباج (یعنی رونق) ہیں۔

سعد بن ابراہیم نے فرمایا حوامیم (حم والی سورتیں) کو عرائس (دلہنیں) کہا جاتا تھا۔ (رواہ الواحدی)

خلیل بن مرہ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا حوامیم سات ہیں اور جہنم کے دروازے بھی سات ہیں۔ ہر حم جہنم کے (کسی) ایک دروازے پر پہنچ کر کہے گی الٰہی اس دروازے سے ایسے بندے کو داخل نہ کر جو مجھ پر ایمان رکھتا اور مجھے تلاوت کرتا تھا۔ (بیہقی فی الشعب) حضرت ابو درداءؓ دمشق میں مسجد بنا رہے تھے۔ کسی نے پوچھا آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ فرمایا آل حم کی وجہ بنا رہا ہوں۔ (رواہ ابو عبید) یعنی کفار سے حفاظت کے لئے آل حم کی برکت سے اس کو بنا رہا ہوں۔ چنانچہ آج تک کبھی دمشق پر کافروں کا قبضہ نہیں ہوا یہاں تک کہ تاتاری بھی دمشق کو فتح نہ کر سکے جبکہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

حضرت ابو مہلب بن ابی صفرہ نے فرمایا۔ مجھ سے ایک بزرگ نے خود حضور اقدسؐ سے سن کر بیان کیا۔ حضور فرما رہے تھے کہ آج رات اگر تم پر سب خون مارا جائے تو تم کہنا حم لا ینصرون (رواہ ابو داؤد و الترمذی) دوسری مفصل روایت میں آیا ہے کہ غزوۂ خندق میں جب دشمن کا زور ہو کر چڑھ آئے اور آخر ایک ماہ کے پڑاؤ کے بعد آندھی کی تباہ کاری کے سبب خوار ہو کر بھاگ پڑے تو اسی زمانے میں ایک روز حضور نے فرمایا تھا کہ اگر آج کی رات یہ کافر تم پر چھاپہ ماریں تو حم لا ینصرون کہنا۔

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تمہارا شعار جنگ حم لا ینصرون (کا نعرہ یا نشان یا دعا) ہونا چاہیے بزرگوں کا تجربہ یہی ہے کہ اہل مصیبت کے وقت حم لا ینصرون پڑھنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ

حم (اس کے معنی اللہ ہی معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا

التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس (سب کی) جانا ہے

تفسیر اللہ کی قہاریت اور عزت و غلبہ کے سامنے سارا جہان مقہور ہے۔ زمین و آسمان ستارے چاند سورج۔ آگ پانی ہوا مٹی تمام روشن اور تاریک مخلوق اس کے غلبۂ ملکیت اور عزت قدرت کے سامنے سرافگندہ ہے۔ کسی میں سرتابی کی مجال نہیں۔ لیکن یہ غلبۂ سلطنت اور قہر و عزت جابرانہ اور ظالمانہ نہیں جاہلانہ اکھڑپن اور احمقانہ تقاضا نہیں بلکہ سارے سنسار کی ہم آہنگی اور یک زبانی ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے جس سے واضح ثبوت مل رہا ہے اس امر کا کہ یہ سب غلبہ و اقتدار پُرحکمت، پُرمصلحت اور علم محیط کے زیر اثر ہے یہ یاد رکھو کہ عرش سے فرش تک کسی ادنیٰ اعلیٰ اور زیریں بالا کو کوئی وجہی حق خدا پر نہیں جس کی ادائیگی خدا پر لازم ہو۔ بلا ارادہ بغیر اختیار و قصد کے آگ کی گرمی پانی کی تری مٹی کے ثقل اور ہوا کی روانی کی طرح یا سورج چاند اور ستاروں کی روشنی کی مثل خدا کی یہ قہاریت اور سلطنت و عزت کی محسوس، نیم محسوس اور غیر محسوس شکل ہماری نگاہ عقل اور چشم ادراک

toobaafoundation.com

کے سامنے آتی ہے بلکہ اللہ صاحب فضل ہے مہربان ہے مالک احسان ہے بااختیار نوازش کنندہ اور ارادہ والا عزیز علیم ہے پس اس کی ہمہ گیر قدرت بھرا کل قہاریت پُرحکمت اور پر فوائد تخلیق و تنظیم کا ارادی اور اختیاری تقاضا ہے کہ انسانیت کو سدھارنے والے قوانین بھیجے اور قدم سے حدوث کی جانب یا عالم نور سے جہانِ مادّیت کی طرف یا بارگاہ معبودیت سے حاشیہ نشینان عبدیت کی سمت اپنے فرمان اُتارے۔ اس کے بعد جو کوئی اُن فرمانوں کو جان کر ماننے تک آنے کے لئے جائے اس کو تو بہرحال کامیابی ہوگی۔ لیکن جو نافرمان جاہل نہ جانتے اور نہ مانتے ہوں ان پر لازم ہے کہ اپنی سرتابی اور نافرمانی چھوڑ دیں اور سب کو چھوڑ کر اللہ کی طرف دوڑیں اللہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ چونکہ بڑا مہربان ہے اس لئے توبہ کے بعد توبہ سے پہلے کے تمام چھوٹے بڑے گناہ بھی چھپا دیتا ہے ڈھانک دیتا ہے ان کی بازپرس نہیں کرے گا اور محاسبہ کے لئے مغفور اور مستور گناہوں کو سامنے نہیں لائے گا۔ اس پر بھی اگر کوئی بدنصیب توبہ نہ کرے اور اللہ کی صفتِ عزت و فضل کو دیکھتے ہوئے بھی اس کی طرف سچے دل سے رجوع نہ کرے تو اُس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کی سزا سخت ہے وہ شدید العقاب ہے۔ بڑی مجرم کو اپنے کئے کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ زندگی اور اس کے تمام اعمال یونہی مٹ جائیں گے دوبارہ کبھی خدا سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ اس کے پاس جانا نہ ہوگا۔ یہاں جو دل چاہے کر لیا جائے۔ موت وقت پر آئے گی اور میرے پیچھے زندگی کی تمام بدکرداریاں بھی مر جائیں گی۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ اللہ کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہوگا۔ اُسی کے پاس سے تو سب آئے تھے اس لئے نقطۂ آغاز پر ہی سیرِ زندگی کا انجام ہوگا۔

تحلیلِ اجزاء

حٰمٓ بشیخ محلی اور سیوطی کے نزدیک ان حروف کا متشابہات میں سے شمار کرنا اولیٰ ہے جن کی حقیقی مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اہلِ تنقیح نے لکھا ہے کہ حقیقی مراد سے مایوسی لازم نہیں آتا کہ روشن دل علماء کو اصل مراد کی جانب کچھ اشارات کرنے سے بھی اللہ نے مایوس کر دیا اور تمام علماء مفہوم متشابہات کے ایمائی علم سے بھی بے بہرہ مغفول القلب اور مفلوک العقل بنا دیئے گئے۔ اسی لئے ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک حم اللہ کا اسم ہے۔ اس کی تائید ابن عباس کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو خطیب نے روایت کیا ہے کہ حم اللہ کا اسمِ اعظم ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ الر اور حم اور نون کا مجموعہ الرحمٰن ہے۔ بعض علماء نے حم کو سورت کا نام قرار دیا ہے۔ ایک رمز شناس کا کہنا ہے کہ حم کا مطلب ہے حُمَّ الامر یعنی اہلِ ایمان سے اللہ کی مدد اور کافروں سے اللہ کا عذاب قریب ہوگیا۔

تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ ۔ الکتاب سے مراد قرآن ہے جو آئندہ مرقوم یا مؤلف ہونے والا تھا۔ اس آیت کے نزول کے وقت جتنا قرآن نازل ہو چکا تھا اور آئندہ جتنا نازل ہونے والا تھا سب کو یہ لفظ شامل ہے۔ قرآن کی تنزیل نہ تنزیل جسمانی ہے نہ تنزیل مکانی بلکہ ایک تلطف روحانی اور انعام نورانی ہے۔ جو ایک روح امین اور رسول کریمؐ کی معرفت دوسرے صادق امین اور رسول کریمؐ کے قلب پر بے کیف و بے رنگ اور بے شکل فیضان کی شکل میں نمودار ہوا اور بارگاہِ الوہیت سے حاشیہ نشینان عبدیت کی جانب یعنی نورانیت سادہ سے کثافت بردوش مادہ پرستی نورانیت کی طرف اُتارا گیا۔

مِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی اس قرآن کا مصنف یا مؤلف نہ کوئی فرشتہ ہے نہ جن نہ آدمی نہ کوئی دوسری مخلوق بلکہ اللہ ہی نے اس کو بھیجا ہے اس لئے العزیز کہ اللہ عزیز ہے عزت تسلط غلبہ اقتدار سب کچھ اس کو حاصل ہے۔ ساری کائنات اس کے سامنے مقہور اور اس کے ہاتھ میں مقدور مغلوب اور حقیر و ذلیل ہے۔ کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ تکوینی ضابطہ کو نہیں توڑ سکتا ہے۔ اس کی بارگاہِ عزت کے سامنے فطرت خشکی کا برخود سر نہیں اٹھایا جا سکتا۔ پھر ارادی اصلاحیات اور انسانیت کو اختیاری سدھار دینے اور سنوارنے والے قوانین کون بنا سکتا ہے۔ آئین تکوین اس کا نافذ ہے تو ضابطۂ تشریع بھی اُسی کا جاری ہونا چاہیئے۔

الْعَلِيْمِ ۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ کی یہ غیر محدود اور غیر ممتد اور تمام زمانہ و زمانیات سے آزاد عزت (العزیز صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے جس کا مفہوم ہر زمانہ کو محیط ہے۔ صرف استقبال کے ساتھ مخصوص نہیں) اور ہمہ گیر اقتدار جاہلانہ احمقانہ یا محض اتفاقی غیر ارادی نہیں بلکہ اُس کا علم بھی محیط ہے وہ ہر چیز کو ہر وقت بلکہ وقت کو بھی جانتا ہے۔ اس کی عزت پُر حکمت ہے مصلحت سے لبریز ہے۔ بس اُس سے کون پوچھے کہ اپنی

toobaafoundation.com

صفت عزت کے سامنے سادے جہان کو مقہور بنایا ۔ خیر کے ساتھ شر کو بھی پیدا کیا اور جذبات فرمان پذیری کے دوش بدوش عواطف نافرمانی کی بھی تخمیر کی پھر خود ہی اصلاحی قوانین بھیجے اور نظم غیر ارادی کے ساتھ ساتھ نظم ارادی کو بھی آزاد نہیں چھوڑا ۔ اب جو مانتا ہے ماننے نہیں مانتا اور صرف جانتا پہچانتا اور تصدیق کرتا ہے تو اللہ عملی گناہوں کو چھپا دینے اور بخشنے والا ہے۔

غَافِرِ الذَّنۡبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ ۔ یہ لفظ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو شامل ہے لیکن معتزلہ کے نزدیک توبہ شرط ہے اور اشاعرہ گناہوں کی مغفرت کو توبہ پر موقوف نہیں قرار دیتے بلکہ اللہ اپنی رحمت سے ہر گناہ کو شرک کے علاوہ بغیر توبہ کے معاف کرنے والا ہے ۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا جس بندے نے (صدق دل سے) لاالٰہ الا اللہ کہا اس کے لئے اللہ غافر الذنب ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ آیت میں حصر اور استغراق کا کونسا لفظ ہے ۔ بنیادی غلطی یہ ہے کہ غافر الذنب اور قابل التوب کو دو غیر مربوط ٹکڑے قرار دیدیا گیا ہے ۔ واقع میں ایسا نہیں ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ توبہ کے معنی ہیں گناہوں اور نافرمانیوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف لوٹنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا سچائی کے ساتھ وعدہ کرنا ۔ گویا آئندہ زندگی کو فرمان پذیری کے ساتھ گزارنے کا وعدہ کرنا توبہ ہے لیکن توبہ سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ان کی سزا از روئے ضابطہ ضرور ملنی چاہیئے ۔ واقعاتِ ماضی کے نقوش صفحات ماضی سے کیسے مٹائے جا سکتے ہیں ۔ یہ تو قانونی عدل ہے لیکن خدا تعالیٰ غافر الذنب ہے اور قابل التوب بھی ہے ۔ یعنی اگر کوئی سچے دل سے آئندہ گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرے ۔ یہاں تک کہ شرک کو بھی ترک کردے تو اللہ اس کے وعدہ کو قبول کر لیتا ہے اور پچھلی زندگی کی سیاہی اس کی آئندہ زندگی کو تاریک نہیں بناتی بلکہ گزشتہ تمام گناہوں کو یہاں تک کہ شرک کو بھی بخش دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کا ماضی جیسا بھی ہو معاف کر دیا جاتا ہے ۔ لیکن اگر توبہ ہی نہ کرے اور نافرمانیوں پر جما رہے ۔ شدید العقاب اور سرکشی نہ کرنے کا وعدہ ہی نہ کرے ۔ تو پھر وہ سمجھ لے کہ اللہ کی سزا سخت ہے اس کو عذابِ سخت دیا جائے گا ۔ رہا توبہ کا قبول کرنا اور توبہ سے پہلے گناہوں کا توبہ کے بعد معاف کر دینا یہ قانون کے تقاضے کے تحت نہیں ہے ۔ سبب مسبب علت معلول عمل اور نتیجہ کا ضابطہ مغفرت ماضی اور قبول مستقبل پر مجبور نہیں کرتا بلکہ یہ خدا کی ذی الطول مہربانی ہے اس کا تفضل و احسان ہے کہ وہ اپنی رحمت سے معاف فرما دے۔

(نوٹ) بات صرف اتنی ہے کہ مختلف علمائے تابعین نے ذی الطول کے معنی کی تشریح مختلف الفاظ میں کی ہے ۔ حاصل تقریباً ایک ہی ہے ۔ ابن عباس نے فرمایا وسیع الکرم اور غنی مجاہد کا بھی یہی قول ہے ۔ یزید بن اصم نے کہا صاحب خیر کثیر عکرمہ نے کہا ۔ صاحب احسان قتادہ نے کہا صاحب نعمت و فضل ۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ۔ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہی نہیں ہے ۔ کوئی واجب الاتباع آقا ہی نہیں ۔ پھر سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ۔ کوئی بھی ایسا نہیں جس کی آخری حاضری اس کی عدالت میں نہ ہو ۔ ایسی صورت میں اگر اللہ اپنے خصوصی جرائم معاف نہ کرے اور خود مہربانی نہ فرمائے تو اس کو اور کون معاف کر سکتا ہے ۔ مجرم غلام کے جرائم اگر اس کا آقا معاف نہ کرے تو ہو سکتا ہے کہ غلام کہیں بھاگ جائے اور ہاتھ ہی نہ آئے ۔ یا کوئی دوسرا طاقتور آقا اپنی حمایت میں اس کو لے لے اور اصلی آقا کو دسترس نہ دے لیکن اللہ ایسا آقا نہیں بلکہ معبود ہے اللہ ہے اُس کی برابر کا تو کیا واقع میں کوئی دوسرا معبود ہی نہیں ہے اور نہ کوئی اس کی عدالت سے روپوش ہو سکتا ہے ۔ اس صورت میں اگر کوئی توبہ قبول اور خطاؤں کو معاف کر سکتا ہے تو وہ اللہ ہی ہے ۔ ابن کثیر اور خطیب نے لکھا ہے کہ ایک ایلچی بارگاہِ فاروقی میں آیا کرتا تھا ۔ آدمی مجاہد تھا ۔ اتفاق سے مدت تک ایک بار غیر حاضر رہا تو حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی لوگوں نے عرض کیا وہ شراب خواری میں پڑ گیا پیہم مخمور رہتا ہے ۔ آپ نے کاتب کو حکم دیا کہ اُس کو اس طرح خط لکھ دو ۔ من عمر (فلاں بن فلاں) سلام علیک اسمعک ان الحمد للہ لا الٰہ الا ہو ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۙ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ۔ خط دے کر ایلچی سے فرمایا ۔ خط اس وقت دینا جب وہ ہوش میں ہو ۔ پھر حاضرین سے فرمایا اُس کے لئے توبہ کی دعا کیا کرو ۔ غرض خلافت نامہ اس شخص کو پہنچا اور اُس نے پڑھا تو کہنے لگا اللہ نے مجھ سے مغفرت کا وعدہ فرمایا اور اپنے عذاب سے ڈرایا ہے ۔ بار بار آیت کو پڑھتا اور روتا رہا بالآخر توبہ کی اور شراب خواری چھوڑ دی ۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو فرمایا تم لوگ اسی طرح کیا کرو جب دیکھو کہ تمہارے کسی بھائی کا پاؤں پھسل رہا ہے تو اس کو سہارا دو اور سیدھا کرو اور اللہ سے اس کے لئے دعا کرو کہ خدا اُس کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے ۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان کے مددگار بن جاؤ ۔ (رواہ ابو نعیم)

toobaafoundation.com

ابوبکر بن عیاش نے کہا مجھ سے شیخ ابو اسحاق سبیعی نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ امیر المومنین میرے ہاتھ سے ایک قتل ہو گیا کیا میرے لئے بھی توبہ ہے۔ حضرت نے آیت حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الخ تلاوت فرمائی اور فرمایا اللہ کے بندے توبہ کر۔ نا اُمید مت ہو (رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر)۔

ثابت البنانی تابعی (حضرت انسؓ کے خاص شاگرد) کا بیان ہے کہ میں حضرت مصعب بن زبیر کے ساتھ علاقہ کوفہ میں تھا ایک روز ایک باغ میں دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور سورۂ حٰم المومن شروع کی جب لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ پر پہنچا تو اچانک دیکھتا کیا ہوں کہ میرے پیچھے کوئی شخص یمنی حلہ پہنے سفید خچر پر سوار کھڑا کہہ رہا ہے جب تو غَافِرِ الذَّنْۢبِ کہے تو کہا کر اے غافر الذنب میرے گناہ بخش دے اور قَابِلِ التَّوْبِ پڑھے تو کہا کر کہ اے قابل التوب میری توبہ قبول فرما اور جب تو شدید العقاب پڑھے تو کہا کر کہ اے شدید العقاب مجھے عذاب نہ دینا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ تلاش میں باغ کے دروازے پر پہنچ کر لوگوں سے پوچھا۔ کسی نے یمنی حلہ پہنے کسی شخص کو جاتے دیکھا ہے۔ لیکن سب نے انکار کیا۔ لوگوں کا خیال تھا وہ الیاسؑ تھے۔ (رواہ ابن ابی حاتم باسناد حسن)

چند لطیف حقائق

شیخ سہل تستری نے تفسیری اشارات میں فرمایا۔ اللہ عزیز ہے مخلوق کے تصورات کی رسائی سے بالاتر۔ علیم ہے جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جس کے لئے جو اندازہ کیا اُس کے مبنی بر مصلحت ہونے سے خوب واقف ہے غافر الذنب ہے۔ جس کے گناہ چاہتا ہے چھپا لیتا ہے۔ قابل التوب ہے۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ علم سنت سے واقف ہو کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ قبول فرماتا ہے۔ ذی الطول ہے سب سے اور رب کی عبادت سے پاک اور بے نیاز ہے۔

بعض مشائخ نے کہا۔ گناہوں کا بخشنا اُس کا کرم ہے۔ توبہ قبول کرنا اس کا فضل ہے۔ عذاب دینا اس کا عدل ہے۔ الوہیت اس کے لئے ہے اور الیہ المصیر اس کے وعدے کی تصدیق ہے۔

ایک نورانی روح والے عالم کا قول ہے۔ گناہوں کی بخشش گناہگاروں کے لئے توبہ قبول کرنا مسلمان ہونے والوں کے لئے، شدید العقاب کافروں کے لئے اور ذی الطول نیکوں کے لئے۔ ایک دوسرے عارف نے کہا غافر الذنب سے ان موحدوں کو اُمید ہے جو گناہ پر اصرار کرتے ہیں اور قابل التوب ان لوگوں کے لئے جو پشیمان ہو کر گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور شدید العقاب ان منکروں کے لئے جو متکبر ہیں اور ذی الطول ان موحدوں کے لئے جو اہلِ عرفان ہیں۔ ایک تیسرے حقیقت شناس نے کہا شدید العقاب ہے نفسانی حجاب والوں کے لئے کہ اصل مرجع کی طرف نہیں لوٹتے اور ذی الطول ہے حجاب نفسانی دور کر دینے والوں کے لئے جو قرب کمال میں پہنچ کر کشفِ جمال کے وقت مشرف بہ ارادت ہوتے ہیں اور لا الٰہ الا ھو اُس کی ذات شرک و اضداد سے پاک ہے معاف کرنے اور عذاب دینے میں خود مختار ہے اور الیہ المصیر یعنی اس مغفرت و عذاب کی حکمت سے وہی واقف ہے اور ہر مصلحت کا اسی کی طرف رجوع ہے۔ فافہم۔

مقصود بیان

قرآن مجید اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ نہ کلامِ جن ہے نہ تالیفِ انس۔ اس کے قوانین اور ہدایات بھی من جانب اللہ ہیں: انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کی ممنون نہیں۔ اللہ چونکہ صاحبِ اقتدار غالب اور علیم کل ہے اس لئے قرآن بھیجنے کا اُس کو حق تھا۔ گناہگار کیسا ہی گناہگار ہو اللہ اُس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور گزشتہ تمام گناہوں کو بھی معاف کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ کسی ضابطہ کو جبہ کے زیر اثر نہیں بلکہ اُس کی مہربانی اور فضل کا یہی تقاضا ہے۔ شدید العقاب کا لفظ بتا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے تجویز کردہ سزا سخت ہوتی ہے۔ کل کائنات کی ہستی کے باہمی اختلاف اور ہر خیر و شر کا رجوع اللہ کی ذات یا اُسکی عدالت کی طرف ہے۔ وہی انجام کا آخری نقطہ ہے۔ وغیرہ

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ

اللہ تعالیٰ کی اُن آیتوں میں (یعنی قرآن میں) وہی لوگ (ناحق کے) جھگڑے نکالتے ہیں جو (اس کے) منکر ہیں سو اُن لوگوں کا شہروں میں (امن و امان سے) چلنا پھرنا آپکو

toobaafoundation.com

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ

انتہاء میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو اُن کے بعد ہوئے (جیسے عاد و ثمود وغیرہم نے دینِ حق کو) جھٹلایا تھا اور ہر امتوں میں سے جو لوگ ایمان لائے

وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۠ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ

تھے انہوں نے اپنے پیغمبر کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کر دیں سو میں نے (آخر) ان پر دار و گیر کی سو دیکھو میری طرف سے (ان کو) کیسی سزا

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

ہوئی اور اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت) میں دوزخی ہوں گے

تفسیر کسی بات کے حق و باطل ہونے کا معیار کیا ہے۔ سچ کو جھوٹ سے اور حقیقت کو حقیقت نما فریب سے ممتاز کرنے کی کیا صورت ہے۔ اس کے متعلق انسانوں کے دو مختلف الخیال گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اونچی کوٹھیاں سیم و زر کے انبار دیبا و حریر کی طغیانی، خدم و حشم کا ہجوم باد رفتار برق شعار سواریاں، مرغزار سبزہ زار تفریح گاہیں ثمر آور جھومتے باغ لہلہاتے کھیت غرض ہر راحت نعمت اور تن آسانی کے اسباب کی فراہمی، یہی معیار صداقت ہے نشانِ حقانیت ہے۔ عروج ترقی سیادت قیادت اور کوس لمن الملکی کی ہیبت ناک آواز حقیقت ہے۔ صادق اور حق ہے ناقابل انکار یقیناً سیادت طاقت راحت اور حکومت حق ہے۔ اس کے علاوہ ہر تعلیم باطل ہر پیام ہدایت ہیچ۔ ثمرات خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہیں تو درخت یقیناً صحیح الاصل اور صالح ہے۔ سینڈھ تھوہر اور آکھ کے درخت کو کون اچھا کہہ سکتا ہے۔ جس تعامل زندگی کا فوری نتیجہ خوش کن راحت آفریں عزت آگیں طرب افزا اور تمام جسمانی طاقتوں کی تشنگی دور کر کے پُر کیف سکون بخشنے والا ہے اس کی حقانیت میں کیا کلام کیا جا سکتا ہے۔ جس چیز کو آیت اللہ کہا جاتا ہے، ہدایت غیبی تصور کیا جاتا ہے اور تنزیل من اللہ مانا جاتا ہے اس میں ذلت نکبت فلاکت اور افلاس اور شکستگی حال و بال کے سوا اور کیا دھرا ہے۔ ایسی ہدایت کا دعویٰ کرنے والے اور ایسی بے مغز تعلیم کو پھیلانے کی خواہش رکھنے والے ذلیل ہیں فقیر ہیں حقیر ہیں، بدبخت اور باطل پرست ہیں ہم ہیں اللہ کے محبوب اور پیارے قدرت کے منظورِ چشم اور دُلارے۔ یہ ننگے بھوکے مصیبت کے مارے در در ٹھوکریں کھانے والے کیا انسانیت کو سدھاریں گے کیا معاشرت کو سنواریں گے۔ ان کو ذلیل کرو کوئی منھ بھی نہ لگاؤ، ستاؤ، مارو، مار کر نکال دو۔ پتھر مار کر لہولہان کر دو پھر بھی چپ نہ ہوں تو قتل کر دو۔

دوسرا گروہ کہتا ہے یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی ہر مصیبت اور راحت آنی جانی ہے۔ زلزلے کا ایک جھٹکا اونچی کوٹھیوں کو نیچے گرا دیتا ہے ایک رات میں چاندی سونے کے ڈھیر چوری ہو جاتے ہیں۔ ایک گرم ہوا لہلہاتے کھیتوں سرسبز مرغزاروں اور پھلدار شاداب باغوں کو اُجاڑ دیتی ہے۔ چند منٹ میں ممالکِ محروسہ میں بغاوت کی آگ بھڑک جاتی ہے۔ شاہی فوج خود شاہی اقتدار کو مٹا دیتی ہے۔ آخر ذلت آگیں تباہی آفریں موت آ جاتی ہے۔ آدمی تخت سے تختہ پر اور زریں کرسی سے آہنی دار پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ کیا عیش ہے بے حقیقت۔ کیا راحت و تنعم ہے بے اصل۔ کیا حکومت و اقتدار ہے زوال پذیر۔ اس پر پھولنا جھومنا اور مست ہونا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ یاد رکھو قانونِ الٰہی اٹل ہے۔ اس کا پیام زوال ہے۔ دنیا اور دنیا والوں کی پوجا ہلاکت آفریں ہے۔ تخلیق کو دیکھو، آثارِ تخلیق کو دیکھو۔ کہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں کسی قسم کی خامی تم کو نظر آتی ہے۔ پھر دیکھو غور سے، دیکھو ستاروں، سیاروں اور کائناتِ فضائیہ کی رفتار کو دیکھو۔ بہتے ہوئے دریاؤں اچھلتے آبشاروں زمین دوز فلک بوس پہاڑوں اور تند و نرم ہواؤں کو دیکھو۔ کسی جگہ بھی سیاہ نقطہ ہے کہیں بھی نقص ہے۔ ہوا میں اڑتے پرندوں زمین کے پیٹ میں رینگتے کیڑوں اور بیابانوں میں دوڑتے چوپایوں کو روزی کون دیتا ہے، کہاں سے دیتا ہے کیسے دیتا ہے۔ ابر میں ٹن پانی کون برساتا ہے۔ سبزہ کون اُگاتا ہے۔ بیج کون جماتا ہے۔ ان میں سے سوئی کون نکالتا ہے۔ پھر تنے پر اس کو کون کھڑا کرتا اور تھامتا روکتا ہے۔ پھر اس میں اَن گنت دانے کون ترتیب سے جمع کر

toobaafoundation.com

پیدا کرتا ہے ۔ بیماری کون بھیجتا ہے اور تن درستی کون دیتا ہے ۔ غرض ساری کائنات اور خواصِ کونیہ کس کے قبضہ میں ہیں ۔ کیا اس کے سامنے سر جھکانا بیوقوفی ہے ۔ اس کے فرمانوں کو ماننا جہالت ہے اور اس کے خلاف بغاوت کا جھنڈا اٹھانا دانش مندی ہے ۔ یہ دنیوی نیچ اونچ یہ جھوٹی عزت و ذلت ، یہ خود ساختہ حکومت و غلامی سب ضعیف البنیان بلکہ بے بنیاد ہے ۔ اس پر نہ پھولو ۔ حق اور اہلِ حق کی ایک آن اس کو خاکستر کر دے گی ۔ اللہ کی نشانیوں میں جھگڑا اس کے احکام کا انکار اور اس سے سرتابی نہ کرو ۔ ورنہ چند روز میں نخوت بھرا سر زمین پر آ جائے گا ۔ اس وقت خدا کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا ۔ اگر اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں شبہ ہو تو گزشتہ قوموں کے نتائج دیکھ لو ۔ اللہ نے ان کی سرکشی کی کیسی سزا دی ۔ اہلِ حق کو ذلیل سمجھ کر دکھ دینے والوں پر کیسی مار پڑی ۔ حق پرستوں کو مارنے کا ارادہ کرنے والے خود مارے گئے اور جہنم رسید ہوئے ۔

تحلیل اجزاء

مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ آیت کا تفسیری مطلب اور گزشتہ آیات سے ربط ظاہر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جدال کی تشریح کر دی جائے ۔ جدال اور مجادلہ کا لغوی معنی ہے ایک حریف کا دوسرے حریف کو پچھاڑنے کی کوشش کرنا ۔ لیکن اس جگہ خصوصاً اور علما کے محاورات میں عموماً جدال کے معنی مباحثہ اور مقابلہ کے آئے ہیں ۔ جدال بمعنی مباحثہ دو طرح ہوتا ہے ۔

(۱) خواہ مخواہ جھگڑنا ۔ خواہ جنگ برائے جنگ ہو یا محض نفسانی فوقیت اور جھوٹی شہرت اور ناجائز غلبہ حاصل کرنے کے لئے اور فریب دروغ اور ہٹ دھرمی یا کسی دوسری شیطانی تدبیر سے اہلِ حق کو شکست دینے کے لئے ۔

(۲) امرِ حق کو واضح کرنے ژولیدگی ، شبہات ، جہالت اور غوایت کو دور کرنے کے لئے ۔ اول الذکر کی ہر قسم حرام ہے ۔ مؤخر الذکر بعض صورتوں میں جائز اور بعض صورتوں میں واجب ہے ۔ یہی جہادِ علمی ہے ۔ اعلانِ حق ہے ، اعلائے کلمۃ اللہ ہے ، دینی تبلیغ ہے ، رشد و ہدایت ہے ، وعظ و تذکیر ہے ۔ قرآن مجید کے مشکل الفاظ اور معانی کو حل کرنے کی کوشش کرنا ، اس سے لطیف معانی نکالنا ، دوسرے علماء کے شبہات کو دور کرنا ، محکم اور متشابہ کو بیان کرنا استنباط فروع کے لئے اصول تفقہ قائم کرنا قیاس کے لئے کلام اللہ یا کلام الرسول میں وجوہ کی جستجو کرنا یا علل جامعہ کو استنباط کرنا یہ سب صورتیں جدال جائز مستحسن یا واجب کی ہیں ۔ جادلهم بالتي هي احسن ۔ ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن ۔ اور اسی قسم کے دوسرے فقرے قرآن میں موجود ہیں ۔ جن میں جدال احسن کا حکم دیا گیا ہے ۔ صحابہ کا رسول اللہ ﷺ سے مسائلِ دین کو دریافت کرنا اور شبہات سامنے رکھ کر حل کرنے کی کوشش کرنا استاذ سے شاگردوں کا اپنے اپنے دینی شبہات پیش کر کے ازالہ کی طلب کرنا استاذ کا جواب دینا پھر شاگردوں کا اعتراض کرنا اور دلائل کی روشنی میں استاذ کا فیصلہ کرنا ایک عالمِ حق کا دوسرے عالمِ حق سے مباحثِ دینیہ میں بحسن نیت اختلاف کرنا ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کے خلاف اجتہاد کرنا اور دلائل قائم کرنا ان میں سے ہر ایک جدال کا احسن طریقہ ہے جو بعض صورتوں میں وجوب کی حد تک پہنچ جاتا ہے ۔ اول جدال کی بنا محض اٹکل تخمینِ کاذب ، ضد ، وہم ، اغوا کی کوشش اور اسی طرح کے دوسرے لوازم جہالت پر ہوتی ہے اور دوسری قسم کے جدال کا مدار روشن دلائل واضح براہین بدیہی حقائق قوانینِ فطرت اور ضوابطِ عقل پر ہوتا ہے حضرت نوح بھی اپنی قوم سے جدال کیا تھا اور ان کی قوم نے ان سے کہا تھا یا نوح قد جادلتنا الخ ۔ لیکن اسی جدال کی بنا نبوت کی پیش کردہ روشن دلائل اور واضح حقائق پر تھی اور اس کے مقابل قوم کے جدال کی بنا محض جہالت ہٹ اور عداوت پر تھی ۔ نمرود اور حضرت ابراہیمؑ کا مناظرہ بھی اسی قسم کا تھا ۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک کھلی ہوئی حقیقت بیان کی تھی ۔ اور فرمایا تھا ۔ ربی الذی یحیی و یمیت یعنی سانس ڈالنے اور نکالنے کا کام خدا کا ہے ۔ یہ کتنی واضح حقیقت تھی ۔ لیکن ضدی جاہل نے اپنی ضد کا مظاہرہ اور ایک واجب القتل قیدی کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو قتل کرا دیا ۔ یہ کتنی بے تکی بات تھی ۔ کہاں سانس نکالنا اور ڈالنا اور کہاں آلاتِ جارحہ سے مارنا ۔ یہ جہالت اور ہٹ دھرمی دیکھ کر حضرت نے جدال کا رخ بدلا اور پہلی صورت سے زیادہ واضح صورت پیش کی اور فرمایا ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب اس وقت ایسی کھلی ہوئی نشانی دیکھ کر ہٹ دھرم مدعی الوہیت لاجواب ہو گیا ہکا بکا رہ گیا مگر دوسری قسم کی جہالتوں پر اتر آیا ۔

ایک ضروری تنبیہ :- ائمہ فقہ کا باہم جدال نمبر دوم میں داخل ہے جس کی بنا قرآن و حدیث پر یا قرآن و حدیث کی صراحت کردہ وجوہ جامعہ

toobaafoundation.com

پر یا ان ہی سے استنباط کردہ علل کلیہ پر ہے۔ یعنی ائمہ کے اجتہاد اور اختلاف کا مبنی خود رائی بے جا ہٹ دھرمی کی عادت حصولِ شہرت کی تمنا سیادت کی طلب اور قومی قیادت کی خواہش نہیں بلکہ اللہ کی مراد کلام اللہ کے مغز تک رسائی کی کوشش مدِ نظر ہے گویا چشمہ ایک ہی ہے سیراب ہونے کے گھاٹ الگ الگ ہیں۔ ایک نے صحیح ابن حبان کی قوی الاسناد حدیث پڑھ کر نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا حکم دیا۔ دوسرے نے حضرت علیؓ کے عمل کو دیکھ کر زیر ناف ہاتھ باندھنے کا فیصلہ کیا۔ یا کسی نے سود والی مشہور حدیث پر غور کر کے علتِ جامعہ جنس و قدر کے اتحاد کو قرار دیا اور دوسرے نے اسی حدیث کو دوسرے رخ سے دیکھ کر طعم و ثمنیت کو علتِ جامعہ مانا۔ خلاصہ یہ کہ اجتہادِ فقہی کا مدار صرف بے بنیاد اٹکل اور بے تکے تخمین پر نہیں بلکہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی روشنی سے اقتباس کی کوشش ہر مجتہد نے کی ہے۔ واجرھم علی اللہ۔

جدال کی تشریح کے بعد اب آیات کے معنی کی توضیح ضروری ہے۔ اللہ کی آیات کیا ہیں یہ طویل بحث ہے۔ یہاں آیات اللہ سے مراد قرآن اور نبوت اور توحید کی کھلی ہوئی دلائل ہیں۔ جب بدیہی طور پر کسی نشان کا آیت اللہ ہونا سامنے آجائے تو پھر اس سے سرتابی اور خواہ مخواہ کا جھگڑا کفر کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری وجہ نہیں ہوسکتی۔ اگر پہلے سے طے کر لیا جائے کہ حقیقت کتنی ہی کھلی ہوئی ہو ہم نہ مانیں گے تو ظاہر ہے کہ ایسا سنکر ہٹ دھرم ضدی اور متعصب ہوگا اور اس کے جھگڑے کا مدار اندرونی کفر ہی قرار پائے گا۔

گزشتہ آیت میں وضاحت کردی گئی تھی کہ اللہ ہمہ گیر اقتدار اور عمومی عزت کا مالک ہے اور محیطِ کل علم بھی رکھتا ہے۔ اس کے اقتدار اور غلبے کی بنا پُر حکمت علم پر ہے۔ تمام تکوینیات و تخلیقات سے یہ بات عیاں ہے کہ ساری کائنات مغلوب مقہور اور مسخر ہے۔ ایسی حالت میں اسی کی الوہیت کو حق تشریع بھی ہونا چاہیے۔ اسی لئے اپنی مہربانی سے اس نے قوانین مکتوبہ مفروضہ نازل فرمائے۔ اور انسانی زندگی کے لئے دستور العمل بھیجا۔ یہ حقیقت ایسی کھلی ہوئی تھی جس کا انکار کسی عقلی برہان یا نقلی دلیل سے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اب اگر کوئی خواہ مخواہ جھگڑا کرنا شروع کردے اور لاجواب ہوکر ادھر ادھر کی بکواس کرنے لگے۔ کبھی نورِ نبوت کو کثافت کہے۔ کبھی جادو کبھی شاعری۔ کبھی کسی انسان یا جن کی تعلیم کبھی جنون کا مظاہرہ تو اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں کہ اس شخص نے پہلے سے انکار کرنے کی ٹھان لی ہے اور طے کر لیا ہے کہ کچھ بھی ہو وہ کفر ہی کرے گا اور کسی طرح نہ ملنے گا۔ ایسی صورت میں یہ جدال طلبِ حقیقت کے لئے نہ ہوگا بلکہ مظاہرۂ کفر کے لئے۔ آیت کا یہی مطلب ہے۔

ایک وہم کا ازالہ

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا قرآن میں جدال کرنا کفر ہے۔ (رواہ ابو داؤد و عبد بن حمید) دوسری روایت میں ہے کہ قرآن میں مراء (خواہ مخواہ جھگڑا) کفر ہے۔ (رواہ ابو داؤد) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے۔ ایک روز اول ظہر میں خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا۔ حضور نے اس وقت دو آدمیوں کے جھگڑا کرنے کی آواز سنی جو مسجد کے اندر قرآن مجید کی کسی آیت میں اختلاف کر رہے تھے (فوراً) حضورؐ باہر تشریف لائے۔ چہرۂ مبارک پر غصہ کے آثار نمودار تھے۔ فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے برباد ہوئے کہ انھوں نے کتابِ الٰہی میں اختلاف کیا (رواہ مسلم) ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جدال اور اختلاف نہ کرنا چاہیے لیکن کس قسم کا اختلاف نہ کرنا چاہیے اس کی طرف موخر الذکر حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے جس میں گزشتہ قوموں کا سبب بربادی اختلاف فی کتاب اللہ کو قرار دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے اللہ کی کتاب میں کس قسم کا اختلاف کیا تھا جس کی وجہ سے ان کی بربادی ہوئی تو اس کو آیتِ قرآنی میں خود واضح فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم الخ۔ ایک اور آیت میں آیا ہے ان الذین اختلفوا فی الکتب لفی شقاق بعید۔ اب حقیقت سامنے آگئی کہ جس اختلاف کی بنیاد نفسانیت دوسرے پر غالب آنے کی خواہش اور جذبۂ بغض و عناد ہو اور جس سے انتہائی پھوٹ اور شیرازۂ اسلام کی پراگندگی پیدا ہوتی ہو۔ ایسا اختلاف موجبِ بربادی اور ممنوع ہے ورنہ طلبِ حق کے لئے تو اختلافِ امت رحمت ہے (کما فی الصحیح) مخالفت ممنوع ہے حسد اور بغی ناجائز ہے۔ اختلاف میں کوئی ہرج نہیں۔

فَلَا یَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ۔ خطیب کے قول پر تقلب سے مراد ہے تجارتی سفر مال و دولت اور فوجیں لے کر گھومنے پھرنا اور البلاد سے مراد ہے ملک شام و یمن۔ تخصیص غیر مخصوص کی وجہ ہمارے علم سے باہر ہے۔ اسی لئے ابن کثیر نے البلاد کو عموم پر رکھا اور تقلب سے ہر طرح کی سیر و

toobaafoundation.com

تفریح اور عیش و راحت میں گھومنا پھرنا مراد لیا ہے۔ بظاہر خطاب رسول اللہ کو ہے لیکن رسول اللہ تو کیا اونچے مرتبے والے صحابیوں کی ذات بھی اُس سے اونچی تھی کہ وہ کافروں کے اس چند روزہ عیش و تنعم اور آزادی و خوش حالی کو دیکھ کر فریب خوردہ ہو جاتے لیکن تمام مسلمانوں کا ایمان تو ایک طرح کا نہیں ہوتا۔ ہر ایک کے پاس نورِ روحانی وجدان اور نورانی عقل نہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ کافروں کی ظاہری آن بان دیکھ کر کوئی خیال کرنے لگے کہ اگر یہ باطل پرست ہوتے اور صداقت اُن کے ساتھ نہ ہوتی تو اللہ کی یہ نعمتیں ان کو کیوں ملتیں اور کس طرح روز افزوں عیش و راحت میں ہوتے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرما دیا کہ اس عیش و راحت میں آزادی کے ساتھ (ان کا گھومنا پھرنا تم کو فریب نہ دے) یعنی ان کی اس فراخ دستی اور مرفہ الحالی سے تم کو ان کی حقانیت و صداقت پرستی کا دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ میرے نزدیک سب سے بہتر یہ ہے کہ کوئی خاص مخاطب مراد نہ لیا جائے مومن ہو کافر ہو نیک ہو بد ہو کیسا ہی ہو ہر ایک کو ندائے عام ہے۔ ندائے عام سے مقصود اگرچہ منادی کو متوجہ کرنا ہوتا ہے لیکن ندائے غیر معین میں کبھی غیر منادی پر تعریض اور در پردہ اس کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے اور ندا کا رُخ عمومی ہوتا ہے۔ یہاں بھی اسی طرح ہے خطاب عام ہے لیکن در پردہ کافروں کو تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ تم کو اپنی خوش عیشی اور مال و دولت کو لئے لئے گھومتے پھرنے پر ریجھنا نہ چاہیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو حقیر سمجھ کر دکھ دینے کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ - ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس میں حضور اقدس کو تسلی دی گئی ہے کہ گزشتہ انبیاء کے ساتھ بھی اُن کی قوم کے کافروں کا برتاؤ یہی رہا ہے جو اُن کا آپ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ نوح کو ان کی قوم نے بھی جھوٹا قرار دیا۔ میرے نزدیک حضور والا کی تسلی کے علاوہ خیر و شر کے ایک عام ضابطے کا بھی بیان ہے اور جہاں رسول اللہ کی تسلی ہے وہاں کافروں کو وعید بھی ہے کہ خیر کی طاقت سے ٹکراؤ کا نتیجہ ابتداءً کیسا ہی نظر کش ہو انجام میں تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ - حزب اُس گروہ کو کہتے ہیں جن کا اجتماع کسی امرِ معین پر ہو۔ حضرت نوح کے بعد مختلف اُمتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کے خلاف محاذ بنا لیا تھا اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس کی ساری قوم نے اس کو مان لیا ہو اور محاذ بندی نہ کی ہو۔

وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ - جب حق کے مقابل میں آدمی محاذ بندی کرکے سامنے آتا ہے تو اول اپنی نظر میں دلائل کا مقابلہ دلائل سے کرتا ہے جس کی تہہ میں اس کی نفسانیت، حسد و فریب، زوالِ سیادت کا خوف، کبرِ نفس، کوتاہی نظر، تقلیدِ اسلاف، سوسائٹی اور سماج کا دستور غرض ہر جہالت کارفرما ہوتی ہے۔ یہ علمی مناظرہ نہیں ہوتا، حق کی طلب نہیں ہوتی، اہلِ حق کے پیام پر غور کرنا مقصود ہی نہیں ہوتا اپنے افکار و اعمال کی بُرائی سننی گوارا ہی نہیں ہوتی بلکہ ہر باطل طاقت کو کام میں لا کر حق کو شکست دینا اور صداقت کو مغلوب کرنا پیشِ نظر ہوتا ہے۔ مدت دراز کی اس کشمکش کے بعد بھی جب ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور چاند پر خاک ڈالنا کسی طرح ممکن نہیں ہوتا تو جاہلانہ دھمکیوں پر اُتر آتے ہیں۔ دکھ پہنچانے مارنے قید کرنے اور آخر قتل کرنے کی کوشش اُٹھا نہیں رکھتے۔ ہر امت کا سلوک اپنے پیغمبر سے ایسا ہی رہا ہے۔

قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ پکڑنے سے مراد ہے قتل کرنا عربی زبان میں۔ لِيَأْخُذُوا کا معنی لیهلکوا آتا ہے۔ دیکھو دوسری آیت میں آیا ہے۔ فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ۔ میں کہتا ہوں یہ بات تاریخ کی روشنی میں ثابت نہیں کہ ہر اُمت نے اپنے پیغمبر کو قتل کرنے کا ارادہ ضرور کیا ہو۔ نہ کسی حدیثِ رسول آیتِ قرآن قولِ صحابی یا صراحت تابعی میں اسی کا بیان آیا ہے۔ نہ کسی مشہور معتبر عالم نے کہیں لکھا ہے اس لئے تعمیم مناسب ہے یعنی ہر امت نے اپنے پیغمبر کو دکھ دینے یا قید کرنے یا مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔

آیات کا بیان ترتیبی نہیں نوٹ موخر الوقوع کو بیان اور ذکر میں مقدم کر دیا ہے۔ ترتیب واقعی اس طرح ہے کہ حق کو زیر کرنے اور کمزور بنانے کے لئے انہوں نے باطل کی طاقتوں کی مدد حاصل کی یا باطل کو حق کے مقابلہ پر لائے اور کامیابی نہ مل سکی تو پیغمبروں کو دکھ دینے یا گرفتار کر دینے کے درپے ہو گئے۔

فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ - یہاں اخذ سے مراد ہلاک کر دینا ہے۔ یعنی کافروں کی کوئی تدبیر سود مند نہیں ہوئی۔ انہوں نے ہر قسم کی

toobaafoundation.com

موا ذہبازی کی یہاں تک کہ قید و قتل کی کوشش سے بھی نہیں چوکے نتیجہ میں اللہ کی پکڑ میں آ گئے ۔ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا ۔ اس آیت میں لفظ استفہام سوالیہ نہیں بلکہ سزا کی ہولناکی ظاہر کرنے اور زجر و ملامت کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے ۔ ابن کثیر نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے حق کو زیر اور کمزور کرنے کے لئے باطل کی اطاعت کی اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ اس سے آزاد ہو گیا ۔ (رواہ الطبرانی بسند جید)

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۔ شیخ نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے جس طرح اللہ نے لکھ دیا ہے کہ اس کے رسول غالب رہتے ہیں اور کافر شکست کھا کر برباد ہوتے ہیں اور واقعات ہوئے بھی اسی طرح ہیں ۔ یونہی اللہ کا یہ فیصلہ بھی ٹھیک ہے کہ کافر دوزخی رہیں ۔ شیخ ابن کثیر نے مطلب کو کسی قدر پیچیدہ بنا دیا ہے ۔ ورنہ طرز بیان بالکل سادہ اور صاف ہے ۔ اللہ نے کافروں کے متعلق دو فیصلے فرمائے ہیں ۔ ایک دنیا میں اور دوسرا آخرت میں ۔ دنیوی فیصلہ یہ ہے کہ انبیاء کے لائے ہوئے دین حق کو کافر نہیں مٹا سکتے اور آخر کار خود تباہ ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ گزشتہ انبیاء کی اُمتوں نے ایسا ہی کیا اور ہلاک کر دی گئیں ۔ یہ دنیوی زندگی کا فیصلہ تھا ۔ اسی کی طرح اُخروی فیصلہ بھی ہے کہ کافر اپنے کفر کی وجہ سے دوامی جہنمی ہوں گے ۔ یہ بات بھی پوری ہو کر رہی ۔

مقصود بیان مایجادل الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا حکم معلوم ہونے کے بعد پھر اس میں جھگڑا کرنا اور حیلے بہانے یا ہٹ دھرمی کر کے اس کو نہ ماننا کفر کی علامت ہے ۔ اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے ۔ اس بر باطن گروہ کو جو خیر و شر کو جانچنے کی کسوٹی عقل کو قرار دیتے ہیں اور حکم منصوص کے مقابلے میں اپنی خود تراشیدہ روایت کو ترجیح دیتے ہیں ۔

فلا یغرر ذلک الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کا عیش اُن کی صداقت کی دلیل نہیں ہے ۔ اہل ایمان کو اس سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہیئے ۔

کذبت قبلھم الخ سے حق و باطل کے مقابلے کا ایک عام ضابطہ بیان کیا گیا ہے اور رسول پاک کی تسلی کے ساتھ در پردہ کافروں کو تباہی کی دھمکی دی گئی ہے ۔ وغیرہ

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

جو فرشتے کہ عرش (الٰہی) کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا

والوں کے لئے (اس طرح) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے سو اُن لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک

سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

کفر سے) توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستے پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے اے ہمارے پروردگار اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے اُن سے وعدہ کیا ہے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ

اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مومن) ہوں ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو

ع ۹ ۶ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (ع)

(قیامت کے دن) ہر طرح کی تکالیف سے بچائیے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچا لیں تو اس پر آپ نے (بہت) مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے

toobaafoundation.com

تفسیر

اللہ نے علمی ارادی کائنات کی تخمیر تین طرح سے کی ہے (۱) خالص خیر (۲) خالص شر (۳) خیر و شر کی مخلوط معجون۔

(۱) خالص خیر کی وہ طاقتیں ہیں جن سے کبھی دانستہ یا نادانستہ شر کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی پوری زندگیاں اور زندگیوں کے تمام ایام اور ایام کے تمام ساعات و لمحات خالص اطاعت گزاری اور فرمان پذیری میں گزرتے ہیں۔ خالص خیر کی طاقتوں کا نام ملائکہ ہے اور ملائکہ میں بھی مختلف مراتب و مدارج ہیں، متعلقہ خدمات ہیں۔ علوی اور سفلی کی تفریق ہے۔ ساری کائنات کا اندرونی نظم اور فرمانِ خداوندی کے موافق تمام چیزوں کو نوعی صنفی اور شخصی ضروریات کی تقسیم غرض اللہ کی خلاقیت اور ربوبیت کے کل تقاضوں کو پورا کرنا انہی کا کام ہے۔ ملائکہ ہی میں کچھ مخصوص افراد مختلف قسم کی عبادتوں میں غرق ہیں نظم کائنات سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ سب سے اونچے درجات والے وہ ملائکہ ہیں جو عرش اور ماحولِ عرش سے وابستہ ہیں۔ سبوحی، قدوسی اور کروبی ہیں اور ان سب سے اونچی شخصیت کا نام جبرئیل ہے۔ جو رسول کریم ہے امین ہے۔ عرش والے خدا کی بارگاہ میں اس کی بڑی عزت ہے۔

(۲) خالص شر وہ ہے جس سے کبھی دانستہ نادانستہ خیر کا صدور نہیں ہو سکتا۔ شر کی خالص طاقت کا نام شیطان ہے۔ شیطان کے بھی شیطنت کی کمی بیشی اور تنوع کے اعتبار سے مختلف طبقات اور مدارج ہیں اور سب کے سردار کا نام ابلیس ہے۔

(۳) تیسری مخلوق وہ ہے جس کے قوام میں خیر و شر دونوں داخل ہیں۔ کبھی کسی پہلو کو ترجیح اور غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی کسی کو۔ اس مخلوط قوام کا نام آدمی ہے۔

آدمی کی تقویم میں چونکہ نیکی اور بدی دونوں کو دخل ہے اور دونوں طرح کی طاقتیں اس کے اندر موجود ہیں۔ اس لئے کسی آدمی میں خیر کا غلبہ ہو جاتا ہے اور کسی میں شر کا۔ کوئی مومن بن جاتا ہے کوئی کافر، کوئی نیک کوئی بد، کوئی فرمان پذیر صالح، کوئی نافرمان طالح، کسی کا عاطفۂ ملکیت قوی ہوتا ہے کسی کا جذبۂ شیطنت۔ غرض اس کے اندر ہر وقت ایک جدال تصادم ٹکراؤ اور کشاکش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور اس تنازع میں جو طاقت غالب آتی ہے اس کی فتح ہو جاتی ہے اور آدمی اسی کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ کسی پر صبغۃ الخیر چڑھ جاتا ہے اور کسی پر صبغۃ الشر۔ اگر خیر کی طاقت قوی ہوتی ہے تو اس کا جھکاؤ ملکیت کی طرف ہو جاتا ہے اور خالص خیر والی کائنات سے اس کا خالص لگاؤ ہو جاتا ہے۔ خیر کی ہر کائناتی طاقت اس کی مددگار بن جاتی ہے۔ گویا دونوں میں اتحادِ مقصد کی وجہ سے خاص دوستی ہو جاتی ہے اور اندرونی طور پر ملکوتی دنیا اس کے لئے اللہ سے دعا استغفار اور درخواست رحمت بھی کرتی ہے اور ہر مکروہ مصیبت سے اس کو بچانے کی خواہشمند بھی ہوتی ہے۔ لیکن اگر شر کی طاقت بڑھ جاتی ہے تو ایسے آدمی کا میلان شیطنت کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس کے اذکار و اعمال پر شرارت غالب ہو جاتی ہے اور پھر خالص شر والی کائنات اس کی دوستی کا دم بھرتی ہے۔ طرح طرح سے شر کی جانب اس کو اُبھارتی ہے، بھڑکے رہتی ہے، اُکساتی ہے۔ اس کی رگوں کی خلاؤں میں اور دل کی تجویفوں میں خون کے ساتھ ساتھ دوران کرتی ہے اور ہر طرح سے سبز باغ دکھا کر اس کے دل میں شر کی محبت رچا دیتی ہے لیکن جب انسان شر پر آمادہ ہو کر عملی طور پر کفر کرنے لگتا ہے تو بے ایمان شر پرست اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور بیزاری کا اعلان کر دیتی ہے۔ نتیجہ میں فریب خوردہ انسان تباہ ہو جاتا ہے اور طلبگارِ خیر کامیاب۔

تحلیلِ اجزاء

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ۔ پچھلی آیات میں بیان فرمایا تھا کہ کافر اپنے کفر کی وجہ سے مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور آیات اللہ میں جھگڑا کرتے ہیں اور (بے مقدار مال و دولت لئے) ملک میں گھومے پھرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اُن کی اس عارضی راحت و شوکت سے فریب خوردہ نہ ہونا چاہیے۔ اس جگہ ظاہر فرمایا ہے ایسی عظیم الشان ہستیاں جو عرشِ الٰہی کی حامل ہیں اور وہ جلیل القدر افراد جو عرش کے گرداگرد ہیں یعنی حاملینِ عرش اور کروبی فرشتے مسلمانوں سے محبت رکھتے ہیں اور اُن کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اللہ سے اُن کے لئے استغفار کرتے ہیں اور نزولِ رحمت کی درخواست کرتے ہیں۔ ایسی مکرم معظم عالی مرتبہ رفیع القدر مقربانِ بارگاہ کی محبت کی موجودگی ان بے مقدار عاجز ذلیل کافروں کی دشمنی ناقابلِ توجہ ہے۔ حاملینِ عرش کیسے ہیں کتنے ہیں کس صورت اور جسامت اور طاقت کے حامل ہیں۔ عرش کیا ہے کیسا ہے۔ کیا خدا عرش پر موجود اور متمکن ہے کیا حاملینِ عرش اللہ کو دیکھتے ہیں۔ یہ تمام مباحث تفسیر آیات کے ذیل میں آئندہ آئیں گے۔ اس جگہ صرف حاملینِ عرش کے متعلق تشریح ہے۔ خطیب نے سراج میں بروایت شہر بن حوشب اور زمخشری نے کشاف میں بغیر صراحت قائل کچھ عجیب صراحتیں کی ہیں اور کسی روایت کا سلسلۂ اسناد کسی نے بیان نہیں کیا اس لئے ہم اُن پر اعتماد نہیں کر سکتے کیونکہ عالمِ ارواح اور فوق الطبیعات کا علم عقلی نہیں محض نقل پر مدار ہے اور نقل بلا سلسلہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ وضع

toobaafoundation.com

اور اہل ضعف اور قوتِ ضابط جرح و تعدیل پرکھنے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا اور جب اسناد کا سلسلہ ہی مفقود یا منقطع ہے تو پرکھنا کس طرح ممکن ہے امام رازی نے کبیر میں کشاف سے چند روایتیں نقل کی ہیں مگر جرح نہیں کی اور کشاف پر روایت کو محمول کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اُن کی صحت کے قائل نہیں۔ ہاں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں مسند امام احمد سے ایک حدیث غریب مع اسناد نقل کی ہے ہم بھی اس کو لکھتے ہیں۔ پھر ابوداؤد و ابن ماجہ اور ترمذی سے ایک حدیث نقل کریں گے اور دونوں میں جو ظاہری تعارض ہوتا ہے اس کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔ باللہ التوفیق احمد ح عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ ح عبدۃ بن سلیمان عن بن محمد بن اسحٰق عن یعقوب بن عتبۃ عن عکرمۃ عن ابن عباس اس روایت کا یہی سلسلہ ہے اور ابن کثیر نے اس روایت کو جید قرار دیا ہے۔ بہرحال ابن عباس نے فرمایا کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا امیہ بن ابی الصلت نے اپنے بعض اشعار میں کچھ سچ کہا ہے ؎

زحل وثور تحت رجل یمینہ والنسر للاخری ولیث مرصد

یعنی زحل اور ثور اللہ کے دائیں قدم کے نیچے ہیں اور نسر طائر اور لیث مرصد دوسرے قدم کے نیچے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا امیہ نے سچ کہا۔ ابن کثیر نے کہا۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الحال حاملان عرش چار فرشتے ہیں۔ دائیں جانب زحل اور ثور اور بائیں جانب نسر طائر اور رشید اور چاروں حاملانِ عرش کی شکلیں بھی انہی چار جانوروں کی طرح ہیں جن کا ذکر امیہ نے اپنے شعر میں کیا ہے، لیکن

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ چند آدمیوں کے ساتھ میں وادی مکہ میں تھا رسول اللہ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ اچانک بادل کا ایک ٹکڑا سامنے سے گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگ اس کو کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا سحاب۔ فرمایا اس کو مزن بھی کہتے ہیں لوگوں نے جواب دیا جی ہاں فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے جواب ملا نہیں۔ فرمایا اکہتر یا بہتر (شک از عادی) برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ اس کے اوپر آسمان ہے، اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک طویل مسافت ہے۔ آپ نے سات آسمان شمار فرمائے۔ پھر فرمایا ساتویں آسمان سے اوپر ایک بحر زخار ہے جس کے زیریں و بالائی حصوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔ پھر اس کے اوپر آٹھ اوعال (وعل کی جمع ہے جس کا معنی ہے پہاڑی بکرا) ہیں اور اوعال کی پشت پر عرش ہے اس کے بالائی و سفلی کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے، جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔ پھر اس سے بالاتر حق تعالیٰ ہے (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والترمذی وقال حدیث حسن غریب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے آٹھ (ملائکہ) ہیں جن کی شکل پہاڑی بکرے کی ہے۔ شہر بن حوشب نے بھی یہی کہا تھا کہ عرش اٹھانے والے آٹھ ملائکہ ہیں جن میں سے چار کہتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اور چار کہتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔

حضرت ابن عباس کی روایت مدنی ہے اور حضرت عباس کی وادی مکہ والی روایت کی ہے۔ اول میں حاملینِ عرش کی تعداد چار بتائی ہے جن کی شکلیں چار مختلف جانوروں کی ہیں اور دوسری میں تعداد آٹھ ظاہر کی ہے جن کی شکلیں بزکوہی کی طرح بیان کی ہیں، بعض لوگوں نے توفیق کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ فی الحال چار ہیں اور قیامت کے دن آٹھ ہو جائیں گے۔ ابن کثیر کا یہی قول ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار ملائکہ عرش کے پایوں کو تھامنے پر مامور ہیں۔ اور چار پہاڑی بکروں کی طرح اپنی پشت پر سقفِ عرش کو روکے ہوئے ہیں۔ میری رائے میں عالم غیب کے حالات کسی کو بھی معلوم نہیں ہیں۔ عقل نارسا ہے مادیات سے اوپر کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہے اور کیسا ہے ظن و تخمین کا وہاں دخل نہیں، مشاہدہ اور معائنہ کا امکان نہیں۔ صرف حامل وحی اور اہل کشف ہی کے ذریعے سے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن عالم ماوراء الشعور کا واقعی بیان انبیاء اور اہل مکاشفہ بھی کس طرح کریں۔ ہر زبان کے الفاظ واقعی حقائق کے بیان سے قاصر ہیں صرف تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں اظہار کیا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں عرش جلالی کیا ہے اور کیسا ہے۔ تو مجھ کو پیمائش کرنے کی اور اس کی حقیقی کیفیت بیان کرنے کا چونکہ امکان ہی نہیں اس لئے کہیں اس کو بے کیف، بے کون، بے شکل اور کہیں نورانی شکلوں کو پہاڑی بکروں سے تشبیہ دے کر کہا گیا، کہیں بیل کہا اور دوسرے جانوروں کے نام لئے۔ بادشاہ تخت پر ہی بیٹھ کر اپنے جلال حکومت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تخت کے چار چھ آٹھ پائے ہوتے ہیں اور سطح بھی ہوتی ہے۔ پایوں کی شکلیں مختلف جانوروں کی ہوتی ہیں یا مختلف اشکال کے مجسمے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں عرض

toobaafoundation.com

تخت شاہی کی یہی شکل ہوتی ہے۔ خدا جو مادی جلوہ گاہِ الوہیت کو جو محض نورانی ہے، جب عرش (تخت) سے تعبیر کیا تو تخت کے تمام لوازم و مناسبات کا بھی تذکرہ کر دیا تاکہ جلالِ الٰہی کا کچھ پرتو ذہنوں پر پڑ سکے اور عظمت و ہیبت کی کچھ تصویر کشی بولتے ہوئے الفاظ کے ذریعے سے ہو جائے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ایسی حقیقتوں پر زیادہ غور ہی نہ کیا جائے اور عقل کے لنگڑے لولے ٹٹو سے فلک پیمائی اور عرش نوردی کا دعویٰ ہی ترک کر دیا جائے۔ ہاں روایت پر زور دینے کی بجائے روایت کی چھان بین اور پرکھ خوب کی جائے اور سنت سے صحت شرائط کی کسوٹی پر جانچا جائے اگر سلسلۂ روایت میں کہیں ضعف تلبیس اور تدلیس نظر آئے تو فوراً پایۂ اعتبار سے گرا دیا جائے۔ تابعین کے دور سے لے کر چند صدیوں تک بہت سے مسلم نما غیر مسلموں نے (یہود عادت کا جامہ پہن کر حضور کی طرف بکثرت بے سروپا باتیں منسوب کی تھیں جن کو علماء برحق نے کاٹ چھانٹ کر کے علیحدہ پھینک دیا ہے اور دودھ میں سے پانی دور کر دیا ہے لہٰذا سلسلۂ روایت کی پرکھ بہت ضروری ہے۔

يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یعنی حاملینِ عرش اور حاضرین حول العرش اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں عزت حاصل ہونے کے دو ہی سبب ہیں۔ اول اللہ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف اور نقائص و عیوب سے تنزیہ کا اقرار۔ دوم اللہ کی فرماں بردار مخلوق سے محبت اور اس سے شفقت۔ بارگاہِ الٰہی کے مقرب سوی قدوسی اور کروبی فرشتے اللہ کے باعزت بندے ہیں اس لئے سب سے پہلے وہ اللہ کی تسبیح و تحمید کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ کے مومن بندوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

فقرۂ مذکورہ کے تین ٹکڑے ہیں تسبیح، تحمید اور رب اللہ کی صفات تین قسم کی ہیں۔

(۱) تنزیہی اور سلبی یعنی اللہ کا تمام نقائص و عیوب سے پاک ہونا۔ اس پر لفظ یسبحون دلالت کر رہا ہے۔ (۲) اللہ کی تمام ثبوتی کمالیہ یعنی تمام اچھے اوصاف کا خدا میں پایا جانا۔ یہ جامعیت ہی ہے جو اللہ کو محمود بنا رہی ہے۔ ہر حمد کا سزاوار خدا ہی ہے اور حمد خدا ہی کے لئے سزاوار ہے اس لئے کہ وہی صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ اس مفہوم کا اظہار ملائکہ کے لفظ بحمد سے ہو رہا ہے۔ (۳) اللہ کا ماسوی اللہ سے خصوصی تعلق خواہ اس طرح ہو کہ اللہ نے سب کو پیدا کیا یا اس طور پر ہو کہ وہی سب کی نگرانی رکھتا، سب پر حکومت کرتا اور سب کو رفتہ رفتہ مدارج ترقی طے کرا کے وقتِ خاص تک باقی رکھتا ہے۔ اس خصوصی وصف کو ربوبیت کہتے ہیں۔ اللہ نے ملائکہ کے متعلق جن احوال و اقوال کا اظہار فرمایا ہے ان میں اللہ کی تسبیح (تنزیہی صفات اقرار) تحمید (اللہ کی مثبت صفاتِ کمالیہ کا اقرار) اور ربوبیت (اللہ کی اس انعامی صفت کا اظہار جس کا تعلق خلق سے ہے) شامل ہے اور آیت مذکورہ میں تینوں معانی کو ظاہر کرنے والے تینوں الفاظ موجود ہیں۔

وَيُؤْمِنُونَ بِهِ۔ حاملانِ عرش مقرب بارگاہ ہیں۔ شرفِ حضوری ان کو حاصل ہے۔ اللہ کے سہ گانہ اوصاف کا وہ ہمہ اوقات اقرار کرتے ہیں تو پھر کیا اللہ ان کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ کیا وہ خدا کو دیکھتے ہیں اور دیکھ کر حمد و ثنا کرتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ ان کی قابلِ مدح صفت ان کا ایمان ہے۔ سورج کو نظروں کے سامنے روشن دیکھ کر روشنی کا اقرار کرنا قابلِ مدح و ستائش نہیں۔ پھلوں اور کھیتوں کی پختگی اور دوسرے یقینی آثار دکھا کر دیکھ کر سورج کا اعتراف عقلی کمال اور علمی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے فرشتوں کی تمام حمد و ثنا، خدا کو عرش پر سامنے بیٹھا دیکھ کر نہیں ہوتی۔ یہ تو کوئی کمال ہی نہیں ہے قابلِ تعریف۔ قیامت کے دن سخت ترین کافر بھی اس اقرار پر مجبور ہوں گے۔ بلکہ فرشتوں سے تمام حمد و ثنا کا فطری ظہور ایمان بالغیب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو ایسے آدمیوں سے بھی محبت ہوتی ہے جو اللہ پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں۔ صاحب کشاف نے لفظ یومنون بہ کی یہ لطیف تفسیر کی ہے اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس کو بہت پسند کیا ہے۔

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا۔ اوپر کی آیت میں اس تسبیح و تحمید کا ذکر تھا جس کا نطرۂ صدور ملائکہ سے ہوتا رہتا ہے۔ اس آیت میں اس شفقت و محبت کا اظہار ہے جو ملائکہ کو اہلِ ایمان سے ہے اور جس کا ظہور بارگاہِ الٰہی میں مسلمانوں کے لئے دعائے خیر کرنے سے ہوتا ہے۔ یہاں دو بحث طلب ہیں۔

(۱) آیت میں یہ صراحت تو موجود ہے کہ حاملانِ عرش اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں لیکن خود اپنے لئے استغفار کرنے کا ذکر نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

toobaafoundation.com

(۲) کیا فرشتے گناہگار مسلمانوں کے لئے گناہ معاف کردینے کی التجا کرتے ہیں یا بے گناہ مسلمانوں کے لئے زیادتی ثواب کی دعا کرتے ہیں۔ ما آیت سے تو ترشح ہو رہا ہے کہ فرشتوں کو اپنے لئے استغفار کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان سے گناہ سرزد ہونے کا ہی امکان نہیں۔ ایک آیت میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ حضرت نوح کی دعا دوسری آیت میں نقل کی ہے۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو اپنے لئے استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ اُن سے لغزش (خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو اور خواہ دینی معاملات میں نہ ہو صرف دُنیوی امور میں ہو) کا صدور ممکن ہے اور فرشتے چونکہ ہر لغزش سے پاک ہیں اُن کو شر کی طاقت ہی نہیں دی گئی اس لئے ان کو اپنے لئے استغفار کی ضرورت نہیں۔ ۳ گروہ معتزلہ کی طرف سے کعبی نے کہا کہ ملائکہ عام اہل ایمان کے گناہ معاف کرانے کے لئے دعا نہیں کرتے بلکہ زیادتی ثواب کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ اُن کی دعا کا یہ مطلب نہیں کہ خدا گناہگاروں کے گناہ معاف کردے بلکہ یہ مراد ہے کہ جن مسلمانوں نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے خدا اُن کا اجر بڑھا دے کیونکہ اسی آیت کے بعد آتا ہے۔ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ۔ یعنی اے اللہ تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے۔ کعبی کی یہ تشریح خود تراشیدہ ہے۔ زیادتی ثواب کے لئے دعا کو استغفار کہا ہی نہیں جاتا۔ اس لفظ کا اطلاق صرف اسقاطِ گناہ کی طلب کے لئے ہوتا ہے۔ جو گناہوں سے توبہ کر چکے اور ان کے گناہ (بقول معتزلہ لازماً) معاف ہوگئے ان کے لئے استغفار کے لفظ کا استعمال ہی نہیں ہے۔ آخر بے گناہ کس کے جرم کو مستور اور پوشیدہ کرنے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ زیادتی ثواب کی خواہش میں کونسا جرم مستور کرانا مقصود ہوتا ہے۔ رہی بعد کو آنے والی آیت جو يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی توضیح ہے۔ اُس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اے خدا جن لوگوں نے کفر سے توبہ کی اور تیری راہِ توحید پر چلنا اختیار کیا اُن کے گناہ معاف کردے۔ اشاعرہ کی وکالت کرتے ہوئے امام رازی نے کبیر میں یہی تشریح کی ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ۔ اہل ایمان کے لئے دعا کرنے سے پہلے ملائکہ نے اللہ کی ثنا کی اور لفظ رب کہہ کر ندا کرتے ہوئے اللہ کی وسعت رحمت اور ہمہ گیری علم کا اظہار کیا۔ تمام انبیاء کی دعاؤں میں اظہار سے مطلب پہلے اللہ کی حمد و ثنا کا التزام کیا گیا ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دُعا سے پہلے اللہ کے اوصاف کمالیہ کا اعتراف کیا تھا اور کہا تھا: اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۔ پھر سب کے آخر میں کہا تھا۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ خود سورۃ فاتحہ کو حمد سے شروع کیا اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہنے سے پہلے اللہ کے اوصاف کو ذکر کرنے میں اسی کی تعلیم دینی مقصود ہے۔ حقیقت میں جوہرِ روح کی کثافت کو دور کر کے اس میں تدریجی صفائی پیدا کرنے کے لئے عظمتِ الٰہی کی معرفت اور اس کا اظہار ضروری ہے تاکہ اس طرح اکسیر کا ایک ذرہ تانبے کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو سونا بنا دیتا ہے اسی طرح معرفت عظمت کا اکسیری ذرہ لوحِ روح کو چمکا کر نورِ خالص میں تبدیل کردے۔ ملائکہ نے بھی استغفار سے پہلے اللہ کی ثنا اسی لئے کی۔ رہا لفظ رب کہہ کر ندا کرنا تو تمام انبیاء کا عموماً یہی طریقہ رہا ہے کہ دعا سے پہلے لفظ رب کہہ کر پکارتے ہیں اور قرآن کی اکثری تعلیم بھی یہی ہے۔ حضرت آدم نے کہا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ۔ حضرت نوح نے کہا تھا۔ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ الخ۔ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ الخ۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ الخ۔ حضرت ابراہیم نے کہا تھا۔ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى الخ۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ الخ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ الخ۔ حضرت یوسف نے کہا تھا۔ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ الخ۔ حضرت موسیٰ نے کہا تھا رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ الخ۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ الخ۔ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَيَّ الخ۔ حضرت داؤد کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ الخ۔ حضرت سلیمان نے کہا تھا رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا الخ۔ حضرت زکریا کے متعلق اللہ نے فرمایا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا الخ۔ حضرت عیسیٰ نے کہا تھا۔ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً الخ۔ خود رسول اللہؐ کو اللہ نے بار بار یہی حکم دیا۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا الخ۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الخ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ۔ ایک جگہ مومن کے قول کو اللہ نے نقل فرمایا ہے جس میں شروع میں یہی لفظ ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ یہ لفظ اس جگہ پانچ مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ دوسری جگہ مومنوں کے قول کی نقل ان الفاظ میں کی ہے۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ الیٰ آخر السورۃ۔ ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے وقت اللہ کو اپنے بندے کے منہ سے لفظ رب سننا بہت پسند ہے۔ بندے کے اس اظہارِ عجز سے بحرِ رحمت جوش میں آجاتا ہے۔

toobaafoundation.com

اور عظمتِ ربانی اس پر چھا جاتی ہے۔ اسی لئے ملائکہ نے بھی دعا سے پہلے ثناء کو لفظ رب سے شروع کیا۔

اس کے بعد دو ٹکڑے ہیں وسعتِ رحمت کا اعتراف اور علم الٰہی کی ہمہ گیری کا اقرار۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی ذرہ باہر نہیں اور اس کی رحمت بھی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ دنیا کا کوئی ذرہ بھی ایسا نہیں کہ نعمتِ وجود سے محروم ہو۔ اس کو جان جگر دل دماغ اور دوسری شعوری تحریکی اور عملی قوتیں کم و بیش نہ دی گئی ہوں، دھوپ روشنی گرمی سردی ہوا پانی اور فضائی رحمتوں سے بالکل محروم ہو۔ ہر پھول کا کھلنا یا مرجھانا ایک رحمت ہے جس کے ظہور کے لئے کائنات کا ذرہ ذرہ عرشِ بریں سے لے کر فرشِ زمین تک حرکت میں آجاتا ہے اور ہر کونپل یا پھول کی پتی کی سرسراہٹ سے عرشِ اعظم میں جنبش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سب اللہ کی رحمت نہیں تو اور کیا ہے۔ نارسا نظر رکھنے والی بیکس لے بس دکھیا کو رحمتِ الٰہیہ سے محروم سمجھیں تو سمجھیں رحمانی نگاہ کی رسائی سے یہ لوگ محروم نہیں اُن کو تو ہر چیز رحمت بدامن اور عطوفت در آغوش نظر آتی ہے۔

یوں تو اللہ کی رحمت بھی ہر چیز کو سمائی ہے۔ اور علم بھی لیکن ملائکہ کا مقصود اس سے یہ ہے کہ اللہ کے علم سے بندے کا کوئی گناہ اگرچہ پوشیدہ نہیں وہ ذرہ ذرہ لغزش سے بھی واقف ہے لیکن اس کے ساتھ اس کی رحمت بھی تو ہمہ گیر ہے۔ ہر ذرہ پر چھائی ہوئی ہے۔ پھر مومن کا گناہ اس سے کیسے بچ سکتا ہے۔ پس اے وہ خدا جس کے علم سے کوئی گناہ پوشیدہ نہیں اپنی محیطِ کل رحمت سے مومن کے گناہوں کو خارج نہ کر۔

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ - یہ گناہوں کو معاف کر دینے کے ابتدائی اثر کو نمودار کرنے کی درخواست ہے اور آخری اثر کے ظہور کی خواہش دبا رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ اپنے عجز اور کمزوری کو لفظ ربنا سے ظاہر کرتے ہوئے کی ہے۔ گناہوں کو معاف کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ دوزخ سے بچا لیا جائے لیکن دوزخ سے بچنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ جنت کا حصول ضروری ہے۔ اس لئے اس فقرہ میں اصل دعا کو ذکر کیا۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر مومن موحد کو جنت میں داخل کیا جائے گا خواہ وہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ کسی کو گناہوں کا عذاب دینے کے بعد اور کسی کو گناہ معاف کر دینے کے بعد بغیر عذاب دیئے۔ ملائکہ کو معلوم تھا کہ اللہ نے ہر موحد کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کر لیا ہے لیکن ہر مومن کے گناہ معاف کرنے کا اور جہنم میں بالکل نہ بھیجنے کا وعدہ تو نہیں کیا اس لئے جنت میں داخل کرنے کی درخواست سے پہلے گناہوں کو معاف کرنے اور دوزخ سے بچانے کی التجا کی۔

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ - فطرۃً آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ عیش و راحت میں اس کے تمام رشتہ دار شریک ہوں لیکن مشرک کا داخلہ جنت میں بنصِ قرآنی ممنوع ہے۔ اہلِ شرک کو تو معاف ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ رہے اہلِ توحید اور اصحابِ ایمان وہ اگر عملی گنہگار نہیں اور صالح زندگی رکھتے ہیں تو خود اہلِ جنت ہیں اُن کو دوزخ سے بچنے کے لئے سفارش کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں وہ اہلِ توحید جو فاسق اور مرتکبِ کبائر ہیں ان میں اللہ کے وعدے کے مطابق جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت اور قابلیت تو ہے مگر زندگی کے غیر صالح اور فاسد الاعمال ہونے کی وجہ سے دوزخ میں داخل نہ کرنے کا ان سے وعدہ نہیں کیا گیا اور ملائکہ کا مقصود یہ ہے کہ ہر موحد غیر مشرک خواہ کیسا ہی گنہگار ہو بغیر عذاب جنت میں بھیج دیا جائے۔ اسی لئے اپنی دعا میں انھوں نے عرض کیا کہ اُن جنتیوں کے ساتھ ان کے اسلاف، ازواج، اخلاف، اخلاف سب کو بہشت میں داخل فرما دے اور اُن کو بھی دوزخ سے بچا لے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ - کیونکہ تو سب پر غالب ہے اور تیرا ہر عمل با حکمت ہے۔ تجھے کوئی روک نہیں سکتا نہ اس مغفرت کو اقتضائے حکمت کے خلاف کہہ سکتا ہے۔ آیتِ مذکورہ میں آباء سے مراد تمام اصول ہیں۔ مرد ہوں یا عورت۔ اسی طرح ذریات سے مراد تمام فروع ہیں نر ہوں یا مادہ۔ (ابن کثیر)

وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ - سیات سے مراد دونوں جگہ مکروہاتِ آخرت ہیں۔ قیامت کے دن دوزخ کے علاوہ بھی دوسری مکروہات ہوں گی۔ ہول خوف انتہائی گرمی سورج کی تیزی حساب فہمی بدفہمی پل صراط سے گزرنا وغیرہ۔ اس جگہ یہ لفظ دوزخ کے علاوہ تمام شدائد کو شامل ہے۔ قیامت کی مکروہات عمومی ہوں گی۔ عام گرمی ہوگی۔ ابتدائی خوف اور گھبراہٹ بھی سب کو ہوگی۔ انبیاء کے بھی ہوش پراگندہ ہوں گے۔ حساب فہمی بھی سب کی ہوگی۔ اعمال کی وزن کشی سے بھی کوئی نہیں بچے گا۔ پل صراط سے بھی ہر شخص کو گزرنا پڑے گا۔ اس عام ضابطہ

toobaafoundation.com

ہیں نیک اور سب برابر ہوں گے۔ ہاں جس شخص پر اللہ رحمت فرمائے تو وہ تمام مکروہات سے بچ جائے گا۔ مکروہات اور شدائد سے بچنا بغیر رحمت کے
ناممکن ہے چنانچہ انبیاء اولیاء صلحاء اور وہ لوگ جن کو اللہ نیکوں کے ساتھ کر دے شدائد سے محفوظ رہیں گے۔ اُن کے حساب میں مناقشہ اور سختی نہ
برتی جائیگی بلکہ یہ بھی دہ ہوا یا بجلی کی طرح گزر جائیں گے اللہ کی طرف سے ان کو تسکین آمیز بشارتیں بھی ملیں گی۔ ملائکہ نے مومنوں کو اپنی شدائد سے بچانے
کی درخواست کی۔ بعض لوگوں کے نزدیک اول سیئات سے دنیوی مکروہات مراد ہیں۔ مگر یہ مراد سیاقِ آیت کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ یعنی اللہ کی رحمت ہی بڑی کامیابی ہے۔ مطلب یہ کہ مکروہاتِ قیامت اور عذاب دوزخ سے بچاؤ اور جنت
میں داخلہ اللہ کی رحمت پر موقوف ہے اور اللہ کی رحمت کا حصول ہی بڑی کامیابی ہے۔ اس زندگی کا حاصل ہی یہی ہے کہ کسی طرح اللہ کی رحمت
حاصل ہو جائے۔

یا ذٰلِكَ سے اشارہ مکروہاتِ قیامت اور دوزخ سے بچاؤ اور جنت میں داخل ہونے کی طرف ہے۔

مقصود بیان

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کے جلیل القدر فرشتے بھی اللہ کی تنزیہی اور تجلیلی صفات کا اعتراف
کرتے رہتے ہیں۔ پھر عاجز اور کمزور انسان کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اللہ کے مقرب فرشتوں کا ایمان بھی اللہ پر فائز باللہ
ہے عرش ایک حقیقت واقعہ ہے (مفہوم واقعی) سے خالی لفظ ہی لفظ نہیں ہے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ الخ سے بالکل واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے
کہ فرشتوں کو بھی اللہ کی ربوبیت کے اقرار سے مفر نہیں اور عظیم القدر ربوبیت الٰہیہ کا انکار نہیں کر سکتے بلکہ عاجزانہ اقرار کرتے ہیں تو اُن
آدمیوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو دوسروں کو رب اور کارساز بناتے پھرتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ کے علم کا ہمہ گیر اور رحمت کا محیطِ کل ہونا
صراحۃً مذکور ہے جس سے مترشح ہوتی ہے یہ ہدایت کہ کوئی شخص اپنی کسی حرکت کو خدا سے پوشیدہ نہ سمجھے اور اللہ کے حاضر ناظر ہونے کا یقین
رکھے اور ہر دعا کرنے والا یہ یقین رکھتے ہوئے دعا کرے کہ اللہ کو میری نیت اور حالت اور الفاظ غرض ہر بات کا علم ہے۔ پھر اللہ کی وسعت
رحمت کو بھی نظر کے سامنے رکھنا چاہیئے اور یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ خدا کو ... میرے سب گناہوں کا علم ہے۔ اس رحمت سے اُمید رکھنی چاہیئے مایوس
نہ ہونا چاہیئے۔ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ کے فرمان بردار دوں کو فرماں برداروں سے خاص لگاؤ ہوتا ہے۔ اس سے یہ
نصیحت بھی حاصل کی جاسکتی ہے کہ مومن بندہ کو دوسرے مومن سے محبت ہونی چاہیئے اور اس کے لئے اللہ سے دعا کرنی چاہیئے۔ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا الخ
سے مراد اگر اہل ایمان ہوں خواہ وہ گناہگار ہی ہوں تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مومن کو دوسرے مومن کے گناہوں پر نظر نہ کرنی چاہیئے اور اس کو
فاسق گناہگار سمجھ کر رشتہ اخوت نہ توڑ لینا چاہیئے۔ ایمان اصل ہے گویا ہر مومن دوسرے مومن سے وابستہ ہے خواہ نیک ہو یا بد۔ نیکوکار کافر کے
مقابلے میں بدکار مومن قابلِ ترجیح ہے۔

اَلَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ سے واضح ہو رہا ہے کہ ہر مومن کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ خدا نے کر لیا ہے خواہ وہ کیسے ہی اعمال ہوں لیکن
اس وعدہ کے اعتماد پر عذاب سے نڈر نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بغیر عذاب دیئے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ ہر مومن سے نہیں کیا ہے

وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ دعا کا تکملہ ہے جس سے ہدایت مستفاد ہوتی ہے کہ دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کی دعا جس طرح ضروری ہے اسی طرح تمام
شدائدِ قیامت سے محفوظ رہنے کی درخواست بھی لازم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ

(اس وقت) اُن کو پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے

اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ○ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا

جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی سو ہم اپنی خطاؤں کا

toobaafoundation.com

بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ○ ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ

اقرار کرتے ہیں تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے ؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم

كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ○ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ

انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم ان لیتے تھے سو (اس پر) یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو عالیشان (اور) بڑے رتبہ والا ہے وہی ہے جو تم

آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ○ فَادْعُوا

کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو خدا کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ کرے

اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○

سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو گو کافروں کو ناگوار (ہی کیوں نہ ہو)

تفسیر

عالم غیب بہت زیادہ پوشیدہ اور بالکل غیر محسوس ہے۔ وہ جسم مرئی نہیں کہ آنکھوں سے دکھے پست یا بلند آواز نہیں کہ کانوں سے سنی جائے اچھی بری بو نہیں کہ ناک سے سونگھی جائے۔ ذوق وطعم والی کھٹی میٹھی کڑوی کسیلی چیز نہیں کہ زبان سے اس سے مزہ دریافت ہو۔ ٹھنڈی گرم، تر خشک ہوا نہیں کہ جلد بدن کو لگتی ہوئی معلوم ہو۔ صورت خارجیہ نہیں، ہیئت ذہنیہ نہیں، رنگ نہیں، جسامت نہیں، پھر کس طرح محسوس ہو۔ ہاں افعال آثار شواہد اور نشانات ایسے موجود ہیں کہ بالغ نصیرت والا ان سے اصل کا پتہ لگا لیتا ہے، لیکن نارسا نظر والوں کا حد بصر صرف محسوس ہوتا ہے۔ محسوس سے پرے ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ خدا کی ہستی اس کا کلام اس کے وعدے اور وعید جنت دوزخ حساب کتاب اجر عذاب کوئی بھی ان آنکھوں سے دیکھے نہ ان کانوں سے ان کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔ نہ ان محسوس پرست فہم و دانش سے ان کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لئے باوجود آنکھیں ہونے کے کافر نابینا ہیں اور باوجود کان رکھنے کے بہرے ہیں اور باوجود فہم و قلب موجود ہونے کے بے سمجھ ہیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ہر طرف عذاب آخرت دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر نہیں دیکھتے۔ کان اٹھا اٹھا کر اور لگا لگا کے عذاب کے فرشتوں کی ہولناک آوازیں سننی چاہتے ہیں مگر نہیں سن پاتے پکار پکار کر محسوس نمایاں نشان عذاب مانگتے ہیں مگر نہیں ملتا اس لئے بیگانہ بیٹھتا نامحسوس خدا سے منہ موڑ کر اور آخرت کے حساب کتاب عذاب ثواب کے خیال کو چھوڑ کر نظر آنے والی مورتیوں اور حواس میں سمانے والی صورتوں کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اللہ کا منادی ان کو ہر چند پکارتا ہے ڈراتا ہے سمجھاتا ہے پر ان کو یقین نہیں آتا اور محسوس پرستی کی ہر آواز ان کے کانوں میں گونجتی ہے دماغ میں اترتی ہے اور فکر و عمل کی تمام قوتوں میں سما جاتی ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب کہ غیب کے ہزار در ہزار پردے سب کے سب آنکھوں کے سامنے سے اٹھ جائیں گے اور کانوں کی گرانی دور ہو جائیگی نگاہیں خیرہ اور دماغ متحیر ہو جائیں گے عذاب کی اصل تصویر رنگا رنگ اور گوناگوں مظاہر کے ساتھ ہر کور بصیرت کے سامنے آجائے گی، آنکھوں سے دیکھے گی اور ہولناک آواز کانوں سے سنائی دے گی۔ اس وقت تباہی کا یقین ہو جائے گا بدیقینوں کو اور اپنے جرائم کا اقرار کریں گے انکار کرنے والے اللہ کو ایسے وقت میں رب مانیں گے، رب کہہ کر پکاریں گے، اپنے افکار و اعمال کی غلطی کا اعتراف کریں گے۔ دوزخ کی آگ میں جلنے والی لکڑی تنا کرے گی کہ بھٹی سے نکال کر دوبارہ اس کو شاداب زمین میں بو دیا جائے تاکہ وہ ہدایت کے پانی اور رشد کی ہوا سے سرسبز اور بار آور ہو جائے اور ٹھنڈا سایہ اور میٹھے پھل پیدا کر سکے لیکن سوختہ اصل کو کونسا پانی شاداب کر سکتا ہے اور کونسی ہوا سرسبز بنا سکتی ہے۔ کڑوے درخت کی بوئی جڑ کو دوبارہ بونے سے بھی کیا حاصل۔ پھل تلخ ہی پیدا ہوں گے گیہوں کے کھیت میں گرد وار دانہ جم کر بڑا ضرور ہو جائے گا اس میں بالیاں بھی آئیں گی اور بالیوں میں ہزاروں دانے بھی پیدا ہوں گے لیکن کاٹنے کے وقت کڑوے ہی ہوں گے گیہوں کی طرح میٹھے کس طرح بن جائیں گے۔ زمین کی صلاحیت، ہوا کی نمناکی، پانی کی شیرینی

toobaafoundation.com

اور روانی اور ہمسایہ گیہوں کی خوش ذوقی سے اُن کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ سچ ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ۔ پس خوش نصیب ہیں وہ دانشمند متفکر اور تفکر شعار دانشور جو کائنات میں غیبی دست کاریوں اور مخفی فعال شہنشاہیت کا مشاہدہ کر کے سربسجود ہو جاتے ہیں اور ہر طرف سے رُخ پھیر کر اُسی کے سامنے جھک جاتے ہیں اور عالمِ تکوین کے جھوٹے فرماں رواؤں کے احکام کو ٹھکرا کر ایک ہمہ گیر متصرف کل شہنشاہ کے تمام احکام کی تعمیل کے لئے کربستہ ہو جاتے ہیں۔

تحلیل اجزاء

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ۔ یہاں کا فر اپنے عیش کی فراوانی اور راحت کی ارزانی پر رو رہے ہیں لیکن اہل ایمان کو ان کی دولت و راحت دیکھ کر فریب خوردہ نہ ہونا چاہیے۔ یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا۔ ان آیات میں کافروں کی اس بدحالی اور بدمآلی کا بیان ہے جس میں قیامت کے دن مبتلا ہو کر وہ اپنے پچھلے کئے پر پچھتائیں گے۔ گویا جہاں مومنوں کو کافروں کی اُخروی حالت بتا کر ایمان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنی مقصود ہے وہاں کافروں کو اُن کا وبالِ آخرت دکھا کر کفر پر اڑے رہنے پر باز داشت بھی ہے۔

سدی قتادہ مجاہد حسن بصری ذرین حبید ہمانی عبدالرحمٰن بن زید ابن جریر اور اکثر دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ کافروں کو جب اس دنیا میں ایمان لانے کی ہدایت کی جاتی ہے تو وہ سرتابی کرتے اور اپنے دل کا کہا مانتے ہیں لیکن قیامت کے دن یہی ہوا پرستی ان کی ہلاکت کا باعث ہوگی اس وقت خود ان کو اپنے جی سے نفرت پیدا ہو جائے گی اور وہ خود اپنے آپ کو بُرا کہیں گے۔ پس قہر کے ملائکہ اور جہنم کے نگراں فرشتے پکار ہیں گے کہ آج جتنی نفرت تم کو اپنی ذات سے ہے اس سے زیادہ نفرت اللہ کو تم سے اس وقت تھی جب تم کو دنیا میں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی مگر تم سرتابی کرتے اور دعوتِ ایمان کو ٹھکراتے تھے۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ پکارنے والے جہنم کے نگراں ہوں گے اور قیامت کے دن کافروں کو خود اپنے آپ سے بغض ہو جائے گا۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اپنی ذات سے نفرت کرنے کے معنی ہیں جماعت کا باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا یعنی سرداروں سے اُن کے زبردست نفرت کریں گے اور کہیں گے تم نے ہمیں گمراہ کیا اور سردار اپنے زیردست طبقہ سے نفرت و بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے تم خود مختار تھے ہم کو تمہارے دل و دماغ پر کوئی جبریہ حکومت حاصل نہ تھی۔ تم خود گمراہ ہوئے آج ہم تمہارے کفر سے بیزار ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قیامت کے دن جب کفار عذاب میں مبتلا ہوں گے تو شیطان کو بُرا کہیں گے اور ابلیس اُن سے بیزاری کا اظہار کرے گا۔ آیت میں یہی مراد ہے۔ میری رائے میں آیت کا اجمال تمام تفصیلات کو شامل ہے۔ ہر تعیین کی تائید قرآن مجید کی آیات سے ہوتی ہے مگر حصر بیکار بلکہ خود تراشیدہ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ۔ جب عذاب میں پھنس جائیں گے اور باہم ملامت کرنا اور پچھتاوا کرنا بھی سود مند نہ ہوگا تو اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے دوزخ سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانے کی تمنا کریں گے تاکہ ایمان کے ساتھ فرماں بردار بندے بن جائیں۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان آیات میں اُس تمنا کا بیان ہے جو دوزخ کے عذاب میں پھنسنے کے بعد کافر کریں گے الغرض واپسی کی تمنا سے پہلے ایک تمہید بیان کریں گے اور اللہ کو رب کہہ کر پکاریں گے۔ پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے کے بعد دوزخ سے نکلنے اور دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست کریں گے

دنیا میں واپس چلے جانے کی سب سے اول تمنا کا فر اس وقت کریں گے جب اللہ کے سامنے نادم ہو کر سر افگندہ کھڑے ہوں گے۔ اس تمنا کا بیان اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ پھر دوزخ کا عذاب سامنے آئے گا اور اس کا معاینہ کریں گے اور اُس میں گرفتار بھی ہو جائیں گے تو کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اور رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ پھر آخر میں جب بالکل ہی پھنس جائیں گے تو درخواست کریں گے اور کہیں گے۔ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ۔

اس جگہ آیت میں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی سے کیا مراد ہے۔ اس کی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ سفیان ثوری نے حضرت ابن مسعودؓ

toobaafoundation.com

کا قول اپنی اسناد سے نقل کیا ہے کہ پہلے آدمی نطفہ (بے جان) تھا پھر دنیا میں زندہ ہو کر آیا پھر مر کر قبر میں گیا۔ پھر زندہ کر کے قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ یہی دو بار موت اور دو بار زندگی ہوگی۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ابن عباس ضحاک قتادہ اور ابو مالک سے یہی تشریح مروی ہے۔

سدی کا قول ہے کہ پہلی زندگی دنیوی پھر موت پھر سوال جواب کے لئے قبر میں زندہ ہونا پھر مر جانا پھر قیامت کے دن عذاب ثواب کے لئے زندہ کیا جانا مراد ہے لیکن صورت میں زندگیاں تین اور موتیں دو ہوں گی بلکہ اگر نطفۂ بے جان کو بھی موت کی حالت (آیت کیف تکفرون الخ کی بنا پر) مانا جائے تو موتیں بھی تین ہو جائیں گی، اور اس طرح کل شمار چھ ہو جائے گی۔

عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ سب سے پہلی زندگی وہ تھی جب میثاق ابتدائی کے لئے آدم کی پشت سے نکالا گیا تھا پھر موت آگئی پھر ماں کے پیٹ میں زندگی دے کر دنیا میں بھیجا گیا پھر موت آگئی اور آخر میں قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اس طرح دو زندگیاں اور دو موتیں ہو گئیں، لیکن ابن زید کی یہ تشریح غلط ہے۔ ان کے حساب سے زندگیاں تین اور موتیں دو ہوتی ہیں۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ابن مسعود اور ابن عباس سے جو قول مروی ہے وہ صحیح ہے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۔ رازی اور ابن کثیر نے اس آیت کو گزشتہ آیت کے جواب کا قائم مقام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اصل جواب دوسری آیت میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۔ ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی طرف سے واپسی کی تمنا کے جواب میں اُن کو جھڑک اور حکم ہوگا۔ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔ اسی جہنم میں خوار پڑے رہو۔ مجھ سے بات نہ کرو۔

آیت حالیہ انہی جوابوں کی قائم مقام ہے اور اس میں واپسی نہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری سرشت ہی ایسی ہے کہ حق کی طرف مائل نہیں ہوتی، سچائی کو قبول نہیں کرتی الگتی ہے۔ دیکھو پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے کہ حق کے منادی نے جب تم کو دعوت دی تو تم نے نہیں مانا اور شرک کی پکار پر سب جمع ہو گئے اور یقین کر لیا۔ دوبارہ کس طرح یقین پا سکتے ہو۔

میں کہتا ہوں کافروں کی دروغ گوئی تو ان کے تمنائی دعوے سے ہی ظاہر ہو رہی ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی خود رائی خود داری اور استعدادی کا اظہار کیا ہے اور دنیا میں لوٹ کر جانے کے بعد اپنے مومن بن جانے اور نیک ہو جانے کا دعویٰ کیا ہے اور اس دعویٰ کو خدا کے حکم پر محمول نہیں کیا اور صاف کہہ دیا کہ اگر تو ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے اور نیک اعمال کر کے صالح بن جائیں گے اور پہلی زندگی کی بداعمالی کی طرح بدکاری نہیں کریں گے۔ یہ کتنا بڑا استعدادی دعویٰ ہے۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ آئندہ ہم کیا کریں گے ہماری حالت کیا ہوگی اور ہم کس قسم کے علم و عمل کے حامل ہوں گے۔ پھر کسی کی طاقت کو اس علم و عمل میں کیا دخل۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ سو مرتبہ مر مر کے جئے تب بھی اس میں اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ برابر استعدادی طاقت نہیں ہو سکتی۔ پس جب آخری جینے کے بعد خدا کی قہاریت اور اپنی بے بسی کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی دماغوں سے کافرانہ غرور نہیں نکلا تو کس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ وہ دوبارہ زندگی میں پکے کامومن بن جائیں گے۔ حاصل یہ کہ آخری فیصلہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ان کے حق میں ہو چکے گا۔ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا۔ عذاب آخرت دیکھنے کے بعد اقرار بیکار اور دوبارہ دنیا میں لوٹائے جانے کی تمنا لاحاصل ہوگی۔ کیا اسی زندگی میں اللہ کی نشانیاں کچھ کم ہیں۔ کیا آنکھوں کے سامنے قدرت کے مظاہر تو ہر شکل میں نہیں آتے۔ دور کیوں جاؤ اپنے رزق کی ہی فراہمی کے سوال پر غور کرو کیسی علوی کائنات کو تمہاری رزق رسانی کے لئے حرکت دی جاتی ہے۔ ہر کرہ اپنی ان گنت حرکتوں اور بے شمار گردشوں کے ساتھ فضا کی لہروں کو متاثر کرتا ہے جس سے تبخیر ہو کر بارش ہوتی ہے۔ پھر بارش سے کس طرح روئیدگی پھر بالیدگی پھر پختگی پھر غذا صالح پیدا ہوتی ہے۔ لاکھوں ترتیبی مدارج کس طرح طے ہو کر تم کو جسمانی بقا کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ سوچو پھر اس پر بھی غور کرو کہ اللہ کی مقرر کردہ لاتعداد مخفی طاقتیں جو بالکل غیر مادی ہیں تمہارے جسم و روح کی تربیت کا سامان عالم غیب سے لے کر پیچھے آتی ہیں اور کائنات کے ہر ذرہ کو اللہ کا پیام پہنچاتی

toobaafoundation.com

اور ہر ذرہ کو اس کی خدمت پر لگاتی ہیں اور تمہارے بدن کے ہر خورد ترین ریزہ کو اور باغ کے ہر مخفی تصور کو غذا فراہم کرتی ہیں۔ مطالعۂ قدرت کے لئے یہ چیزیں کیا کچھ کم ہیں لیکن

وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۔ مطالعہ کر کے مشاہدہ تک پہنچنے اور مشاہدہ کے بعد آیات قدرت کو یادداشت حیات سمجھنے والے وہی لوگ ہیں جو آیات سے صاحب آیات اور مصنوعات سے صانع اور آثار سے موثر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ورنہ دیکھنے کو سب دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور فلو کائنات کو طبعی رفتار رکھتے ہوئے اچٹتی نظر ڈالتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ ان کی نگاہ نارسا آیات کے پردوں کو چاک کر کے صاحب آیات تک نہیں پہنچتی بلکہ جال کے حلقوں میں پھنس کر رہ جاتی ہے، وہ نظم کائنات کی اس مسلسل زنجیر کے ہر حلقے کو دوسرے حلقے کی حقیقی علت اور مختار کل فاعل قرار دیتے ہیں اور زنجیر کی ہر کڑی کے سامنے سربسجود ہو کر اپنی مدد کے لئے اس کو پکارتے ہیں اور اس طرح ہر ڈیوڑھی کے غلام اور فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ مگر اے اہل انابت اور اے رسا نظر رکھنے والو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ تم اللہ ہی کو اپنی مدد کے لئے پکارو۔ ہر دروازہ کو چھوڑ کر خالص اللہ ہی کی فرمانبرداری کرو اور تمام خود ساختہ فرمانرواؤں کی اطاعت کو ترک کر دو۔ اللہ ہی کی نعمتوں پر جینے کے باوجود اُن کا انکار کرنے والے ناگوار سمجھیں تو سمجھتے رہیں تم اُن کی ناگواری کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ حضرت ابن زبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان الفاظ کو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ (رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی)

مقصود بیان

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کو اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا ہوگا اور وہ دوزخ سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانے کی تمنا کریں گے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ وقت بڑا ہولناک ہوگا۔ ان کی کہنی پڑے گی

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کسی حاکم کی ظاہری حکومت بھی نہ ہوگی۔ اور اگر اس جملہ کو عام رکھا جائے تو مستفاد ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی واقعی حکم اللہ ہی کا ہے۔ دوسرے حکمران نہیں بلکہ نقال ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ الخ میں مشاہدۂ آیات کا درس ہے اور آیات سے صاحب آیات پر استدلال کرنے کا ضمنی حکم ہے۔ وَمَا يَتَذَكَّرُ الخ سے واضح ہو رہا ہے۔ نصیحت پذیری اور حقیقت تک رسائی کے لئے قلب منیب شرط ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ الخ میں اللہ کی خالص اطاعت کرنے کا حکم ہے اور کافروں کی ناگواری کی پرواہ نہ کرنے کی ہدایت ہے یعنی لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ وغیرہ۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

وہ رفیع الدرجات ہے وہ عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ (وہ صاحب وحی لوگوں کو) اجتماع

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۙ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ

کے دن (یعنی قیامت کے دن) سے ڈرائے جس دن سب لوگ (خدا کے) سامنے موجود ہوں گے (کہ) اُن کی بات خدا سے مخفی نہ رہے گی آج کے روز

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا

کس کی حکومت ہوگی بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا (اور) غالب ہے آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جاوے گا آج (کسی پر)

toobaafoundation.com

ظُلۡمَ الۡيَوۡمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝

کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ تعالےٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ۔ یوں تو اللہ کی تمام صفاتِ کمالیہ ہیں۔ کسی طرح کا کوئی نقص اس کی ذات یا صفات میں نہیں ہے۔ لیکن پانچ اوصاف اس کی عظمت الربیّت کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے صفتِ ایجاد کا یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِهٖ اور صفتِ ربوبیت کا یُنَزِّلُ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا میں ذکر گزر گیا۔ اس جگہ سے باقی تین صفات کو ظاہر فرمانا مقصود ہے۔

(۱) قدر رفیع الدرجات ہے۔ رازی اور خطیب نے اس لفظ کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کی ذات سب سے اونچی ہے۔ اتنی کہ کسی انسان کے تصور اور کسی فرشتہ کے علمِ حضوری کی بھی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی کہ جلیل القدر پیغمبر اور مقرب فرشتہ کو اس کی کنہ ذات کا علم نہیں۔ اور اللہ کے صفات کا درجہ بھی مخلوق کی صفات سے بہت اونچا ہے۔ اس کی صفتِ وجود کے سامنے مخلوق کی ہستی ہیچ ہے۔ اس کی قدرت کے لاکھوں بلکہ لاتعداد اور غیر محدود چمتکاروں میں سے ایک ادنیٰ کرن ساری کائنات پر پڑی ہے جس کا مظاہرہ آسمانوں کی ہولناک ناقابلِ فہم رفعتوں، سمندر کی چڑھتی ہوئی زخار موجوں، ہوا کے برق رفتار طوفانوں، کوہ شگاف بجلیوں، پہاڑوں کی زہرہ گداز بلندیوں، سورج کی جھلستی شعاعوں، آگ کے غراتے ہوئے شعلوں، سائنس کے فلک پیما ہمالیہ شکن تجربوں اور بادشاہوں کی بے دریغ سفاکیوں سے ہوتا ہے۔ اُس کی صفت علم و حکمت کی رفعت اس عالم کی تکوینی دقت اور نظمی دقیق استحکام سے عیاں ہے۔ اس قدر کہ اس کے علمی بحرِ ناپید اکنار کے سامنے ساری کائنات کا علم صرف اتنی حقیقت رکھتا ہے جتنی سمندر میں غوطہ دے کر نکالی ہوئی سوئی کے ناکے پر باقی رہ جانے والی تری۔ اسی طرح اس کی صفتِ ایجاد ربوبیت اور حکومت و تصرف کے مقابلے میں مخلوق کی صفات کو لانا ایسا ہے جیسا تاریکی کو نور کے مقابلے میں لانا۔ سائے کو دھوپ کا ہم وزن بنانا یا ذرّہ کو آفتاب کی مثل قرار دینا اور یہ بھی صرف تشبیہی الفاظ ہیں حقیقت سے خالی ورنہ وجوب کا امکان سے اور قِدَم کا حدوث سے مقابلہ ہی کیا اور دونوں کے درجات میں تناسب و توازن ہی کا کیا امکان۔

(۲) رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ کا دوسرا معنی رافع الدرجات یعنی مخلوق کے درجات بلند کرنے والا کہا گیا ہے۔ اس مفہوم کی تفصیل رمز شناس علماء کے لئے تو ہم آخر میں کریں گے۔ پہلے اس سادہ تفسیر کو نقل کر دینا مناسب ہے جو رازی وغیرہ نے لکھی ہے مطلب یہ کہ آخرت میں انبیاء اولیاء اور صلحاء کے درجات اللہ اونچے کرے گا اور دنیا میں بھی اس نے بعض کا درجہ بعض سے اونچا کیا ہے۔ فرشتوں میں ہر ایک کا مقام مقرر فرمایا ہے۔ آیت میں ارشاد ہے۔ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ الآیۃ اہلِ علم کے درجات بھی اونچے بنائے ہیں اور ہر ایک کا درجہ دوسرے سے علیحدہ رکھا ہے۔ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ الآیۃ پھر کمالِ ایمانی کے تفاوت کے لحاظ سے ہر مومن کا درجہ الگ الگ ہے۔ اگرچہ مراتب سب کے بلند ہیں۔ اسی طرح اجسامِ کثیف مکدر مادی سفلی ہیں اور بعض اجسام لطیف خفاف علوی اور بعض نورانی جوہری۔ پھر صورت رنگ تو نت سیرت رزق اور عزت و ذلت کے اعتبار سے مراتب متفاوت ہیں۔ ہر نیچے سے اونچا اور اوپر سے نیچا۔ اسی طرح راحت تکلیف دکھ سکھ صحت مرض طاقت ضعف اور سعادت و شقاوت کے لحاظ سے بھی آدمیوں کے درجات میں باہم تفاوت اور درجہ بندی ہے۔ رفیع الدرجات کا لفظ ان تمام معانی کو حاوی ہے۔

رمز شناس اہلِ حقیقت کو مطالعہ کی دعوت

یوں تو دنیا کا ذرّہ ذرّہ پست و بلند ہے۔ جمادی اور جمودی طبقہ کے اوپر نباتی اور نمائی طبقہ ہے اور نمائی مخلوق سے بالاتر شعوری اور ارادی حرکت کرنے والی جاندار کائنات ہے اور اس سے بلند ادراک و عرفان کی حامل انسانی دنیا واقع ہے اور پھر نور محض لطافتِ بے رنگ کا درجہ ہے لیکن اہلِ باطن نے شیفتگانِ معرفت کی ضیافت کے لئے کچھ لطیف تشریح کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مختلف انسانوں کی بلندی مختلف صفات کی وجہ سے ہے۔ اہلِ ارادت کا کمال عزت و کرامت ہے۔ اہلِ محبت کا کمال مشاہدہ ہے۔ اہلِ معرفت کا کمال ذات و صفات کا عرفان ہے۔ اہلِ وجد کی رفعت شہود سے ہے اہلِ سلوک کا منتہا عظمت و جلال کا مشاہدہ ہے۔ زاہدوں کی بلندی پروانۂ جنت تک ہے۔ عقل کی بزرگی آیات و براہین کا مطالعہ ہے۔ ارواح کی عزت

toobaafoundation.com

رب انس سے ہے اور اسرار کی بلندی مرکز قدس تک رسائی ہے۔ اس حد تک کہ خودی سے فنا ہو کر انوار صفات میں بقا بحق حاصل ہو جائے۔ ہم نے تفریح والی کے لئے حقیقت کی یہ تصویر کشی نہیں کی ہے، بلکہ ہر ٹکڑا ایک حقیقت ثابت ہے اور اہلِ حقیقت کے لئے درس علم اور سبق عرفان۔ واللہ اعلم۔

ذُو الْعَرْشِ عظمت الوہیت کو ثابت کرنے والا یہ چوتھا وصف ہے۔ رازی نے لکھا ہے کہ جلال الوہیت کے مظہر دو طرح کے ہیں مادی اور غیر مادی۔ مادی مظاہر میں سب سے بڑی جلوہ گاہ صفات عرش ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ عرش ایک یاقوت سرخ ہے جس کا درمیانی قطر پچاس ہزار سال کی راہ کے برابر ہے (واللہ اعلم) ابن کثیر نے لکھا ہے کہ احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے عرش عظیم شاہی تخت کا درجہ رکھتا ہے اور مخلوقات کے لئے عرش مثل سقف کے ہے۔ ابن کثیر کی یہ عبارت مجمل ہے ہم اپنی طرف سے کچھ زیادتی کر کے اس کی توضیح کرتے ہیں۔ عرش چونکہ مظہر صفات ہے اور تمام مخلوق میں اللہ کے افعال یہیں سے جاری ہوتے ہیں اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ عرش صفات خداوندی کی سب سے بڑی مادی جلوہ گاہ ہے اور یہیں سے اللہ کے احکام ساری مخلوق پر جاری ہوتے ہیں اور احکام الٰہی ساری کائنات کو محیط ہیں۔ پس عرش الٰہی بھی ساری کائنات کو محیط ہے۔ یا یوں کہو کہ حصول حکم کے لئے تمام مخلوق کی نگاہیں صفات خداوندی کی خصوصی جلوہ گاہ کی طرف اٹھتی ہیں۔ پس گویا مخلوقات کے لئے عرش مثل سقف ہے۔ یاد رکھو کہ مقام عظمت الوہیت میں عرش کا ذکر صرف جس حدود کے اندر رہنے والوں کے لئے ہے۔ جن کی عقلی سیر بھی مادی حدود سے آگے نہیں بڑھتی۔ ورنہ دانش سلیم اور عقل سادہ رکھنے والے ذات و افعال الٰہی کی سیر کر کے عروج و ترقی کی خواہش کو ترک کر کے نہیں بیٹھ رہتے بلکہ آگے بڑھ کر صفات کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر معرفت صفات کو معرفت ذات کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔ داؤد ظاہری ابن حزم اندلسی اور کچھ دوسرے ظاہر پرست علماء کو آیت استوی علی العرش سے تباہ کن دھوکہ ہو گیا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ عرش اللہ کا مقام اور مکان ہے اور عرش کی کوئی خاص جہت اور شکل ہے۔ یہ دھوکہ انتہائی خطرناک ہے۔ کہاں عرش اور کہاں اللہ کا مقام الوہیت۔ عرش تو اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کی عزت و سلطنت کا مظہور عاجز بے بس اور اپنی ہستی میں بھی اللہ کا محتاج اور اللہ خالق عرش ہے مالک عرش ہے حاکم عرش ہے۔ اللہ ہی کے پرتو ذات اور تجلی ذات نے عرش کو بزرگی عطا فرمائی، پس وہ اللہ کا مقام مکان مسکن فرودگاہ اور محل کس طرح ہو سکتا ہے اس لئے اس جگہ ذو العرش فرمایا تاکہ استوی علی العرش کو پڑھ کر عرش کو مقام الٰہی سمجھنے والوں کی خیالی کج روی دور ہو جائے۔

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ عظمت الوہیت کو واضح کرنے والی یہ پانچویں صفت ہے۔ غیر مادی مظاہر میں سب سے بڑی جلال الوہیت کی جلوہ گاہ القاء روح ہے۔ عام مفسرین نے لکھا ہے کہ روح سے مراد وحی اور مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ مراد انبیاء ہیں۔ بات یہ ہے کہ تمام جاندار اجسام کی زندگی روح سے ہوتی ہے اور روح کی زندگی روح الارواح یعنی وحی سے یا یوں کہو کہ وحی روح انسانیت ہے جس طرح معمولی جان روح حیوانیت ہے پس انسانوں کو انسانی زندگی بخشنے کے لئے انسانیت کی روح یعنی وحی کی ضرورت ہے۔ اس صورت میں ہر اول زندگی انبیاء کی ہوگی اور ان کے بعد تمام ان لوگوں کی زندگی ہوگی جو وحی کو مانتے ہیں۔ باقی جو وحی کو نہیں مانتے اور اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں ان کی انسانیت مردہ ہے۔ اگرچہ اُن کی حیوانیت کتنی ہی موٹی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کو مردہ کہا گیا ہے۔ اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انسانی زندگیاں سنوارنے اور ان کو حیات انسانیت عطا کرنے کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس انسان کو انتخاب فرماتا ہے اس کے پاس وحی بھیجتا ہے اور پھر اس پیغمبر کے ذریعے سے تمام انسانوں کو اللہ کا پیام پہنچ جاتا ہے۔

اللہ ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور ذہنی افکار کو کجروی سے بچائے ہماری رائے میں عام مفسرین کا خیال صحیح نہیں۔ خطیب امام رازی صاحب خازن و مدارک وغیرہم نے جو روح سے مراد وحی اور مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ سے مراد انبیاء کا ہونا بیان فرمایا ہے وہ معنوی بلاغت سے گرا ہوا ہے، بلکہ الروح من امرہ سے مراد وہی امر الٰہی ہے جو مردہ انسانیت کی حیات کا سبب ہے اور مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ سے وہ تمام انسان مراد ہیں جن کی مردہ انسانیت کو خدا اپنے امر سے زندہ کرنا چاہتا ہے۔ اس روح حیات کا ظہور انبیاء، اولیاء، اور عام اہلِ ایمان میں مختلف طور پر ہوتا ہے۔ انبیاء میں تو نور ذات کا ظہور ہوتا ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے اور انبیاء کے ساتھیوں میں نور صفات پرتو فگن ہوتا ہے۔ اور وہ تمام قضاء و قدر یعنی افعال خداوندی میں نور صفات چمکتا جھلکتا دیکھتے ہیں۔ رہے عام اہل ایمان ان کی عقلیں نور فعلی سے روشن ہوتی ہیں اور وہ آیات و براہین سے استدلال کرتے ہیں۔

toobaafoundation.com

پس یہ تینوں مدارج حیاتِ انسانیت کے ہیں اور ہر جگہ امرِ الٰہی کا تعلق مختلف طور سے ہے۔ شاید شیخ ابن عطا کا بھی یہی مطلب ہے۔ جہاں انہوں نے صراحت کی ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہے۔ مگر جب تک اس کو حقیقی حیات حاصل نہ ہو وہ مردہ ہے۔ دیکھو اللہ نے کافروں کو مردہ فرمایا ہے اور مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے حکم دیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ الآیۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے جس وحی کی طرف کنے اور اس کو ماننے کی دعوت دی ہے وہی حقیقی حیات ہے۔ پس اللہ جس مومن پر جس روح کا القاء فرماتا ہے وہی اس کے لئے حیات ہے۔ کسی پر روح نبوت و رسالت کا القاء فرماتا ہے۔ کسی پر روحِ صدیقیت کا کسی پر روحِ شہادت کا کسی پر روحِ صلاح کا پھر ان صالح لوگوں میں بھی جدا جدا خصوصیات ہیں۔ کسی پر روحِ عبادت و اطاعت کا القاء ہے تو وہ عابد مرتاض ہوتا ہے۔ کسی پر روحِ ہدایت کا القاء ہے تو وہ ہادی مہتدی ہوتا ہے کسی پر تقویٰ کی دوسری شاخوں کا القاء ہوتا ہے اور ہر خصوصیت اس کے لئے حیاتِ حقیقی کا سبب بن جاتی ہے۔

اس دقیق طرزِ کلام کا حاصل یہ ہے کہ شیخ ابن عطاء کے نزدیک آیت مذکورہ میں روح من امرہ سے صرف وحی اور مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ سے مراد صرف انبیاء ہی نہیں ہیں بلکہ روح سے روحِ انسانیت مراد ہے جس کے القاء سے آدمی کو حقیقی انسانیت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ زندہ ہو جاتا ہے خواہ وحی ہو یا صدیقیت ہو شہادت ہو یا کوئی دوسرا درجۂ تقویٰ اور خصوصیتِ ایمانیہ ہو۔ اسی طرح مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ کے مفہوم میں بھی تعمیم ہے انبیاء ہوں صدیق ہوں شہید ہوں یا دوسری طرح کے متقی اہلِ ایمان ہوں۔ رہے کفار تو ان پر صرف روحِ حیوانی کا القاء ہوتا ہے جس کو جان کہا جاتا ہے اسی لئے اگرچہ وہ ظاہر میں زندہ معلوم ہوتے ہیں مگر باطن میں مردہ ہونے کے سبب وہ مردہ ہیں۔

لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ یعنی جس بندہ پر اللہ روح امر القاء فرمانا چاہتا ہے القاء فرماتا ہے تاکہ روزِ قیامت (کے حساب کتاب اور عذاب ثواب سے لوگوں کو) ڈرائے (اور نیک بندوں کو اُخروی نجات کی بشارت دے) علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یوم التلاق قیامت کا نام ہے اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے اس روز حضرت آدم کی اپنی سب اولاد سے ملاقات ہوگی (ابن جریر) ابن زید نے کہا۔ اس روز لوگوں میں باہم ملاقات ہوگی۔ قتادہ سدی بلال بن سعد اور سفیان بن عیینہ نے کہا آسمان اور زمین والوں میں ملاقات ہوگی۔ قتادہ اور سدی کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس روز خالق و مخلوق میں ملاقات ہوگی میمون بن مہران نے کہا۔ اس روز ظالم و مظلوم باہم ملیں گے۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اس روز ہر شخص اپنے عمل کو پائے گا ہر آدمی کا کیا ہوا سامنے آئے گا نیکی ہو یا بدی جیسا کیا ہوگا ویسا پائے گا۔ (ابن کثیر)

خطیب نے لکھا ہے بعض کا خیال ہے کہ اجسام و ارواح کی باہم ملاقات ہوگی۔ بعض نے کہا پجاریوں کی ملاقات اپنے معبودوں سے ہوگی (سراج) چونکہ لفظ میں تخصیص نہیں اس لئے مفہوم میں بھی تقیید نہ کی جائے تو اولیٰ ہے۔ تلاقی کا لفظ ہر ملاقات کو شامل ہے، لیکن اس تعمیم کے باوجود ہر عمل یا ہر عمل کی سزا اور جزا پانے کا دن چونکہ قیامت کا دن ہے اس لئے اگر اس مناسبت سے روزِ قیامت کو یوم التلاق قرار دیا جائے تو زیادہ سہل القبول معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ۔ یہ ترکیبی لحاظ سے یوم التلاق سے بدل ہے۔ یعنی قیامت کے دن سب آدمی نکل کر سامنے آجائیں گے کوئی بات بھی کسی کی پوشیدہ نہیں رہے گی یوں تو اس دنیا میں بھی اللہ ہر بات کو جانتا ہے اور کسی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہاں آدمی کی آنکھوں پر جہالت و کثافت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں دیکھتا کہ میں ہر وقت ہر لمحے اللہ کے سامنے حاضر ہوں۔ قیامت کے دن یہ پردے ہٹ جائیں گے اور ہر شخص کو یقین ہو جائے گا کہ میں بارگاہِ عدالت میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں اور یہ میرے سامنے میرے اچھے برے عمل ہیں۔ ان میں سے اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ وہ وقت بڑا ہیبت ناک ہوگا۔ کسی سے کسی کی دوستی نہ ہوگی۔ کسی کا کسی پر دباؤ نہ ہوگا۔ کوئی کسی کا طرفدار اور پیرو کار نہ ہوگا۔ ہر شخص پر ہول طاری ہوگا۔ اس وقت خدا تعالیٰ فرمائے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ۔ آج کس کی حکومت ہے۔ یعنی دنیا میں تو بہت لوگ حکومت کے مدعی تھے۔ آج وہ دعوے کیا ہوئے اور مدعی کہاں گئے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے قیامت کے قریب ایک منادی ندا کرے گا۔ لوگو قیامت آگئی۔ اس آواز کو زندے اور مردے سب سنیں گے پھر (فنائے) خلق

toobaafoundation.com

کے بعد) اللہ آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرمائے گا اور فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (رواہ ابن ابی حاتم) اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا سب پر ہیبت چھائی ہوگی۔ نظریں خیرہ، لب خشک اور حلق بند ہوں گے۔ جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی فرمائے گا۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ آج حکومت صرف واحد قہار اللہ کی ہے۔ شیخ ابن عطاء نے نہایت لطیف تفسیر کی ہے۔ لکھا ہے اگر جاہلوں کی جہالت نہ ہوتی تو اللہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ نہ فرماتا، کیونکہ ازل سے ابد تک ہمیشہ سے ہمیشہ تک حکومت تو اللہ ہی کی ہے اور ملک بھی اسی کا ہے۔ لیکن کافروں کے دماغوں دلوں اور روحوں پر چونکہ پردے پڑے ہیں اس لئے یہاں ان کو تنہا خدا کی حکومت نہیں دکھائی دیتی۔ قیامت کے دن تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں گے۔ وہ خود شہادت کریں گے کہ آج حکومت اللہ واحد القہار کی ہے۔ واحد وہ ہے جو شمار سے خارج ہو۔ اور قہار وہ ہے جس نے سب کو اپنی عبودیت میں مسخر کر لیا ہو کہ یہ چار ناچار اس کی الوہیت کا اقرار کریں اور اس کی مشیت سے انحراف نہ کر سکیں گوارا ہو یا ناگوار۔ پس جب تمام دنیا والوں میں کسی ایک کی حکومت نہ ہوگی تو اس روز خدا کی حکومت ہوگی جو ہر شمار سے بالا تر ہے اور تمام مخلوق اس کی الوہیت و اقتدار کا اقرار کرنے پر مسخر ہے۔ گویا ابن عطاء کے نزدیک لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کافروں کی طرف سے اضطراری غیر اختیاری جواب ہوگا جو اُن کی زبانوں سے قیامت کے دن نکلے گا۔ ابن عطاء کا یہ قول عام مفسرین کی تشریح کے خلاف ہے۔

اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے یہ ہیچمدان کہتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے یہ سوال اور پھر اپنی ہی جانب سے یا کافروں کی زبانوں سے یہ جواب ہوگا۔ اگر کسی روایت میں اس کا ثبوت بھی مل جائے تب بھی اس جگہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے سمجھا جائے کہ قیامت کے دن یہ سوال جواب ہوں گے۔ خواہ مخواہ اپنی طرف سے کسی مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کچھ الفاظ محذوف ماننا اصول تفسیر کے خلاف ہے۔ آیت بالکل صاف اور مربوط ہے۔ مطلب بالکل سہل اور سادہ ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ وحی نازل کرنے اور پیام بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ حاملانِ وحی لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں۔ پھر فرمایا روزِ قیامت وہ ہوگا جب سب لوگ (قبروں سے) نکل آئیں گے برآمد ہو جائیں گے۔ کوئی اللہ سے چھپی نہ ہوگی۔ پھر فرمایا بتاؤ اس روز حکومت کس کی ہوگی۔ پھر خود ہی جواب دیا اس روز حکومت صرف اس خدا کی ہوگی جو یگانہ ہے اور کل کائنات اس کے ہاتھ میں مقہور و مسخر ہے۔ ان تمام الفاظ میں قیامت کے دن اس قسم کے سوال و جواب ہونے کا تو کوئی بیان ہی نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ کیا قیامت کے دن یہ سوال جواب ہوگا تو اگر کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے تو واجب التسلیم ہے ورنہ قابلِ رد۔ اس آیت میں اس مضمون کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۔ جب تمام حالات سامنے آجائیں گے اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی تو جزا سزا کا وقت آئے گا اور جو کچھ کسی نے نیکی بدی کی ہوگی اس کا بدلہ ملے گا لیکن یاد رکھو کہ نیکی وہ ہے جس کی بنیاد صحیح ہو۔ کافر کی کسی نیکی کی بنیاد صحیح نہیں۔ شرک کی گھنی ہوئی بوسیدہ جڑ سے کوئی ٹہنی اچھی نہیں پھوٹ سکتی۔ پھر پھل اچھا کہاں سے آئے گا۔ اسی لئے کافروں کے تمام اعمال ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ میں اگرچہ عموم ہے لیکن آیت فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور اسی مضمون کی دوسری آیات سے کافروں کے نیک اعمال کی تخصیص مستفاد ہوتی ہے۔

لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۔ سزا جزا میں حق تلفی کا احتمال تھا۔ دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہی تھا۔ بادشاہوں کے فیصلوں میں انتہائی احتیاط کے باوجود کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔ نہ جرم سے زیادہ سزا ملے گی نہ نیکی سے کم جزا۔ رہے اس کے خلاف دو رُخ، ایک یہ کہ جُرم سے کم سزا دی جائے یا بالکل معاف کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ نیکی سے زیادہ ثواب دیا جائے تو یہ دونوں باتیں اللہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہیں۔ آیت میں ان کی نفی نہیں ہے۔ شیخ ابو بکر بن طاہر نے کہا۔ آخرت کے دن کسی کو اپنے اعمال یا اعمال کی سزا جزا میں تردد نہ ہوگا جو اعمالنامہ سامنے آئے گا اس میں کمی بیشی کا اس کو احتمال بھی نہ ہوگا۔ نہ اس کے موافق جزا سزا ہونے میں اس کو شک ہوگا۔ ہر چیز یقینی طور پر سامنے آجائے گی۔ شیخ ابن عطاء نے کہا جس مومن کی نظر اپنے نیک اعمال پر ہے اس کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ لیکن جس کی نظر اپنی نیکیوں پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل پر ہے اس پر عوض سے زیادہ اللہ کا فضل و احسان ہوگا۔ آیت میں وارد ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا الآیۃ۔

toobaafoundation.com

إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۔ لاتعداد مخلوق کا حساب آسان کام نہیں۔ کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ ذرہ ذرہ کی حساب فہمی ایک دن میں ہوجائیگی خواہ دن کتنا ہی بڑا ہو اس کے لئے تو بے شمار حساب فہمی کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ ایک آدمی کی ساری عمر کی نقل و حرکت نشست و برخاست خواب بیداری بلکہ ہر سانس کا حساب ایک شخص آسانی سے نہیں لے سکتا پھر کتنے حساب لینے والے ہوں گے اور کیسے حساب فہمی کریں گے اور کس طرح بغیر حق تلفی کے سزا جزا دی جائے گی۔ اس کا تصور کسی انسان کا دماغ نہیں کرسکتا۔ لیکن اللہ سریع الحساب ہے۔ وہ بہت جلد حساب فہمی کرے گا۔ دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں سب کا حساب ہوجائے گا۔ (رواہ الحاکم) مومن کو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک نماز کا وقت گزرا۔ (کما فی الصحیح)

مقصود بیان عظمتِ الوہیت کو ثابت کرنے والی تین صفات کا اظہار۔ رفیع الدرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا درجہ مخلوق سے بہت اونچا ہے بلکہ مخلوق کے تصور سے بھی بلند ہے۔ یا یوں سمجھو کہ مخلوق کے درجات کو دین و دنیا میں بلند کرنے والا اللہ ہی ہے۔ لوگوں نے جو حسنِ صورت جسمانی طاقت بدنی صحت روشنیٔ حواس نسلی امتیاز صنعتی کمال اور مالی تفاوت کے لحاظ سے نیچ اونچ قائم کر رکھی ہے وہ سب ہیچ ہے۔ کسی کو اس کا حق نہیں ہے۔ ذوالعرش سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش بھی خدا کی مخلوق ہے۔ محل الوہیت نہیں یُلقِی الرُّوحَ الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانیت کو سنوارنے اور سدھارنے کے ضوابط مقرر کرنا اور بھیجنا اللہ ہی کا کام ہے یا یوں کہو کہ مردہ انسانیت کو حسب اختلاف مراتب زندہ بنانا اللہ ہی کے حکم پر موقوف ہے۔ وغیرہ

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ

اور آپ اُن لوگوں کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے (کہ روزِ قیامت ہے) ڈرائیے جس وقت کلیجے منہ کو آجاوینگے اور غم سے گھٹ گھٹ جاویں گے

حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۞ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۞ وَاللّٰهُ يَقْضِي

(اُس روز) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور اُن باتوں کو بھی جو سینوں میں

بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۞ ع ۲ ۱۱

پوشیدہ ہیں اور اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیگا اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارا کرتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کرسکتے (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

تفسیر دل سے آنکھوں تک ایک راہ ہے۔ آنکھ دروازہ ہے بیرونی اور دل بادشاہ ہے پردہ نشین جو چیز آنکھ نے دیکھی وہ اس کھڑکی سے دل میں پہنچی لیکن دل بھی مستقل بادشاہ نہیں اس کا کمرہ بھی اندرونی رُخ سے بند نہیں۔ دل نفس کا منظر ہے۔ ایک دریچہ ہے نفس کے جھانکنے کا۔ کوئی چیز آنکھ سے دکھی دل میں پہنچی، دل میں پہنچ کر نفس میں اُتری، نفس کو لذت آئی یا کراہت، اگر نفس لذتوں سے خوگر ہوگیا تو اس پوشیدہ راستہ سے وہ حصولِ لذت کی کوشش کرتا ہے یسینہ میں چھپی ہوئی خواہش کا ظہور آنکھ کے بیرونی دریچے سے ہی ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت، آدابِ شریعت کا احترام، حقیقت کا خوف، سوسائٹی کی لاج، بھیا بندوں کی شرم سب ہی نفس کے منہ میں لگام دیتی ہیں اور لذتوں کی کدورت کو صاف کرنے کی کوشش میں سرگرم رہتی ہیں، لیکن خواہش پرستی اور لذت کا حصول نفس کی سرشت میں داخل ہے اور سرشت کا بدلنا آسان نہیں۔ اس لئے نفس کی پیچ در پیچ خلاؤں کی تہہ میں اصل سرشت کا اقتضا چھپا رہتا ہے اور صرف چھپا ہی نہیں رہتا بلکہ موقع پاکر اُبلتا ہے، جوش مارتا ہے اس وقت عقل کی روشنی اور روح کا نور نفس کی کدورتوں کو صاف کرنے اور اس کو جلا دینے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر نفس عقل کے جاسوسوں سے بھی چھپ کر جب موقع پاتا ہے تو آنکھ کے دریچوں سے جھانکتا ہے۔ یہ ہوتی ہے نفس کی خیانت اور چوری اور خفیہ راستوں سے سر اُبھارنے کی کوشش۔ اسی کے متعلق فرمایا تھا الٰہی میں حضیہ خواہش سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ نفس کی نیت اور پھر آنکھ کے راستے سے اس کی خیانت کوئی بیرونی محتسب نہ جان سکے تو نہ جانے شریعت کا پابان

toobaafoundation.com

اس کو نہ دیکھ سکے تو نہ دیکھے۔ سوسائٹی کے جاسوسوں کی وہاں تک رسائی نہ ہو تو نہ ہو مگر علام الغیوب تو جانتا ہے۔ وہ اندرونی تہ نشین خواہشات سے بھی واقف ہے اور چوری چھپی خواہشوں کے حصول کے راستوں سے بھی۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ نفس کی لذت پرستی فطری ہے۔ اگر جمالِ خاطر کو اپنے چہرے کے تہ بر تہ نقابوں کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتا اور روحانی لذت سے محروم ہوتا ہے تو فطری اقتضا کو پورا کرنے کے لئے وہ آنکھ کے دریچوں کو استعمال کرتا ہے، اس استعمال کرنے میں کوئی خرابی نہ ہوتی اگر پاسبانِ عقل کی زیرِ نگرانی ان دریچوں کو کھولا جاتا اور شرعی دربانوں کی اجازت کے موافق مطالعۂ حُسن کیا جاتا مگر نفس کی رندانہ نیت پردے کے اندر کارفرما ہوتی ہے۔ وہ عقل کے پاسبان اور شرع کے نگران دونوں سے چھپ کر لذت اندوزی کی کوشش کرتا ہے۔ یہی تو وہ چوری ہے جس کو خیانتِ نفس بھی کہا جاتا ہے اور خیانتِ چشم بھی۔ کھلی ہوئی نگاہ اتنی خطرناک نہیں کہ جتنی چھپی نظر زہریلی ہوتی ہے۔ دیکھنے کو ان دیکھا ظاہر کرنا بڑی تباہ کن حرکت ہے۔ نفس کی یہ خیانت اور آنکھ کی یہ چوری اسی وقت تک چھپی رہ سکتی ہے جب تک دیکھنے والے نہ دیکھ سکیں، لیکن اگر دیکھنے والے کی آنکھ غلاف در غلاف نقاب پوش تصویروں کو دیکھ سکتی ہے اور اس کی شعاعِ نوری ہر بجلی سے زیادہ تیز ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ آنکھ کی چوری اور نفس کی خفیہ خیانت اس سے چھپی رہ سکتی ہے۔

جب نگراں کو سب کچھ معلوم ہو رہا ہے تو ضرور محاسبہ کے وقت پوری سرگزشت سامنے آئے گی اور سرگزشت کے ذرہ ذرہ کی باز پرس بھی ہوگی۔ اس وقت کوئی دل سوز مددگار حمایت کرنے والا رشتہ دار اور سفارش کرنے والا پیر و کار بھی نہ ہوگا اور فیصلہ بھی انصاف کی روشنی میں ہوگا ایسے وقت میں بری ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ یہ وقت تو اتنا ہولناک ہوگا کہ کلیجہ منہ کو آنے لگے گا۔ دم گھٹے گا۔ ہونٹ خشک ہوں گے اور حلق بستہ ہو جائے گا۔

تحلیلِ اجزاء

وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ۔ گزشتہ آیات میں ارسالِ وحی اور فرضِ رسالت کی اصل غایت بیان کرنے کے ذیل میں کچھ احوالِ قیامت بیان کئے تھے اور جزا سزا ملنے کی صراحت کی تھی اور حق تلفی کی نفی کا بلند آہنگی سے اعلان کیا تھا۔ لیکن قیامت کب آئے گی۔ کوتاہ بیں قیامت کو بہت دور سمجھتے ہیں اور سزا کا بعد زمانی یا بعد مسافت انسانی توجہ کو فوراً اس کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ آدمی سمجھتا ہے کہ ابھی تو گرفت کا وقت بہت دور ہے۔ اس طرح اس میں استغنا اور لاپرواہی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور باوجود یقینی الوقوع جاننے کے دماغ پر غفلت و ذہول کے پردے چھا جاتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اسی لئے آیتِ مذکورہ میں لفظ آزفہ فرمایا یعنی قریب آنے والی قیامت کا دن اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ گزشتہ آیات میں ارسالِ وحی کی عمومی غایت بیان کی تھی جس کا تعلق عموماً تمام انبیاء سے اور تمام اُمتوں سے برابر تھا۔ اس آیت میں خاص رسول اللہ کو حکم دیا کہ اس اُمت کو قیامت سے ڈراؤ۔ یعنی فرض انذار سے تم مستثنیٰ نہیں ہو۔ نہ تمہاری امت اس سے مستغنی ہے۔ ایک اور آیت میں آیا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ اور اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ الآیۃ۔ اسی مفہوم کو اس جگہ لفظ آزفہ سے تعبیر کیا ہے۔

اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ۔ ابن جریر نے کہا لوگ روتے ہوں گے۔ بعضوں نے کہا خاموش ہوں گے۔ کاظمین کی یہ دونوں تفسیریں غلط ہیں (ابن کثیر) صحیح مطلب وہ ہے جو قتادہ عکرمہ اور سدی نے بیان کیا کہ خوف کی وجہ سے دل حلق کے پاس آ کر اٹک جائیں گے نہ باہر نکلیں گے کہ مر کر سکون مل جائے) نہ نیچے اتریں گے کہ اطمینان اور قرار آ جائے) یعنی دل منہ کو آ جائیں گے نہ باہر نکل کر موجب سکون بنیں گے نہ اپنے ٹھکانے لگیں گے۔

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ ظالمین سے مراد ہیں کافرین اور مشرکین۔ آیت میں وارد ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ یوں تو ہر کبیرہ گناہ ظلم ہے بلکہ خالی وقت میں نفل نماز نہ پڑھنا اور وقت کو بیکار کھونا بھی بے جا حرکت ہے۔ لیکن اس جگہ سب سے اونچے درجے کا ظلم یعنی شرک مراد ہے پس مومن گنہگار کے لئے شفاعت کی نفی اس آیت سے نہیں نکلتی اور کعبی وغیرہ اہلِ اعتزال نے نفی شفاعت مومنین کا آیت سے غلط استنباط کیا ہے۔ طاعت کا حقیقی معنی تو باری تعالیٰ کے متعلق ممکن ہی نہیں۔ اللہ نہ کسی کافر کا مطیع ہے نہ مومن کا۔ اس کا مطاع نہ کوئی جلیل القدر نبی اور فرشتہ ہے نہ ابلیس ملعون اس لئے مطاع کے معنی اس جگہ مقبول الشفاعت ہیں لیکن اس سے مطلقاً شفاعت کی نفی نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ کافروں کا کوئی سفارشی ہو، مگر اس کی سفارش نہ مانی جائے گی

یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ۔ اوپر کی آیات میں قیامت کی دہشت اور ہیبت کو بیان کر کے ہر قسم کی دوستی اور سفارش کے کارگر ہونے کی نفی کی تھی۔ اس آیت میں اپنے ہمہ گیر علم کی صراحت فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز یہاں تک کہ دزدیدہ نگاہِ چشم اور پوشیدہ

toobaafoundation.com

سے پوشیدہ بات یہاں تک کہ وہ خیال جو سینوں میں چھپا ہوتا ہے خدا سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ کا صحیح مطلب یہی ہے کہ جو ہم نے بیان کر دیا۔ علمائے تفسیر نے کچھ معانی اور بھی بیان کئے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے خائنۃ الاعین اور مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ کو ایک تمثیل میں بیان کیا اور فرمایا یوں سمجھو کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں گیا وہاں ایک عورت موجود تھی۔ لوگوں کی شرم کی وجہ سے اس عورت کو تو نہیں دیکھ سکا مگر کنکھیوں سے دیکھتا رہا، یا کوئی کسی مجمع میں بیٹھا تھا اُدھر سے کوئی خوبصورت عورت گزری۔ لوگوں کی شرم سے یہ اس کی طرف نظر تو نہ اُٹھا سکا نگاہ نیچے کو رکھی مگر رہا تاک میں کہ کسی طرح اس کو دیکھ لے۔ حالانکہ اللہ خوب واقف ہے کہ اگر اس کو موقع مل جائے تو اس کی شرم گاہ تک دیکھنے سے دریغ نہ کرے۔ (رواہ ابن ابی حاتم وابن المنذر وابن ابی شیبۃ وسعید بن منصور) دوسری روایت میں آیا ہے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ آنکھوں کی خیانت سے آگاہ ہے کہ نیت بھی خیانت کی ہے یا نہیں۔

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ کا تشریحی معنی مجاہد و قتادہ سے بھی یہی مروی ہے اور مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ کی تشریح میں ابن عباس نے فرمایا۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اگر تجھے اس عورت پر دسترس مل جاتی تو تو زنا کرتا یا نہ کرتا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط و ابو نعیم والبیہقی) حضرت ابن عباس کی یہ تشریح تمثیلی ہے۔ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ یا مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ کے معنی کی تعیین نہیں ہے ورنہ خیانتِ چشم اور اخفاء دل کا حصر صرف دزدیدہ دیدارِ حسن اور نیت زنا میں ہو جائے گا۔ حالانکہ ایک مرفوع روایت میں موجود ہے کہ حضورؐ نے حکم قتل کو آنکھ کے اشارے سے پورا کرانے کی خواہش کو بھی خیانتِ چشم فرمایا تھا حضرت سعد سے مروی ہے کہ جب لشکر سمیت رسولؐ اللہ مکہ کو فتح کرتے پہنچے تو تمام غیر جنگی اہل مکہ کو امن دینے کا اعلان کر دیا۔ صرف چار مردوں اور دو عورتوں کے متعلق حکم ہوا کہ اُن کو قتل کر دیا جائے۔ خواہ کعبہ کا پردہ ہی پکڑے کھڑے ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ بن سعد بن ابی السرح تھا۔ یہ شخص حضرت عثمان کے پاس جا کر چھپ گیا۔ جب حضور نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلوایا تو حضرت عثمان عبداللہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ عبداللہ بن سعد حاضر ہے اس کی بیعت قبول فرمایئے۔ حضور نے عبداللہ کو دیکھا اور سر جھکا لیا تین بار اسی طرح ہوا حضورؐ بیعت لینے سے ہاتھ روکتے رہے تا آخر بیعت لے لی۔ اس کے بعد حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا۔ تم میں سے کوئی بھی اتنا سمجھدار نہ تھا کہ جب میں بیعت لینے سے ہاتھ روک رہا تھا تو کھڑا ہو کر اس شخص کو قتل کر دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو حضورؐ کے دل کی بات کیسے معلوم ہوتی، حضورؐ نے آنکھ کا اشارہ کیوں نہ فرما دیا۔ ارشاد فرمایا پیغمبر کے لئے خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ مناسب نہیں۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن مردویہ)

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۔ اوپر کی آیت میں اپنے ہمہ گیر اور غیب رس علم کی صراحت کرنے کے بعد اس آیت میں دو تین باتیں ظاہر فرمائیں۔ ایک اپنا خود اختیاری مگر عادلانہ فیصلہ، دوئم دوسرے جھوٹے معبودوں کی ناچاری بے بسی اور کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے عجز۔ مطلب یہ کہ قیامت کے دن عذاب ثواب اور سزا جزا کا فیصلہ خدا ہی کرے گا اور اس کا فیصلہ انصاف وحق کے ساتھ ظلم و جبر نہ ہوگا۔ رہے کافروں کے دوسرے جھوٹے معبود وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکیں گے ان کو اختیار ہی نہ ہوگا کہ کسی قسم کا فیصلہ کر سکیں۔ خواہ عادلانہ ہو یا ظالمانہ۔ حضرت ابوذر کی مرفوع حدیث میں اللہ کا ایک کلام قدسی آیا ہے، اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں جو میں گن رہا ہوں۔ یہی اعمال تم کو پورے پورے دوں گا۔ پس جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد و ثنا کرے اور جو برائی پائے وہ اپنے نفس کو ہی ملامت کرے اسی کلام قدسی میں ہے اے بندو میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے اور تمہارے آپس میں بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے۔ تم باہم ظلم نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔ اللہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور دوسرے معبود کسی قسم کا فیصلہ نہیں کریں گے اور اعمالِ خارجیہ کا علم بغیر سمع بصر کے نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ خدا سمیع و بصیر ہے یعنی دیکھنے والا ہے (بغیر آنکھوں کے) اور سننے والا ہے (بغیر کانوں کے) مطلب یہ کہ مخلوق کو سمع و بصر سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے یعنی آواز سن کر اس کی کیفیت کو معلوم کرنا اور صورت دیکھ کر اس کو جان لینا اس قسم کا علم خدا کو بہر حال اور ہمہ وقت ہے مگر اس کا سننا دیکھنا قیدِ زمان و جہت اور مکان و ہیئت سے آزاد ہے۔ وہ ہر قابل سمع آواز کو بھی سنتا ہے یہاں تک کہ قلبی خطرات کی سرسراہٹ کو بھی وہ ہر غیر مرئی صورت کو دیکھتا ہے یہاں تک کہ معقولات اور معانی اور وجدانیت اور ارادوں کی شکلوں کو بھی۔ پس حقیقت میں وہی سمیعٌ بصیر ہے اس کے علاوہ دوسروں میں سمع و بصر کی طاقت ہی نہیں کیونکہ سننے اور دیکھنے سے کسی کے گوشِ ہوش اور چشم دید اندرونی حقائق کو کما حقہٗ و اشگاف نہیں

toobaafoundation.com

کرنے ان کا سننا بھی ناقص ہے اور دیکھنا بھی۔ پھر مخلوق کی دید و شنید بھی ناقص اپنی حدود کے اندر مقید ہے۔ زمان مکان سمت جہت خارجی روشنی سموع و بصر کی محدود لطافت و کثافت غرض اسی طرح کی چند در چند اور گوناں گوں قیود میں مخلوق کی قوت دید و شنید بندھی ہوئی ہے اور اللہ کا سمیع و بصیر ہونا ان تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے۔ پس حقیقت میں سمیع و بصیر صرف خدا ہی ہے اور کوئی نہیں۔

مقصود بیان

قیامت کے قرب کی صراحت کر کے غافل اور لاپرواہ دماغ رکھنے والوں کے پردۂ غفلت کو چاک کیا ہے۔ قیامت کے دن حامی کی حمایت سفارشی کی سفارش اور یار و مددگار کے کام نہ آنے کو ظاہر فرما کر تلقین کی ہے۔ ہر محبوب پر بھروسہ ترک کرنے اور ہر معبود کی پرستش کو بیکار جاننے اور تمام دنیوی شوکت و حکومت کو ہیچ سمجھنے کی۔ یَعۡلَمُ الخ سے واضح ہو رہا ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور پوشیدہ سے پوشیدہ تصور بھی خدا سے مخفی نہیں۔ اس سے رد ہوتا ہے اُن بے وقوف اہل دانش کے مسلمات کا جو کہتے ہیں کہ خدا کو جزئیات حادثہ کا تفصیلی تو بتو علم نہیں ہو سکتا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اُن ظاہر پرست علماء کو جو قوانین شریعت کی ظاہری پابندی کر کے اپنے کو وارث شریعت اور علماء حق کہلواتے ہیں اور صلاح و تقویٰ کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ چوری چوری مخفی خباثتیں اور بدکاریاں ان کو اپنی غذا بنائے ہوئے ہیں اور اندرونی جلن حسد حُبِّ جاہ و مال اور اسلام کو تباہ کرنے والے چھپے ہوئے امراض اُن کی روحوں کو چر چکے ہیں۔ اسی طرح نصیحت کرنی لازم ہے ان سوسائٹی کے بندوں کو جو معاشرت اور ماحول کی لاج سے بیرونی گناہ تو نہیں کرتے لیکن اندرونی طور پر اللہ کی نافرمانیاں کرنے سے نہیں چوکتے۔ پس تازیانۂ ہدایت ہے اُن ریاکار مکار درویشوں اور پیروں کے لئے جو مریدوں کے حلقے میں بیٹھ کر تو جبرئیل کے بھائی معلوم ہوتے ہیں اور تنہائی میں ہو کر دیو۔ وَاللّٰهُ یَقۡضِیۡ الخ سے اللہ کے عدل کی وضاحت ہوتی ہے یعنی اللہ اگرچہ مختار ہے۔ وہ ظلم کرے تب بھی اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں لیکن وہ ظلم کرتا نہیں ہے۔ وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ الخ سے دلیل کی روشنی میں آس توڑی اُن تمام باطل پرستوں کی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کرتے اور انہی کے سہارے پر جیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ الخ میں ہے کہ اللہ کے ہی سمیع و بصیر ہونے کی صراحت ہے یعنی اس کے علاوہ کوئی سننے اور دیکھنے والا نہیں معلوم ہوا کہ وہی واقفِ حقیقت ہے کوئی دوسرا حقیقت شناس نہیں وغیرہ۔

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) لوگ اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا

کَانُوۡا هُمۡ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَمَا

وہ لوگ قوت اور اُن نشانوں میں جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سو اُن کے گناہوں کی وجہ سے خدا نے ان پر

کَانَ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ

دارو گیر فرمائی اور ان کا کوئی خدا (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا۔ یہ (مواخذہ) اس سبب سے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے رسول کی واضح دلیلیں

فَكَفَرُوۡا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝

لے کر آتے رہے پھر انہوں نے نہ مانا تو اللہ نے ان پر مواخذہ فرمایا بیشک وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے

تفسیر

کچھ لوگ ملک در ملک گھومتے پھرتے ہیں۔ شہر در شہر کے چکر لگاتے ہیں۔ تاریخی آثار قدیم عمارات، پرانے کھنڈر فرسودہ غار پہاڑوں کی بر فلک بوس چوٹیاں دخار دریاؤں کے گمنام سرچشمے سب کچھ دیکھنے اور دشوار تر جگہ پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن صرف زمانی عیاشی کے

toobaafoundation.com

واسطے سرمایہ فراہم کرنے کے لئے محقق اسکالر اور وسیع العلم سیاح کہلوانے کے لئے اور اس طرح مال و دولت یا عزت و شہرت حاصل کرنے کے لئے اس سے آگے ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ بازاروں میلوں اور تمام انسانی مجمعوں میں کافی روپیہ اور عزیز وقت صرف کر کے پہنچتے ہیں تاکہ اپنی بیمار بے تاب نگاہوں کے لئے مفرح معجونیں تلاش کریں۔ پیاسی نظروں کی پیاس بجھائیں اور بھوکے شہوت پرست نفسوں کے لئے لذیذ صنفی غذائیں حاصل کریں... یا مخصوص آلاتِ موسیقی سُریلے عندلیبی چہچہے تنیں اور زندگی بخش شہوانی لغمے سُن کر اپنے مُردہ نفسوں کو دوبارہ گناہگار زندگی عطا کریں۔ کچھ لوگ مقاماتِ مقدسہ اور مزاراتِ متبرکہ پر جاتے ہیں۔ اونچی خانقاہوں کو دیکھتے ہیں اور عطر میں ڈوبی ہوئی پھولوں سے لدی ہوئی قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ بانجھ عورت کے بیٹا ہو جائے، قاتل عدالت سے بری ہو جائے۔ حتمی موت والا مریض موت کے پنجے سے چھوٹ جائے، حسین نوجوان بیوی کو جو جن یا فرضی آسیب ستا رہا ہے وہ دُور ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ تمام نظریں خیانت کار ہیں۔ تمام سیریں گناہ بردوش اور معصیت داخل ہیں۔ یہ سب لوگ عیش پرست غافل یا بے وقوف جاہل ہیں۔ کسی کے پاس دیدۂ عبرت نگاہ اور قلبِ بیدار نہیں۔ یہ سب مُردے ہیں۔ بے حس اور مردہ دماغ ہیں مردہ دل۔ حقیقت میں دنیا میں گھوم کر دیکھنے کی چیز تو اقوام کا مدوجزر ہے۔ طاقتوروں کا زوال اور کمزوروں کا عروج جاذبِ نگاہ ہے انقلاباتِ دہر عبرت آفرین ہیں۔ پرانے کھنڈر اور فرسودہ قبریں کیا کیا پیام دے رہی ہیں۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ فطرت کی دعوت سے ترابی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ انبیاء کی پکار کو ٹھکرانے سے کیسی کیسی بربادیاں آتی ہیں اور اللہ کی ہدایت سے سرکشی کتنی عظیم الہیبت ہلاکتیں لاتی ہے۔ یہ ہیں دیکھنے اور سمجھنے کی چیزیں اور عبرت دلانے والی حقیقتیں۔

تحلیلِ اجزاء

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ تک خیانت کی نظر اور فریب کی نگاہ جُرم ہے۔ بُرے منصوبے اور بُری نیت گناہ ہے اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس لئے خیانتِ چشم اور خبثِ نیت سے پرہیز لازم ہے۔ یہ مضمون اوپر بیان ہو چکا ہے لیکن کیا چشم بند گوش بند اور ہوش بند کی تعلیم پر عمل کیا جائے اور دیکھتی آنکھ سنتے کان اور سمجھتے ہوش کے ہوتے ہوئے بہرا اندھا اور بے وقوف بن جانا چاہیے۔ اس طرح کی تعلیم چونکہ احمقانہ بلکہ خوابِ دیوانہ ہے۔ زندہ حواس کو مردہ بنا دینا فطری ہدایت کے خلاف ہے۔ اس لئے حواس و ہوش کا صحیح مصرف آیت مندرجہ میں بیان فرمایا ہے انسان کے اندر علم اور طاقت (مالی ہو جسمانی ہو حکومت کی ہو) ہی ایسی چیزیں ہیں جن پر اس کو گھمنڈ ہوتا ہے۔ علم کی طغیانی اور طاقت کی فراوانی آدمی کو بدخود غلط بنا دیتی ہے۔ طرح طرح سے وہ اپنے علم و حکمت اور طاقت و شوکت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اونچی اونچی عمارتیں بناتا اور صنعتی آثار قائم کرتا ہے۔ آخر اس کی رعونت اس کو خود فراموش بنا دیتی ہے اور عیش و طرب یا علم نما جہالت میں پھنس کر وہ زندگی کے تمام سیدھے راستوں سے بھٹک جاتا ہے۔ اُس کے عقائد و افکار میں کمزوری اور اعمالِ حیات میں غلط روی پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر کار ارحم الراحمین کو اُس پر رحم آتا ہے۔ انبیاء شمع ہدایت ہاتھ میں لے کر آتے ہیں۔ بھٹکے کج راہ مسافروں کو زندگی کا سیدھا راستہ بتلاتے ہیں لیکن مالدار متکبر یا طاقتور جاہل، انبیاء کو حقیر سمجھتا ہے۔ اُن کا مذاق اُڑاتا اور رہبرِ ہدایت کو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ رحمتِ الٰہیہ پر بھی بس نہیں کرتی۔ بدکیش مغروروں کی بے جا کوششوں کا اثر نہیں لیتی۔ انبیاء پیہم سمجھاتے ہیں۔ گرمی کی چلچلاتی جھلستی دھوپ اور سردی کی منجمد کن برف باری ان کو پیامِ رحمت پہنچانے اور قومِ گمراہ کے لئے بہبودی کی طلب سے نہیں روکتی لیکن جاہل ہٹی گمراہ اسلاف کے گمراہ پیرو کسی طرح اپنی زندگیوں کو درست کرنے کی طرف راغب نہیں ہوتے بلکہ اپنے مہربان خیرخواہوں کے دشمن بن جاتے ہیں۔ طرح طرح سے ان کو ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں۔ پیامِ حق کو مٹانے کے لئے شیطانی تدبیریں کرتے اور پیغام برانِ حق کو تباہ کرنے کے لئے طاغوتی داعیوں اور عفریتی طاقتوں کو کام میں لاتے ہیں۔ جب روئے زمین پر نجاست بڑھ جاتی ہے اور چپہ چپہ برابر ٹکڑا پاک نہیں رہتا تو گندگیوں سے پاک کرنے کے لئے غضبِ الٰہی کا سیلاب چڑھ آتا ہے۔ قومِ گمراہ کی شان و شوکت کے تمام نشان مٹا دیتے ہیں۔ فلک بوس کوٹھیاں کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں سرسبز کھیت جل جاتے ہیں۔ شاداب باغ اُجڑ جاتے ہیں۔ مغرور بدکیش قوم تباہ کر دی جاتی ہے۔ اس کے نشانات صفحۂ ہستی سے محو کر دیئے جاتے ہیں اور روئے زمین کو غلاظتوں سے صاف کر دیا جاتا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے مسکن بنا سکیں اور پچھلوں کی بربادی سے عبرت حاصل کر کے اُن کی بدکوشیوں اور بدکیشیوں کو اپنی زندگیوں پر کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دیں۔

toobaafoundation.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافر بھی گزشتہ اُمتوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ وہی دماغی رعونت وہی پندار وہی اطوار و کردار کی بد عملی اور وہی اعمال کی تباہی۔ حضور والا تشریف لائے۔ فکری و عملی گمراہیوں پر متنبہ کیا۔ غلط روی سے روکا۔ لیکن کافروں کے پندار نے ان کو مدہوش خود فراموش بنا دیا تھا۔ ان میں جہالت تھی، جتھہ بندی تھی، دولت تھی، آزادی تھی، جسمانی طاقت تھی، علم تو نہ تھا مگر عالم اسلاف کی پیروی کا دعویٰ تھا۔ اس لئے دعوت رحمت اور ندائے شفقت کو انتہائی کور باطنی کے ساتھ رد کر دیا۔ اس پر قرآن نے اُن کو اُن کے غلط پندار پر متنبہ کیا اور بتایا کہ ذرا اپنے کنویں سے نکل کر سمندر کی سیر کرو۔ گزشتہ اقوام کے پُرانے بوسیدہ کھنڈرات پر نگاہِ عبرت اندوز ڈالو۔ دیکھو وہ تم سے طاقت میں بھی زیادہ تھے اور صنعت میں بھی اُن کے آثارِ صنعت اور مظاہرِ شوکت بہت شاندار تھے لیکن جب انھوں نے اللہ کے احکام سے سرتابی کی اور پیغمبروں کی نصیحت نہ مانی تو کس طرح اس کو تباہ کر دیا گیا اور ان کی طاقت و صنعت ان کو نہ بچا سکی۔

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ کے زمانے کے کافر ہیں لیکن حکم عبرت اندوزی ہر زمانے کے کافروں کے لئے عام ہے۔ قوت سے مراد شاید جسمانی طاقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قبائلی طاقت یا حکومت مراد ہو۔ آثار سے مراد ہیں صنعتی آثار جو آرٹ کے کمال اور علم و ہنر کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں۔

فَاَخَذَ ھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِھِمۡ وَمَا کَانَ لَھُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّاقٍ۔ اللہ زبردستی کسی کو تباہ نہیں کرتا علم و طاقت کی وسعت و برتری سے مرفہیت اور اونچی زندگی کا معیار بڑا ہو جاتا ہے۔ قوم مالدار اور مرفہ الحال بن جاتی ہے۔ پس جب علم و دولت کا رُخ خطا کاریوں اور عیش پرستیوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ لوگ فطری راستوں سے ہٹ جاتے ہیں۔ جفاکشی اور محنت کوشی کو چھوڑ کر راحت پسند آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے منادی ان کو پکارتے ہیں۔ بدکاریوں پر متنبہ کرتے اور الٰہی قانون پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں مگر ان کی سیاہ کاریاں سیاہ باطنی اور کور دماغی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ وہ علمبردارانِ صداقت کی کسی پکار کی پرواہ نہیں کرتے آخر اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ کی گرفت سے اُن کی جسمانی قوت تعداد کی کثرت، علم کی فراوانی، دولت و مال کی طغیانی، حکومت کی ہمہ گیری اور جلال و شکوہ کی فلک رسی کوئی اور کچھ بھی بربادی سے نہیں بچا سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا خدا غفور و رحیم نہیں ہے۔ کیا اُس کی مہر قہر پر غالب نہیں نافرمانوں کا گناہگار ہونا درست مگر اللہ کا ارحم الراحمین ہونا بھی تو بجائے خود ثابت ہے تو پھر جرائم کی گرفت کر کے اُن کو تباہ کیوں کیا۔ اُن کی توضیح کے لئے فرمایا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡھِمۡ رُسُلُھُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوۡا فَاَخَذَ ھُمُ اللّٰہُ۔ مطلب یہ کہ اللہ نے بد اطوار زیاں کاروں کو راستی پر آنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ خواہ مخواہ ان کے جرائم کی پکڑ نہیں کی۔ اُن کی خطا کاری اور معصیت کوشی کے باوجود اللہ نے اُن پر مہربانی کی۔ رحم کیا، ان کی حالت کو درست کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجے پیغمبروں نے ان کو کھول کھول کر سمجھایا، واضح نشانیاں دکھائیں۔ لوگوں نے اُن کی رسالت کا ثبوت مانگا تو پیغمبروں نے دلائلِ واضحہ اور نمایاں نشانیاں پیش کیں جب منکرانِ حقیقت نے انبیاء کی صداقت کا انکار کر دیا تو اللہ نے اُن کو پکڑا اور سزا دی۔

اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ کیونکہ ناقابلِ شک ہے۔ یہ حقیقت کہ اللہ کمزور نہیں کہ سزا نہ دے سکے وہ خود بھی قوی ہے اور اُس کی سزا بھی شدید ہے۔

مقصودِ بیان

خیانت کا دنظر کی بجائے عبرت اندوز نظر رکھنے کی تلقین اور ملک ملک میں سیاحت کرنے کے اصل مغز کا اظہار اگرچہ حصولِ دولت اضافۂ علم وسعت تجربہ اور دوسری شخصی قومی اغراض کے لئے سفر کرنا جائز ہے لیکن سیاحت کا اصل گُر عبرت اندوزی سے حال کو ماضی پر قیاس کرنا اور مستقبل کو درست کرنے کے لئے ماضی کو پیشِ نظر رکھنا اور اقوامِ پارینہ کے احوال اور مدو جزر کو سبق آموز غور سے پڑھنا مقصد سیر ہے تفریح کے شیدا حُسن پرستی کے دلدادہ اونچی قبروں پر جا کر مُرادیں مانگنے کے شوقین اس سے نصیحت حاصل کریں۔

فَاَخَذَ ھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِھِمۡ الخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ ظالم نہیں۔ کسی کی ترقی کو تباہ کرنے کا اُس کو شوق نہیں بلکہ انسان کی خطا کاریاں اور گمراہیاں خود اُس کی تباہی کے اسباب بن جاتی ہیں اور جرائم کی پاداش میں اللہ اُس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ الخ۔ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ آخری حجت پوری کر دیتا ہے۔ جرائم کی گرفت بھی بغیر آخری ہدایت کے نہیں کرتا۔ بدکاریوں پر آگاہ کرتا ہے۔ پیہم پیغمبر بھیج کر نصیحت کرتا ہے اور اصلاحِ حال کے تمام مواقع فراہم کرتا ہے۔ لیکن جب لوگ پیغمبروں کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں اور حقیقتِ صادقہ کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ گویا حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتے ہیں اور اُن کی قوتِ تمیز ختم ہو جاتی ہے تو خدا اُن کو تباہ کر دیتا ہے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو اُن لوگوں

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ

نے کہا کہ یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے پھر (اس کے بعد) جب وہ (عام) لوگوں کے پاس دینِ حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر آئے تو اُن (مذکور) لوگوں نے

اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

(بطورِ مشورہ کے) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور انکی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی اور فرعون

ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ

نے (اہلِ دربار سے کہا) کہ مجھ کو چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور اس کو چاہیے کہ اپنے رب کو (مدد کے لئے) پکارے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ (کہیں) تمہارا دین (نہ) بدل ڈالے

فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ

یا ملک میں کوئی خرابی (نہ) پھیلا دے اور موسیٰ نے جب (یہ بات سنی تو کہا) کہ میں اپنے اور تمہارے (یعنی سب کے) پروردگار کی پناہ لیتا ہوں

مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ع ۳

ہر خر دماغ (کے شر) سے جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا

تفسیر حق و باطل کا ٹکراؤ اور طاغوتی طاقتوں کی دسیسہ کاریوں سے اہلِ صداقت کی سورج نما دلائل کا تصادم ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ سچائی کے مقابلہ میں جھوٹ نے پیہم شکستیں کھائی ہیں۔ جاہل باطل پرستوں کا قاعدہ ہے کہ حق کا آفتاب جب چمکتا ہے اور اس کی کرنیں ان کی آنکھوں میں چکا چوند اور دماغوں میں خیرگی پیدا کر دیتی ہیں اور وہ آنکھیں اٹھا کر نگاہ جما کر دیکھنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو اپنی بیچارگی اور شکست پر مکر کا پردہ ڈالنے کے لئے کہتے ہیں یہ حق نہیں جادو ہے۔ یہ شخص جادو دکھا کر نبوت اور خدا رسی کا دعویٰ کر رہا ہے پکا جھوٹا ہے۔ لیکن نبوت کہاں اور جادو کہاں۔ ایک نورِ لطیف دوسرا نجاستِ غلیظ، ایک پاکیزگی اور طہارت کا سیال چشمہ، دوسرا گندگی اور پلیدی سے بھرا ہوا متعفن کوڑا گھر۔ انبیاء اپنی شستہ مہکتی ہوئی تعلیم پیش کرتے ہیں جو اخلاق کو سنوارتی، معاشرت کو سدھارتی اور زندگیوں کو پاکیزہ بناتی ہے۔ ساحر کے پاس انسانیت کو درست کرنے کا کوئی دستور و آئین نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس کے چند عجیب کرشموں کو دیکھ کر لوگ اُس کی برتری مان لیں اور اس کی مغرور بزرگی کے سامنے سر جھکا دیں۔ چنانچہ انبیاء کی روشنی ہدایت کو مان کر جب بعض پاکیزہ فطرت والے اپنی زندگیوں کو مانجھنے اور جلا دینے لگتے ہیں تو کور بصیرت ظالم اُن کے بھی دشمن بن جاتے ہیں۔ طرح طرح سے دکھ پہنچاتے اور ستاتے ہیں۔ پھبتیاں اڑانا مذاق بنانا، آوازیں کسنا مالی اور جسمانی اذیتیں دینا ان کا دن رات کا مشغلہ بن جاتا ہے اور جب اس طرح بھی سورج کی شعاعوں کو وہ ماندہ نہیں کر سکتے تو بعض شقی القلب سنگ دماغ بے رحم روحوں والے اہلِ حق کے معصوم بچوں کو قتل کرنے اور بے داغ بچیوں کو اپنی خدمت کرانے اور نفسانی آگ کو بجھانے کے لئے باقی رکھ چھوڑنے کا وطیرہ اختیار کر لیتے ہیں لیکن یہ حرکت عمومی نہیں۔ ہر باطل پرست اتنا سنگدل نہیں ہوتا۔ اتنی قساوت کی مثالیں تاریخ میں چند ہی ملیں گی۔ عام جاہلانہ دستور یہ رہا ہے کہ جب ہر طرف سے کامیابی کے راستے بند نظر آئے کوئی فریب کوئی اغوا کوئی تخویف دہشت انگیزی سود مند نہ ہوئی اور حاملانِ حق کو مالی اور جسمانی اذیتیں پہنچانے کا

toobaafoundation.com

جو کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو طاغوتی گروہ فیصلہ کن اقدام پر اتر آیا۔ اس نے باہم مشورے کے بعد طے کر دیا کہ اس مدعی نبوت کو قید کر دو تاکہ جیل خانے کے دُکھ اٹھا کر
اس کا دماغ صحیح ہو جائے یا قتل ہی کر دو، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، لیکن ہر ظلم کی کوئی وجہ جواز ظالم ڈھونڈھ ہی لیتا ہے۔ ظالمانہ ٹیکسوں سے
رعایا کا مال چھین لینا اور ڈاکہ مار کر لوٹ لینا نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ لیکن ایک جگہ ظلم نے قانونی شکل اختیار کر لی ہے کیونکہ ظالم زیادہ مکار
ہے۔ دوسری جگہ ظالم کے بے وقوف ہونے کی وجہ سے ظلم آئینی پوزیشن اختیار نہیں کر سکا ہے۔ چنانچہ پیغمبر الٰہی کو جب فریبی ظالم قتل کرنے کا فیصلہ کرتے
ہیں تو اس کی وجہ جواز بھی تلاش کر لیتے ہیں کہتے ہیں یہ شخص ملک میں فساد پھیلاتا اور لوگوں کے مذہب کو بگاڑتا ہے۔ امنِ عالم کو تباہ کرنا اور کسی کے مذہب
کو بگاڑنا سنگین جرم ہے جس کی سزا قتل ہے، اس لئے ایسے آدمی کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے۔ ظالموں کا یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کمزور ایمان والوں کو لرزا دے
لیکن جس کی رگ رگ میں اور دل کی خلاؤں کے ہر خلئے میں حق رچ چکا ہو جو حق اور حق بھیجنے والے خدا کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہو، جس کا ایمان کسبی اور یقین
صرف علمی نہ ہو بلکہ شہود سے ترقی کر کے وہ حق الیقین تک پہنچ چکا ہو وہ باطل کے کسی فیصلہ سے نہیں ڈرتا، سرکش جاہلوں کے سامنے اس کی گردن نہیں
جھکتی۔ اس وقت بھی وہ پکار کر کہتا ہے۔ لوگو رب ایک ہی ہے تم سب کا بھی اور میرا بھی۔ مجھے اسی کی پناہ کی ضرورت ہے۔ یہ مغرور زندگی کو محاسبہ
خودی سے آزاد سمجھنے والے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں اپنے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

تحلیل اجزاء

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۔ اوپر ایک عام تبصرہ فرمایا تھا کہ انبیاء کو جن لوگوں نے جھوٹا قرار دیا
اور ان کا حکم نہ مانا ان کو برباد کر دیا گیا چاہے وہ کتنے ہی طاقتور تھے۔ مگر انبیاء کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ ان آیات میں
حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ (بطور ثبوت) بیان فرمایا تھا کہ رسول اللہ کو قوم کی سرکشی اور تکذیب سے رنج نہ ہو اور فرعون جیسے بادشاہ کی سرتابی کا نتیجہ
دیکھ کر کافروں کو عبرت ہو۔ عاد ثمود طسم جدیس اگرچہ عربی قومیں تھیں لیکن ان کا زمانہ بہت قدیم تھا۔ ان کے تمدن کا کچھ تاریخی پتہ بھی نہیں۔ کچھ فرسودہ
کھنڈر سر راہ قوم ثمود وغیرہ کے عربی قافلوں کے سامنے آتے تھے لیکن ان سے اصل شکوہ وجلال کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ان
کا کوئی مفصل تذکرہ نہیں ملتا اس لئے جاہل ضدی ہٹ دھرم کافر ان کی بربادی کو زیادہ عبرت اندوز نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ لیکن فرعونِ مصر کا تذکرہ
کوئی پوشیدہ راز نہ تھا۔ بنی اسرائیل کا مصر کو جانا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آباد ہونا۔ پھر حضرت موسیٰ سے پہلے ہی قبطیوں کے ہاتھوں
طرح طرح کے دُکھ اٹھانا اور اچھوت شودر بن کر قبطیوں کی خدمت کرنا پھر حضرت موسیٰ کا مبعوث ہونا۔ فرعون سے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کی
خواہش کرنا۔ فرعون کا انکار کرنا۔ موسیٰ کے خلاف ہر قسم کی مکاری اور زور آزمائی کرنا آخر شکست کھا کر دریا میں لشکر سمیت ڈوب مرنا۔ یہ واقعات وہ تھے
جن کو یہودی اور عیسائی بھی مانتے تھے اور اہل کتاب کی وساطت سے غیر کتابی عربوں کو بھی ان کا پتہ تھا اس لئے قرآن میں جابجا کہیں طویل کہیں مختصر حضرت
موسیٰ بنی اسرائیل اور فرعون و ہامان کا ذکر کیا گیا تاکہ نصیحت حاصل کرنے والے نصیحت حاصل کریں۔

آیت مذکورہ میں آیات سے حضرت موسیٰ کے عام معجزات اور سلطان مبین سے مخصوص معجزۂ عصا مراد ہے۔ واللہ عنداللہ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ ۔ فرعون شاہِ مصر ہامان اس کا وزیر اور قارون ایک مالدار اسرائیلی تھا۔ قارون کا صرف نام آیا ہے۔ اس کا کوئی
مفصل واقعہ اس جگہ مذکور نہیں۔ کیا فرعون و ہامان بھی حضرت موسیٰ کی امت دعوت میں داخل تھے اور اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کو ان دونوں کی ہدایت
کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے متعلق علماء کے اقوال میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس صرف اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ
بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور ترک وطن کر کے موسیٰ کے ساتھ شام کو جانے کی اجازت دیدے۔ اصل غرض فرعون کی ہدایت نہ تھی۔ اکثر علماء کا قول اس
کے خلاف ہے۔ سورۂ اعراف کی آیات بھی اس کی شاہد ہیں اور یہاں کی آیت میں بھی صاف نص ہے کہ موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کو صرف فرعون ہامان اور قارون کی ہدایت کا حکم نہیں تھا بلکہ آپ کی دعوت تمام اسرائیلیوں کے لئے عمومی تھی۔
ممکن ہو سکتا ہے کہ قبطیوں کو بھی آپ نے پیام ہدایت دیا ہو لیکن یہ تینوں بڑے آدمی تھے۔ ان کی شخصیتیں مصر میں بہت اونچی تھیں۔ فرعون بادشاہ
تھا اور خدائی کا مدعی۔ دوسرا ہامان وزیر تھا فریب میں شیطان کا استاد۔ تیسرا قارون تھا عدیم المثال سرمایہ دار جس کا نام اب تک ضرب المثل ہے۔ گویا
حکایت اور سرمایہ پرستی نے مل کر مصر میں غریبوں کو لوٹا تھا۔ ان کے پاس بھیجنے کے معنی صرف یہ تھے کہ اگر یہ مان گئے تو پھر مصر میں دینِ الٰہی کی اشاعت میں

toobaafoundation.com

کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۔ حضرت موسیٰ نے اللہ کا پیام فرعون کو پہنچایا فرعون کی رعونت نے اجازت نہ دی کہ حق کا اقرار کرے حضرت موسیٰ
نے معجزات دکھائے۔ سر دربار لاٹھی اژدھا بن گئی ۔ ہامان کے مشورے سے فرعون نے اطراف ملک سے ساحروں کو طلب کیا۔ اسکندریہ کے میدان میں تقابلہ
ہوا۔ ساحر مغلوب ہوئے اور ایمان لے آئے ۔ فرعون نے ساحروں کو دردناک طریقہ سے قتل کرا دیا۔ ملک میں شور مچ گیا حضرت موسیٰ نے عمومی ہدایت کا اعلان
کیا۔ جوق در جوق بنی اسرائیل موسیٰ کی طرف آنے لگے ۔ ممکن ہے کچھ قبطی بھی ایمان لائے ہوں مگر فرعونیوں میں سے کوئی مومن نہ بنا صرف ایک عورت آسیہ
فرعون کی بیوی اور ایک مرد جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آتا ہے مسلمان ہوئے ۔ ہامان پر اپنی جگہ لرزہ طاری ہوگیا۔ موسیٰ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکے ۔ مقابلہ میں پیہم
شکستیں کھائیں مگر سب نے مل کر ایک شیطانی تدبیر سوچی اور موسیٰ کے زور توڑنے کے لئے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۔ فیصلہ کیا کہ جو لوگ مومن ہوگئے ہیں یا آئندہ
مومن ہوں اُن کے نرینہ بچّوں کو قتل کر دو اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو۔ مطلب یہ کہ بچّوں کے قتل کے خوف سے کوئی آئندہ موسیٰ کی جماعت میں داخل نہ ہوگا
اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ بھی لوٹ جائیں گے ۔ لڑکیوں کی زندگی کی خواہش بھی رحم کے جذبہ کے زیر اثر نہ تھی بلکہ اپنی نفسانی پیاس کو بجھانے اور
چھوکریوں باندیوں کا حلقہ وسیع کرنے کے لئے ایسی تدبیر سوچی تھی ۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔

ایک ضروری یادداشت

بچّوں کے قتلِ عام کا یہ حکم کیا وہی حکم جو حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے نجومیوں کے مشورے کے
مطابق بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنے کے متعلق فرعون نے دیا تھا یا یہ دوبارہ قتل کا عمومی
حکم اس وقت ہوا تھا جب حضرت موسیٰ پیغمبر بن کر فرعون کے دربار میں پہنچے اور ساحروں کو شکست دی اور فرعون مجبور ہوگیا۔ سیاق قرآنی موخر الذکر شق پر
دلالت کر رہا ہے ۔ ترتیب بیان اس کی شاہد ہے۔ امام رازی کا بھی یہی قول ہے ۔ سورۂ اعراف کی آیات بھی اسی پر دلالت کر رہی ہیں جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ فرعونیوں
نے فرعون سے کہا۔ آپ نے موسیٰ کو اجازت دیدی کہ آپ سے اور آپ کے معبودوں سے قطع تعلق کرے۔ اس وقت فرعون نے جواب دیا تھا۔ اب ہم اُن کے
لڑکوں کو قتل کریں گے ۔

غرض بچوں کے قتلِ عام کا حکم جاری ہوگیا۔ مگر طاغوتی تدبیریں اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔
وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۔ منکرینِ خدا کی مکاری منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتی ۔ اُس کو کامیابی کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ بچے قتل ہوتے تھے۔
وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ معصوم ہستیاں بے قصور ذبح کی جاتی تھیں۔ اہلِ ایمان دیکھتے تھے اور راہِ خدا میں
قربانیاں دے رہے تھے مگر کسی کی بھوں پر میل نہ تھا۔ حضرت موسیٰ سے ضرور شکایت کرتے تھے اور حضرت ان کو تسلی دے دیتے تھے۔ آخر یہ تدبیر بھی سودمند
ثابت نہ ہوئی تو فرعون نے (جھلا کر) اپنے اہلِ شورہ سے کہا۔ اب مجھے تم لوگ اجازت دو میں موسیٰ کا کام ہی تمام کئے ڈالتا ہوں ۔ اس کو قتل کرائے دیتا ہوں۔
اب وہ اپنے خدا کو (مدد کے لئے) بلائے (دیکھوں اس کا خدا کیا کرتا ہے)
فرعون کا اہلِ مشورہ سے موسیٰ کے قتل کی اجازت مانگنا اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس وقت تک شاید ملک میں فتنہ وفساد کے خوف سے اُسی کے
درباریوں نے موسیٰ کے قتل سے اس کو روکا تھا۔ حسن بصری اور بعض دوسرے علماء اس کی تائید میں ہیں اور قتل سے روکنے کی مختلف وجوہ پیش کرتے ہیں۔
(۱) ممکن ہے فرعون کے درباریوں میں کچھ موسیٰ کے طرفدار بھی ہوں جو فرعون کو موسیٰ کے قتل سے روکتے ہوں ۔ (۲) فرعونیوں نے فرعون سے کہا موسیٰ
معمولی ساحر ہے۔ ایسے آدمی کو قتل کرنے سے رعایا کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو جائے گا کہ فرعون موسیٰ کا مقابلہ نہ کر سکا مجبور ہو کر قتل کرا دیا۔ (۳) ممکن
ہے کچھ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ اگر موسیٰ مارا گیا تو اس وقت تک فرعون جس قدر ہماری عزت و توقیر کرتا رہا ہے اس میں کمی آجائے گی۔ اس لئے ہماری ذاتی
اغراض کو موسیٰ کے قتل سے نقصان پہنچے گا۔
میری رائے میں کسی نے بھی فرعون کو نہیں روکا تھا۔ حقیقت میں فرعون خود خوفزدہ ہوگیا تھا۔ موسیٰ کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر اس کو اپنی سلطنت
کے لئے خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ مگر موسیٰ کو قتل کراتے بھی ڈرتا تھا۔ کہیں ملک میں بکایک بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے اور سلطنت تباہ نہ ہو جائے مگر انتہائی مکاری کے

toobaafoundation.com

ساتھ اپنے خوف کو چھپا کر ممانعتِ قتل کا مشورہ اہلِ دربار کے سر ڈالا اور پھر اُن سے قتل کی اجازت طلب کی۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۔ مکار ظالم ظلم کو قانونی شکل میں پیش کرتا ہے اور حقیقت میں ظلم کا آئین بنا لیتا ہے۔ فرعون نے اپنے ساتھیوں کے جذبات سے کھیلنا چاہا۔ انسان دو ہی چیزوں کا تحفظ بہت زیادہ ضروری خیال کرتا ہے۔

(۱) مذہب اور آبائی مذہب اُس کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ کسی طرح وہ اس کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ جو شخص اس کے مذہب میں مداخلت کرے، یا مذہبی جذبہ کو ٹھیس لگائے اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ (۲) جان و مال اور آبرو کی حفاظت بھی ہر ایک کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ ملک میں تباہی پھیلنے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی جان و مال محفوظ نہ رہیں۔ اگرچہ مذہبی تبدیلی ہو یا حکومت کا انقلاب دونوں چیزیں واجب العمل ہی ہیں مگر اسی وقت جبکہ غلط مذہب کی جگہ صحیح مذہب اور ظالم حکومت کی جگہ عادل حکومت کو دی جائے۔ سمجھدار بلند حوصلہ آدمی ایسے انقلاب کو دیتے ہیں۔ مذہب و حکومت کی اصلاح کی صورت ہی یہ ہوتی ہے۔ سڑے ہوئے عضو کو کاٹ کر پھینک دینے سے باقی اعضاء میں صحت برقرار رہتی یا زائل شدہ صحت واپس آجاتی ہے۔ تخریب کے بغیر تعمیر کا امکان ہی نہیں خشکی نہ ہو تو تبخیر کس طرح ہو اور ابر اٹھ کر پانی کس طرح برسے۔ قانونِ قدرت ہی یہ ہے کہ غیر صالح چیزوں کو بگاڑ کر صالح چیزوں کو اُن کی جگہ دی جائے سوکھ جانے والے درختوں کو کاٹ کر اُن کی جگہ نئے پودے لگائے جاتے ہیں تاکہ ٹھنڈا سایہ اور لذیذ پھل پیدا ہو سکیں، لیکن عام طور پر سادہ لوح آدمی انقلاب کے نام سے لرزتا ہے۔ وہ صالح اور غیر صالح میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ موجودہ حالت پر ہی پست حوصلہ بیوقوف آدمی قناعت کرنا اہم خیال کرتا ہے۔ فرعونیوں کو اپنا مذہب پیارا تھا، اپنی حکومت محبوب تھی۔ اپنی جان و مال اور عزت سب کچھ ان کو عزیز تھا۔ فرعون مکار ظالم تھا۔ موسیٰ کے قتل کی اجازت طلب کی تو وجہ جواز پیش کی۔ لوگوں کے جذبات سے اپیل کی کہ وہ قتل کی اجازت دیدیں ورنہ اندیشہ ہے کہ ان کا مذہب برباد ہو جائے گا۔ امنِ عام میں خلل پڑ جائے گا ملک میں فساد پھیل جائے گا۔ لوٹ مار شروع ہو جائے گی۔ حکومت میں انقلاب آجائے گا۔ مالدار محتاج اور عزت والے ذلیل ہو جائیں گے۔ یہ تھا فرعون کا اندیشہ تھا جس کو پیش کر کے اُس نے لوگوں کو موسیٰ کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۔ روشن دماغ اور نورانی رُوح رکھنے والے دانشور بلند حوصلہ ہوتے ہیں۔ وہ دشمن کے کسی ظلم کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ نہ مخالف کی دھمکیوں سے ڈرتے ہیں اور پھر ان میں انانیت اور بر خود غلطی بھی نہیں ہوتی ان کو اپنی طاقت کا پندار بھی نہیں ہوتا۔ ان کی نظر ان تمام ناقص مادی طاقتوں کی کار فرمائیوں سے بہت اونچی ہوتی ہے۔ وہ دنیا کی ہر بڑی سے بڑی طاقت کو غیبی طاقت کے سامنے ذرہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے دامنِ پناہ کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ اُن کو نہ دشمن کی طاقت سے خوف ہوتا ہے، نہ اپنی قوت کا نشہ۔ صرف اللہ کی ہمہ گیر طاقت پر اعتماد ہوتا ہے۔ وہ اللہ کو مہربان اور رب جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس کا رب خدا ہو اور جو خدا کی ربوبیت پر نظر رکھتا ہو اور رب کو خدا باقی رکھنا چاہے اور ترقی دے کر کمال کی حد تک پہنچانا چاہے اُسے کون ہٹا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ صاحبِ وحی تھے اسرارِ قدرت سے واقف تھے۔ اللہ کی ہمہ گیر طاقت پر اُن کو یقین تھا۔ اس کی ربوبیت پر ایمان تھا۔ ایمان کیا تھا خود آنکھوں سے اللہ کی مہربانی اور امدادی طاقت کو دیکھ رہے تھے، اس لئے بجائے خوفزدہ ہونے اور خود اپنی طاقت پر بھروسہ کر کے اپنے بچاؤ کا سامان فراہم کرنے کیلئے انہوں نے اللہ کے دامنِ ربوبیت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اعلان کر دیا کہ ان مغرور ظالموں سے مجھے کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے رب کی اعانت کا یقین ہے۔ میں اسی کی پناہ چاہتا ہوں۔

مقصودِ بیان

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ پیغمبروں کی دعوت بے دلیل نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ کے پاس واضح نشانیاں اور دلائل تھے۔ خصوصاً ایک کھلی سند بھی تھی جس کا مقابلہ فرعون جیسے جابر بادشاہ اور ہامان جیسے خبیث وزیر بھی نہ کر سکتے تھے۔ اِلٰی فِرْعَوْنَ الخ سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا کیونکہ بھیجا گیا تھا کیا اس کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی یا اسرائیلیوں کی آزادی کا اس سے خواہش کی گئی تھی آیت اس تفصیل سے خاموش ہے۔ صرف سیاق بتا رہا ہے کہ فرعون کو ہدایت کرنا بھی موسیٰ کے فرائضِ رسالت میں تھا۔ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے زمانے میں بھی ساحروں کی غیر معمولی عزت نہ تھی گو ساحر بھی ایک ہنر یا ایک فن سمجھا جاتا تھا جس کو جاننے والا ایسی عزت و اقتدار کا مالک نہیں خیال کیا جاتا تھا جو بادشاہوں کا مقابلہ کر سکے۔ کذاب کا لفظ اگر تاکیدی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے زمانے میں بھی لوگ سحر کو جھوٹ سمجھتے تھے حقیقت سے خالی۔ صرف نظر بندی یا کوئی اور کرشمہ سازی۔ تغیری حقائق کی بنا اُن کی نظر میں بھی سحر پر صحیح نہ

تھی۔ قَالُوا اقْتُلُوْٓا الخ سے مستنبط ہو رہا ہے کہ باطل پرست شقی القلب رعونت زدہ آدمی اہلِ حق کو شکست دینے کے لئے کبھی سخت ترین اقدام سے بھی نہیں جھجکتا اور ایسی بے رحمی کا مظاہرہ کرتا ہے جو جانوروں کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اِسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونی چاہتے تھے کہ اسرائیلی عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت ہو جائے (تاکہ ان کو ترقی کا موقع ہی نہ ملے۔ عزت و ناموس بھی برباد ہو اور رشود راچھوت بن کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جس قوم میں عورتوں کی کثرت ہوتی ہے اس کی عزت و ناموس کا تحفظ دشوار ہو جاتا ہے اور مدافعت کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے) اس سے یہ بات بھی مستفاد ہو سکتی ہے کہ فرعون والے نفس پرست مکار اور قوم پرستی کے نشہ سے چور تھے۔ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ الخ میں صراحت ہے کہ کافروں کا فریب کوئی بھی اللہ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ الخ سے مترشح ہو رہا ہے کہ فرعون بڑا فریبی تھا۔ گویا اس وقت تک موسیٰ کو قتل نہ کرنے کی وجہ اپنے درباریوں کی ممانعت کو قرار دے رہا تھا اور خود موسیٰ پر ہاتھ ڈالنے سے جو اس پر لرزہ طاری تھا اُس کو پُر فریب الفاظ میں چھپا رہا تھا۔ ایک بات یہ بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ فرعون ظالم بھی تھا اور مغرور بھی۔ بے دریغ خون بہانے پر بھی آمادہ تھا اور خدا کی طاقت کو بھی کچھ نہ جانتا تھا اور واقعی بے رحمی غرور نفس کا نتیجہ ہوتی بھی ہے۔ پر خود غلط افراد دوسروں پر مظالم ڈھانے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ الخ سے واضح ہو رہا ہے کہ فرعون درباریوں کو بھڑکا رہا ہے قوم کے جذبات سے کھیل رہا ہے اور اس طرح موسیٰ کے قتل کے بعد جو اندیشۂ فساد تھا اس کے مقابلے میں اپنے ساتھیوں کو محاذ بند بنانا چاہتا تھا۔ وَقَالَ مُوْسٰٓى الخ سے ثابت ہے کہ اہلِ حق باطل کی کسی طاقت اور دھمکی سے مرعوب نہیں ہوتے۔ ان کو حق کی طرفداری میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ ظاہر اسباب سے خوفزدہ نہیں ہوتے بلکہ ان کی نظر عالمِ غیب پر ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز میں اللہ کی طاقت کو کارفرما دیکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جس خدا نے ربوبیت کا ذمہ لیا ہے اُس کے وعدۂ ربوبیت کو کوئی شیطانی طاقت شکست نہیں دے سکتی اس لئے وہ سخت مصیبت کے وقت بھی اللہ کے دامنِ پناہ میں چھپنا چاہتے ہیں وغیرہ۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ

اور (اس مجلس مشورہ میں) ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے اور (اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا کیا تم ایک شخص کو (محض) اس بات پر قتل

يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ

کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (اس دعوے پر) دلیلیں (بھی) لیکر آیا ہے اور اگر (بالفرض) وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ

كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

اُسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے اُس میں سے کچھ تو تم پر (ضرور ہی) پڑے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ

پہنچاتا جو (اپنی) حد سے گزر جانے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو اے میرے بھائیو آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو

فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى

سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کریگا اگر (اُن کے قتل کرنے سے) وہ ہم پر آپڑا فرعون نے (یہ تقریر سُن کر جواب میں) کہا کہ میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں

toobaafoundation.com

وَمَآ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ○

(کہ ان کا قتل ہی مناسب ہے) اور میں تم کو بس طریق مصلحت بتلاتا ہوں

تفسیر سیاہ پتھروں میں کبھی کوئی ہیرا بھی چھپا ہوتا ہے۔ سڑے ہوئے کوڑے میں کبھی کوئی جوہر آبدار بھی دفن ہوتا ہے۔ اندھیرے کالے بادلوں کے پیچھے کبھی آفتاب بھی ہوتا ہے۔ ظلمت کفر میں کبھی نور ایمان کا کوئی ذرہ بھی مخفی ہوتا ہے۔ ظلم کی فوج میں کسی رحم دل سپاہی کا ہونا اور باطل پرستوں کے جتھے میں کسی حق پرست کی موجودگی بعید نہیں۔ جب باطل کی طاقت کو شکست دینی اور ظالموں کی جڑ اکھاڑنی مقصود ہوتی ہے تو سیاہ باطن گروہ میں سے ہی اللہ کسی کے دل کو روشن کر دیتا ہے اور جب تک روشنی کو چھپائے رکھنا ضروری ہوتا ہے اس کو مخفی رکھا جاتا ہے لیکن جب وقت کے تقاضے کے تحت اس کا ظہور مناسب ہوتا ہے اس کو رونما کر دیا جاتا ہے یہ بھی یاد رکھو کہ اہل حق اپنی قوم کے طرفدار ہوتے ہیں۔ ان کی سرکشی سے ابھری بار بار باطل آخر ہو مگر ان کا جذبہ خیر خواہی ہر وقت قوم کی بہتری کے لئے کام کرتا رہتا ہے لیکن ان کی خیر خواہی دوست نما دشمن کی طرح نہیں ہوتی بلکہ کونین کی گولی کی طرح تلخی کے ساتھ شیریں نتیجہ کی حامل ہوتی ہے وہ زہر کے بھی خواہ ہوتے ہیں اس لئے دانشور اور بھی خواہی کرتے ہیں۔ حریف کو شکست دینے کے لئے ہٹ دھرم ضدی ظالم جن مظالم سے دریغ نہیں کرتا وہ عاقلانہ دلائل کی روشنی میں اس کو باز داشت کرتے ہیں اور ظلم نہ کرنے کی صورت میں جن تباہ کن نتائج سے محفوظ رہتا ہے اس کو بھی کرتے ہیں۔ حریف اگر حق پر ہے تو اس کی حقانیت کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور قوم کو بھی سچی بات مان لینے پر آمادہ کرتے ہیں مگر لطیف بیان اور پُر مغز طرز کلام کے ساتھ۔ آخر کار کفر کی جبروتی طاقت شکست کھاتی اور لاجواب ہو جاتی ہے۔ اپنے ہی لشکر کے ایک سپاہی کی حق بیانی کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا باطل کی خرج میں ابتری پھیل جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے کلام کا طرز حاکمانہ نہیں بلکہ بے جان واعظانہ ہو جاتا ہے۔ رعونت کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے اور لیڈری کی شکست پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ میں سردار کفر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میری نظر میں جو بات صحیح تھی وہ میں نے کہدی جو سیدھا راستہ تھا وہ دکھا دیا۔ اب آگے تمہارا کام

تحلیل اجزاء وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ حضرت موسیٰ کے قتل کے مشورے ہوئے تو اتفاقاً ان پتھروں میں اس وقت ایک ہیرا بھی تھا۔ فرعون کے ساتھیوں میں ایک شخص در پردہ مسلمان ہو گیا تھا اس نے (غضب ناک ہو کر قوم کو ڈانٹ بتائی اور) کہا۔ اس شخص کا نام کسی نے حبیب، کسی نے شمعون اور ابن عباس نے حزقیل بتایا ہے (مبہمات سیوطی) ابن جریر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ فرعونیوں میں سے صرف دو آدمی ایمان لائے تھے۔ ایک عورت، ایک مرد۔ عورت فرعون کی بیوی تھی اور مرد یہی شخص تھا۔ اسی نے حضرت موسیٰ کو پہلے یہ اطلاع دی تھی کہ فرعون کے اشارے والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (رواہ ابن ابی حاتم)

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ کیا اللہ کو جو شخص اپنا رب کہتا ہے تم اس کو قتل کر رہے ہو یعنی جو فرعون کی ربوبیت کا قائل نہیں بلکہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے بس یہی اس کا جرم ہے اور اس کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل نہیں۔ وہ رب کے پاس سے اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کھلے ہوئے نشانات بھی لایا ہے۔

امام رازی نے اس جگہ سے استخراج کیا ہے کہ فرعون کا دعویٰ خالق کائنات ہونے کا نہ تھا بلکہ فلاسفہ جس طرح رب النوع کا نظریہ رکھتے ہیں اسی طرح وہ اپنے کو رب نوع انسانی قرار دیتا تھا یا صرف قبطیوں کا رب اعلیٰ ہونے کا مدعی تھا۔ قبطیوں کا رزاق، ان کی نسل کا نگراں، اور ان کا حاجت روا اپنے آپ کو خیال کرتا تھا اور غیبی طاقتوں کو اپنا زیر فرمان بنا رکھا تھا جن کی ذہنی مورتیاں رعایا کی پوجا کے لئے اس نے رکھوا دی تھیں۔ امام کی اس تشریح کی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آئی۔ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اشارتاً بھی مترشح ہو رہا ہو کہ فرعون اپنے آپ کو رب النوع کہتا تھا۔ شاید امام کو فرعون کے انا ربکم الاعلیٰ کے لفظ سے یہ کچھ اشتباہ ہوا ہو لیکن اس لفظ سے رب النوع ہونے کے دعوے کا استنباط غلط ہے۔ فرعون شاید اتنا بے وقوف نہ تھا کہ وہ قبطی جو فرعون کے آبا و اجداد سے بھی پہلے مصر میں آباد چلے آتے تھے ان کا رب النوع اپنے آپ کو قرار دے بات صرف اتنی تھی کہ یہ دماغ بادشاہ جب رعونت و غرور کی وجہ سے جب دماغ خراب ہو جاتے ہیں وہ پندار و کبر کے نشہ سے سرمست ہو کر خدائی تصور کو بھی اپنے دماغوں سے نکال دیتے ہیں۔ طاقت کا نشہ آدمی کو بے ہوش کر دیتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں

toobaafoundation.com

آدمیوں کا ہر وقت اُن داتا اور غریب پرور کہنا دماغی توازن کو خراب کر دیتا ہے اور وہ خدا سے بغاوت کر کے عملاً اپنے کو خدا کہنے لگتا ہے۔ غالباً فرعون کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ وہ بڑا مغرور اور سرکش آدمی تھا۔ اِنَّہٗ کَانَ عَالِیًا فِی الْاَرْضِ شمالی افریقہ کے کئی حصوں میں اس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ تمام پبلک کا نفع نقصان، کھیتی باڑی تجارت لین دین یہاں تک کہ موت اور زیست بھی اُس کے اشارۂ ابرو سے وابستہ نظر آتا تھا۔ وہ اس سراب کو آپ فریب کو واقعیت اور مجاز کو حقیقت سمجھنے لگا اور خدا سے بے نیاز بن کر خود مختاری اور استبداد کا دعویٰ کر بیٹھا۔ فلسفے دلیسفے کی اصطلاحی گتھیاں اور یونان، ہندوستان اور چین و ایران کی علمی موشگافیاں اس کے پیش نظر نہ تھیں۔ نہ اُس کو ایسے فلسفیانہ دقیق مسائل سے کوئی لگاؤ تھا۔ واللہ اعلم

امام رازی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ربّی کہنے سے اُس مومن نے توحید کا اظہار کیا تھا اور قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ کہہ کر نبوت پر استدلال کیا تھا یا توحید کے ثبوت میں یہ لفظ کہا تھا۔ کیونکہ سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کا یہ قول مذکور ہے۔ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی الخ اور سورۂ شعراء میں بھی آیا ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ الخ میں کہتا ہوں کہ مِنْ رَّبِّ کہہ کر اُس مردِ مومن نے یہ بات ظاہر کرنی چاہی تھی کہ فرعون تمہارا رب نہیں۔ اس کی ربوبیت کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں اور اللہ کے رب ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں موسیٰ نے پیش کی ہیں اور یہ نشانیاں موسیٰ کی خود ساختہ اور دماغی تراشیدہ نہیں بلکہ قدرت کی طرف سے اُن کو دی گئی ہیں اور واقعی ہیں۔ نہ طلاقت بیان کو ان میں دخل ہے نہ اختراع ذہنی کو۔
وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ امام رازی نے فرمایا۔ اُس مردِ صادق نے آخری پُرشوکت دلیل سے ان احمقوں کو قائل کیا اور کہا آخر موسیٰ کے قتل کی تمہیں ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ موسیٰ اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے اگر جھوٹ بول رہے ہیں تو اُن کا جھوٹ پلٹ کر اُن ہی پر پڑے گا تم کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ یعنی خدا پر الزام لگانا آسان نہیں۔ اتنا بڑا جرم قدرتی سزایابی سے خالی نہیں رہ سکتا اور اگر موسیٰ کا قول سچا ہے اور وہ واقعی نبی ہیں اور اللہ نے ان کو بھیجا ہے تو جس قدرتی سزا کی وہ دھمکی دے رہے ہیں اگر تم نے اُن پر ہاتھ ڈالا تو وہ تم کو ضرور لے گی۔ حاصل یہ کہ اگر موسیٰ جھوٹ بول رہے ہیں تو وہ مسرف کذاب ہیں اپنی حد سے آگے بڑھ کر جو انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو تم مسرف کذاب ہو اپنی حد سے آگے بڑھ کر زیادتی کرنے والے اور موسیٰ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگانے والے۔ بہرحال یہ عام ضابطہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔ اپنی حدود سے آگے بڑھ کر دروغ باف کو خدا کامیاب نہیں کرتا۔ پس یا موسیٰ خود بخود تباہ ہو جائیں گے یا تم موسیٰ کی تکذیب اور اُن کو ایذا رسانی کی پاداش میں یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا۔ آخر میں مردِ مومن نے کافروں کے دماغوں سے طاقت کا نشہ اُتارنے کے لئے کہا قوم والو دیکھو آج (مصر میں) تمہاری پوری پوری حکومت ہے۔ تم اس سرزمین پر غالب ہو اگرچہ غلبہ اور طاقت دوسری قوموں اور غیر ملکوں کے مقابلہ میں چل سکتا ہے۔ تم اُن سے تصادم کر سکتے ہو اور غالب بھی آ سکتے ہو لیکن) اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ جائے تو اس سے ہم کو کون بچائے گا اور کون مدد کرے گا۔ یہ فوج اور پولیس، خزانے اور جتھے کس کام آئیں گے؟

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ۔ مردِ صالح کی تقریر قوم نے غور کر کے سُنی اور ایسے واضح بیان کا اُن کے پاس کوئی رد نہ تھا اُدھر دار کے بارے خدائی کا نشہ بھی کافور ہو چکا تھا۔ خود اُسی کی قوم کے ایک آدمی نے ایسی تقریر کی تھی جو صداقت و معنویت کی متحرک تصویر تھی اس مٹے زمین ندا اور ذور سے پیدا ہونے والی رعونت کو بھول گیا اور خدائی کے غرور کو چھوڑ کر لیڈری کے عجز پر اتر آیا اور بولا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہی تم کو دکھا رہا ہوں۔ میں اپنی دانست میں تم کو سیدھا راستہ ہی دکھا رہا ہوں (اب تم کو اختیار ہے مانو یا نہ مانو) کم بخت نے آخر میں بھی دو باتیں جھوٹ کہیں۔ اُس کو حضرت موسیٰ کی سچائی کا یقین ہو چکا تھا۔ حضرت موسیٰ نے اس سے فرمایا تھا لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ الخ فرعون کے ساتھیوں کو بھی یقین آ چکا تھا اللہ نے فرمایا ہے۔ وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ۔ صرف ظلم اور تکبر کی وجہ سے انکار کر رہے تھے۔ فرعون کی دوسری بات بھی غلط تھی۔ وہ اپنی قوم کو سیدھا راستہ نہیں دکھا رہا تھا وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ۔ خود بھی اپنے نفس کا خائن تھا اور قوم کی بھی خیانت کر رہا تھا۔ سب کو جہنم کی طرف لے جا رہا تھا۔ خود آگے آگے تھا اور قوم پیچھے پیچھے یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ۔ حضرت عروہ بن زبیر کا قول ہے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے پوچھا کہ مشرکوں نے حضور والا کے ساتھ مکہ میں جو سب سے زیادہ سلوک کیا ہو وہ مجھے بتائیے۔ عبداللہ نے فرمایا۔ ایک روز کعبہ کے صحن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آیا حضور والا کے مونڈھے کو

toobaafoundation.com

بکر دا گلو مبارک میں ایک کپڑا ڈالا اور اینٹھنے لگا۔ حضور کا دم گھٹنے لگا۔ ہم ڈر کے مارے بچا نہیں سکتے تھے۔ اتنے میں ابوبکر صدیق تشریف لائے۔ آپ نے دوڑ کر عقبہ کا مونڈھا پکڑ کر الگ ہٹایا اور فرمایا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ (بخاری)

ایک روز حضور رو الا مشرکوں کے ایک مجمع کی طرف سے گزرے۔ مشرکوں نے پوچھا کیا تم ہم کو اُن معبودوں کو پوجنے سے منع کرتے ہو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں میں منع کرتا ہوں کم بختوں نے آگے بڑھ کر حضور کو پکڑ لیا اور مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں میں نے خود دیکھا کہ ابوبکر صدیق حضور کو پیچھے سے دبوچے ہوئے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور کہہ رہے ہیں یا قوم اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ الآیۃ (رواہ النسائی وابن ابی حاتم من عبداللہ بن عمرو بن العاص)

رازی نے لکھا ہے کہ حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا آلِ فرعون کے جس صدیق مومن کی اللہ نے اس آیت میں تعریف فرمائی ہے اُس سے اس امت کے صدیق حضرت ابوبکر افضل تھے۔ کیونکہ وہ تو ایمان کو چھپاتا تھا اور ابوبکر اپنے ایمان کا اعلان فرماتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ میں فرمایا لوگو سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔ حاضرین نے جواب دیا آپ۔ فرمایا میں نے میدان میں جس شخص سے مقابلہ کیا اس سے انصاف کیا (پھر) بتاؤ سب سے بڑا بہادر کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم کو علم نہیں آپ ہی فرمایئے۔ ارشاد فرمایا۔ ابوبکر صدیق۔ میں نے خود دیکھا کہ مشرک رسول اللہ کو گھیرے ہوئے تھے۔ ایک ایک پہلو میں مارتا تھا اور دوسرا اُدھر سے دوسرے پہلو میں گھونسے رسید کر رہا تھا اور منہ سے کہتے جا رہے تھے تو ہی ہم کو ہمارے معبودوں سے روکتا اور ایک معبود بتاتا ہے۔ واللہ ہم میں سے کسی کو رسول اللہ تک جانے (اور حضور کو چھڑانے) کی جرأت نہیں ہوئی۔ ہاں ابوبکر ہی تھے جو کبھی ایک مشرک کو اور کبھی دوسرے مشرک کو مارتے اور کہتے جاتے تھے۔ ارے کم بختو تمہارا برا ہو اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چادر کا کونہ منہ پر ڈال کر اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا لوگو میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مومن آلِ فرعون افضل تھا یا ابوبکر۔ لوگ خاموش تھے فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے۔ سن لو خدا کی قسم ابوبکر کی (زندگی کی) ایک ساعت مومن آلِ فرعون کی (پوری) شخصیت سے افضل تھی وہ تو اپنا ایمان مخفی رکھتا ہے اور یہ ایمان کا اعلان کرتے تھے (رواہ ابونعیم فی فضائل الصحابۃ) امام رازی نے صراحت کی ہے کہ فرعون موسیٰ کے قتل کے درپے تھا موسیٰ بنو اسرائیل کی اولاد کو مار ڈالنے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ سب لوگ قتل موسیٰ پر متفق الرائے ہو چکے تھے۔ ظاہر میں حفاظت کی کوئی صورت ہی نہ تھی لیکن موسیٰ نے جب اللہ کی پناہ لی اور اُس سے مدد مانگی تو کسی دشمن کا قابو نہ چلا۔ حقیقت میں اللہ کی پناہ ہر مشکل کا حل اور ہر مصیبت سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

مقصود بیان وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ الخ اس شخص کو اللہ نے مومن فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوف وہلاکت کے وقت ایمان کو چھپانا جائز ہے۔ اس مرد مومن نے جو قوم کو نصیحت کی اور حضرت موسیٰ کے قتل سے روکا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ظالموں کو ظلم سے روکنا اور مسلمانوں کو ضرر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اہلِ ایمان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ کے لفظ میں صراحت ہے کہ یہ شخص اسرائیلی نہ تھا فرعون کے خاندان یا کم از کم اس کی قوم سے تھا۔ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا الخ سے واضح ہو رہا ہے کہ جھوٹے پر اُس کے جھوٹ کا وبال خود پڑتا ہے خصوصاً جب وہ خدا کے معاملے میں جھوٹ بولے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَهْدِیْ الخ سے قدرت کا ایک عام ضابطہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جو شخص اپنی حدِ اختیار یا حدِ اہلیت سے آگے بڑھ کر اُن کمالات کا مدعی بن بیٹھے جو اس کے اندر نہیں ہیں تو خدا ایسے جھوٹے کو کامیاب نہیں بناتا۔ اس جملہ میں ہدایت بمعنی رہنمائی نہیں ہے بلکہ کامیابی اور منزلِ مقصود پر پہنچانا مراد ہے۔ قَالَ فِرْعَوْنُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برہانِ حق کے مقابلے میں بڑے سے بڑا جابر بھی سرخم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ظالم بادشاہوں پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ دلیلِ حق کا مقابلہ غرور سے نہیں کر سکتے اور جبر و قہر کی سطح سے نیچے اُتر کر لیڈروں کی طرح سنجیدگی اور عجز اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں مگر بادشاہ جب سنجیدہ لیڈر بن جاتا ہے تو چونکہ اس کا کلام کھوکھلا اور دلیل سے خالی ہوتا ہے اسلئے اسمیں کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ ذیخرہ

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ

اور اس مومن نے کہا صاحبو مجھ کو تمہاری نسبت اُن امتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا قوم نوح

toobaafoundation.com

قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيَا قَوْمِ

اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں (یعنی قوم لوط وغیرہ) کا حال ہوا تھا اور خدا تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا اور صاحبو مجھ کو

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ

تمہاری نسبت اُس دن کا اندیشہ ہے جس میں کثرت سے ندائیں ہوں گی جس روز (موقف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) لوٹو گے (اور اُس وقت) تم کو خدا سے

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ

کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو خدا ہی گمراہ کرے اس کا کوئی ہدایت کرنیوالا نہیں اور اس کے قبل تم لوگوں کے پاس یوسف (علیہ السلام) دلائل (توحید و نبوت کے) لے کر آچکے

فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ

ہیں سو تم ان امور میں بھی برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ جب اُن کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ بس اب اللہ کسی رسول کو

رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ

نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ سے باہر ہو جانے والوں (اور) شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو غلطی میں ڈالے رکھتا ہے جو بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو

اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ

خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اس (کج بحثی) سے خدا تعالیٰ کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنین کو بھی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ

اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝

ہر مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے

تفسیر بن دانشوں اور اصحاب فکر و فہم کا ایمان ہمیشہ برہانی ہوتا ہے۔ وہ کائناتی تغیرات پر غور کرتے ہیں۔ اُن کے سامنے انسانی عقل کی نارسائی اور بشری فہم کی عاجزی آتی ہے۔ وہ دستورِ حیات کی تدوین سے تمام عقلاء کے اجتماعی اور انفرادی دماغوں کو عاجز پاتے ہیں اس لئے قانونِ زندگی جاننے کے لئے اللہ کے فرستادوں کی تلاش کرتے ہیں اور پیغامبرانِ حق جب اُن کو حقانیت و صداقت کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ بدیہی علامات صدق دیکھ کر لبیک کہتے اور پیامِ حق کو مان لیتے ہیں لیکن بدبختی مزاج زنگ خوردہ دماغوں والے آدمی ہر دعوت کو شک کی نظر سے دیکھتے اور حدودِ بشریت سے آگے قدم بڑھا کر قوانینِ زندگی کی تصنیف کے لئے اپنی عقلوں کو کافی سمجھتے ہیں اور نہ فقط یہ کہ گزشتہ اور موجودہ پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ آئندہ کے لئے بھی نہایت ڈھٹائی کے ساتھ پُرزور اعلان کرتے ہیں کہ مستقبل میں بھی کبھی کوئی خدا کا فرستادہ نہیں آئے گا۔ درحقیقت اسی باطل کوش گروہ میں وہ مذموم اخلاق ایسے رچ جاتے ہیں کہ اُن کی قلب کی بینائی زائل ہو جاتی ہے اور راہ حق ان کو نہیں سوجھتی۔ اول غرور و نخوت اُن کے دماغوں پر چھایا ہوا ہوتا ہے اور وہ اپنی فکر و فہم کو ہمہ گیر اور تنہا سمجھتے ہیں۔ دوسرے خود غرضی، مفاد پرستی اور مخلوق کی حق تلفی کا نشہ اُن کی رگ رگ میں سرایت کر چکتا ہے جس کی وجہ سے وہ جبار ظالم اور ناحق کوش بن جاتے ہیں۔ ایسا عنادِ حق پسند اُن کو ہر بُرہانی طور پر جدامت کرتے ہیں اور جب کوئی دلیل مؤثر نہیں ہوتی تو عذابِ آخرت کی وعید سناتے ہیں اور رسول کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا اور کوئی بھی اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ لیکن قیامت کون دیکھ کر آیا ہے آئندہ کا تو یقین وہ کرے جس

toobaafoundation.com

کے پاس چشم بینا اور دل دانا ہو جو گم کردہ راہ ہو اس کو کون راہ راست پر لائے۔ بالآخر حق پرست اشخاص باطل کوش افراد کو تمثیلی رنگ میں سمجھاتے ہیں۔ حق سے سرکشی کرنے کی پاداش میں جو قومیں تباہ ہو چکی ہیں ان کا تذکرہ کر کے دنیوی بربادی سے ڈراتے ہیں اور ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی تصویر دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن بدکار کرنے سے باز نہیں آتے اور اس طرح بارگاہِ الٰہی سے بھی مردود ہوتے ہیں اور اہلِ ایمان کی نظر میں بھی مبغوض۔

تحلیل اجزاء

جب مردِ مومن کے جواب میں فرعون نے پھر قوم کو اغوا کیا اور اغوا بھی کیا تمام تر تو وہ مردِ حق شیر کی طرح بپھر گیا۔ اور مرسلانہ پرحکمت جوشِ غضب کے ساتھ اس نے لوگوں کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرایا اور صاف کہہ دیا کہ اللہ ظالم نہیں کہ بے وجہ قوموں کے عروج کو تباہ کرتا ہو۔ لوگوں کی بدکرداری خود ان کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ گزشتہ اقوام کی طرح تم بھی تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ غور کرو اب سے پہلے تمہاری ہی قوم کو یوسف ۔ نے آ کر ہدایت کی روشن دلیلیں اور کھلی ہوئی نشانیاں بھی پیش کیں مگر تم نے ان کی بات کا یقین نہیں کیا۔ آخر جب ان کی وفات ہو گئی تو تم نے (جان چھوٹنے کو غنیمت جانا اور) کہا اب آئندہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجے گا مگر خدائی دستور سے تم ناواقف ہو اس کی بات بھی وہی تھی جس سے گمراہی کا ظہور ہوتا تھا۔ جب آدمی کے پاس دلیل نہ ہو نہ عقلی نہ نقلی تو پھر اللہ کے احکام کا انکار کرنا مجادلۂ باطل ہے اور باطل مجادلہ کرنے والوں کو قدرتاً راہِ حق نہیں دکھائی جاتی۔ اللہ ان کو گمراہ ہی چھوڑ دیتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۔ جب مردِ مومن کی بات کاٹ کر فرعون نے پھر حاضرین کو دھوکا دیا تو مردِ مومن غضب ناک ہو گیا لیکن پرحکمت جوش کے ساتھ برہان آمیز طریقِ بیان کے باوجود خطابی رنگ اختیار کیا اور قوم کو دو قسم کی دھمکیاں دیں۔ ایک دنیوی بربادی کی دوسری عذابِ آخرت کی۔ اول وعید کو تمثیلی رنگ میں پیش کیا۔ قومِ نوح عاد ثمود اور ان سے پیچھے آنے والی اقوام (مثلاً قومِ لوط قومِ شعیب وغیرہ) کی تباہی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ مجھے تمہارے متعلق بھی اسی تباہی کا اندیشہ ہے جس سے اقوامِ گزشتہ دوچار ہو چکی ہیں۔ یعنی پیغمبروں کی ہدایت سے انہوں نے سرتابی کی اللہ کے احکام کو نہ مانا۔ اپنے افکار و اعمال کی اصلاح نہیں کی جس کے نتیجہ میں اللہ نے ان کو برباد کر دیا۔ ان کا وسیع تمدن ان کی مضبوط عمارتیں، ان کے بلند آثار، ان کی فوجوں کی کثرت اور دولت کی فراوانی اعمال کی آوردہ ہلاکت سے ان کو نہ بچا سکے گی۔ بات صرف یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا کسی کو خواہ مخواہ برباد نہیں کرتا بلکہ لوگوں کا کردار خود ان کی تباہی کا سبب ہوتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۔ دوسری وعید کے متعلق مردِ مومن نے عذابِ آخرت سے ڈرایا جب کہ باہم پکار مچی ہوگی۔ ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکار رہے گا۔ کمزور طاقتوروں کو، مرید پیروں کو، عابد معبودوں کو، امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کو۔ تمام بے سہارے اپنے سہاروں کو پکاریں گے لیکن سب باطل پرست منہ پھیر کر بھاگیں گے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ يَوْمَ التَّنَادِ سے مراد روزِ قیامت ہے۔ تسمیہ کی وجوہ مختلف بیان کی گئی ہیں۔ (۱) جنت والے دوزخیوں کو اور دوزخی جنت والوں کو پکاریں گے۔ قرآن میں آیا ہے۔ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ الآیۃ یہ ندا تو اہلِ جنت کی طرف سے ہوگی اور دوزخیوں کی پکار یہ ہوگی۔ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ الآیۃ سورۂ اعراف کی ندا کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے (قتادہ) (۲) ہر گروہ کو اس کے لیڈر کے ساتھ پکارا جائے گا (زجاج) (۳) کفار باہم واویلا کریں گے اور پکاریں گے (۴) قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کرنے کے لئے پکارا جائے گا (۵) اعمالنامے پڑھنے کے لئے پکارا جائے گا (۶) ظالموں پر لعنت کی پکار ہوگی (۷) موت کو سیاہ مینڈھے کی شکل میں لا کر جب ذبح کر دیا جائے گا تو ندا ہوگی اے اہلِ جنت ہمیشہ عیش کرو آئندہ کبھی موت نہیں ہے اور اے اہلِ دوزخ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہو آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ امام بغوی نے کہا کسی وجہ کی تعیین اور تخصیص نہیں تمام توجیہات کے مجموعہ کو تسمیہ کی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ (ابن کثیر)

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۔ یہ کلامِ سابق کا تتمہ ہے۔ اوپر کی آیت میں بیان کیا تھا کہ تم منہ پھیر کر بھاگو گے یعنی کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔ گو باہم مدد کرنے کی بنا رنج خلقی اور بے مروتی پر نہ ہوگی بلکہ واقع میں کسی میں بچانے کی طاقت ہی نہ ہوگی اور فقط یہی نہیں، کہ ایک کا فر دوسرے کا فر کو نہ بچا سکے گا بلکہ کافروں کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ نہ جھوٹے معبود نہ فرضی دیوتا، نہ پیر نہ پیغمبر نہ ملائکہ، نہ کائنات کی کوئی اندرونی اور بیرونی طاقت۔

toobaafoundation.com

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ تخلیقِ ضلال و ہدایت خدا کا کام ہے۔ انسان دوسرے انسان کو نصیحت کرتا ہے لیکن اس کے اندر ہدایت اور رہ یابی پیدا نہیں کرسکتا جس کے اندر خدا ہدایت کی تخلیق نہ کرے اس کو کون ہدایت یاب بنا سکتا ہے۔ اوپر کے جملے میں اللہ کے عذابِ آخرت کی کامل گرفت کا اظہار فرمایا تھا۔ اس آیت میں اللہ کے ہمہ گیر احاطۂ تخلیقی کو بیان فرمایا۔ یعنی جس طرح آخرت میں عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اسی طرح اس دنیا میں بھی ماخوذۂ الٰہی کو راہِ راست پر لانے کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔

نوٹ: انسان قادرِ مطلق ہے یا مجبورِ محض یا ارادتاً مختار اور تخلیقاً مجبور یہ بحث بہت طویل ہے ہم کئی جگہ اس کی تنقیح کرچکے ہیں۔ اس جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ تکوین و تخلیق انسانی عجز پر دلالت کرتی ہے اور تشریعات کی بناء اختیارِ انسانی پر ہے اس لئے قدر و جبر کا درمیانی مسلک حق ہے۔ واللہ اعلم

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۔ مردِ مومن نے قوم والوں کو اُن کی پے در پے غلطیوں پر متنبہ کیا اور کہا کہ اب سے پہلے یوسف (پیغمبر) بھی تم لوگوں کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے بھی کھول کھول کر احکام بیان کئے تھے (یا معجزات اپنے ساتھ لائے تھے) مگر تم نے ان کا بھی یقین نہیں کیا اور ان کی ہدایت میں شک کرتے رہے پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اُن کی وفات کے بعد ہر پیغمبر کے مبعوث ہونے اور پیامِ الٰہی لانے سے تم نے انکار کردیا اور کہہ دیا کہ (نہ صرف یوسف ہی پیغمبر تھے بلکہ) آئندہ بھی کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ مراد یہ کہ آسمانی شریعت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہم خود اپنی زندگی کے آئین ساز ہیں ہمارا علم اور ہماری دانش اصلاحِ انسانی کا دستور بنانے کے لئے کافی ہے گویا اس طرح حدودِ انسانیت سے تم نے آگے قدم بڑھایا اپنے اختیار و قدرت سے زیادہ کے مدعی بن بیٹھے اور شریعتِ الٰہیہ پر یقین نہ کیا۔ ایسی حالت میں خدا تم کو کس طرح ہدایت یاب ہونے کی توفیق دیتا۔ مسرف مرتاب کو خدا تعالیٰ ہدایت یافتہ بننے کی توفیق نہیں دیا کرتا۔ اس کا یہی دستور ہے۔

ان آیات میں تشریح طلب یہ امر ہے کہ مردِ مومن نے فرعونِ موسیٰ کے زمانہ میں جن لوگوں سے خطاب کیا تھا کیا اُنہی لوگوں کے سامنے حضرت یوسف بھی پیغمبر تھے یا اُن کے اسلاف کے زمانے میں۔ بعض لوگوں کا میلان اول قول کی طرف ہے۔ علامہ قاری نے صراحت کی ہے کہ فرعونِ موسیٰ کی عمر اتنی لمبی تھی کہ اس نے حضرت یوسف کا عہد پایا تھا۔ اس کی کل عمر چار سو چالیس سال تھی۔ صاحبِ جمل نے لکھا ہے کہ قول اول کو سوائے شیخ جلالی محلی و خازن و نسفی کے کسی نے نقل نہیں کیا۔ سیوطی نے تحبیر میں لکھا ہے کہ حضرت یوسف کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی اور حضرت یوسف و حضرت موسیٰ کے درمیان چار سو برس کا فصل تھا۔

اسی سلسلے میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں یوسف سے مراد یوسف بن یعقوب نہیں ہیں بلکہ وہ یوسف مراد ہیں جو افرائیم کے بیٹے اور یوسف بن یعقوب کے پوتے تھے اور قبطیوں کی ہدایت کے لئے اُن کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

خطیب نے سراج میں لکھا ہے کہ یوسف سے مراد یوسف بن یعقوب ہی ہیں اور مردِ مومن کے مخاطب اگرچہ اُس کے زمانے کے لوگ تھے مگر مراد ان کے اسلاف تھے کیونکہ فرعون کے زمانہ کے قبطی اپنے اسلاف کے جامد مقلد تھے اور اُن کے ہر قول و عمل کو برحق جانتے تھے۔ تو گویا وہ خود اپنے بزرگوں کے قول کے قائل اُن کے عقیدے کے معتقد اور ان کے اعمال کے عامل تھے۔ قومی نظریات و اعمال میں وحدتِ عقیدہ و عمل قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ مکان اور زمان کے اختلاف میں مکان کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے جس کے مستحق ان کے آباء و اجداد تھے۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۔ انسانی دانش و اختیار کی حدود سے آگے بڑھ کر کچھ لوگ تشریعِ حیات کے دعوے دار بن بیٹھے ہیں اور خود تراشیدہ دماغی زائیدہ دستور کو انسان اور انسانیت کو سدھارنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ جب اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ان کے سامنے اللہ کے احکام اور تشریعات لاتے ہیں تو ان کے پاس رد کرنے اور غلط قرار دینے کی کوئی عقلی نقلی وجہ نہیں ہوتی اور نہ وہ حق کے طلبگار ہوتے ہیں اس لئے کج بحثی اور جاہلانہ جھگڑوں سے کام لے کر مقابلہ کرتے ہیں۔ انسانی حدود سے تجاوز کرکے خدائی اختیار کی تشریع کے تو پہلے ہی سے مدعی ہوتے ہیں اب مرتاب اور جھگڑالو بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بات

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ خدا کو بھی اور سچا یقین رکھنے والوں کو بھی بڑی مبغوض ہوتی ہے جس چیز کی عقلی یا نقلی دلیل نہ ہو

toobaafoundation.com

ہو اور انسان ہوتے ہوئے اختیارات الوہیت کا دعویدار خواہ مخواہ بن بیٹھے اور جب اس کو حقانیت کا راستہ بتایا جائے اور انسانیت کو سنوارنے کی تعلیم دی جائے تو جھگڑا کرنے لگے تو ایسی بے باک جاہل کی یہ ناپسندیدہ حرکات نہ خدا کو پسند ہو سکتی ہیں نہ اُن اہل علم و ایقان کو جن کو خدا نے نورِ ایمانی عطا فرمایا ہے۔ حقیقت میں ایسی باتیں اسی شخص سے سرزد ہو سکتی ہیں جس کے دل پر اللہ نے مُہر لگا دی ہو اور نورِ حق کا کوئی پرتو اُس کے دل میں کسی گوشے پر نہ پڑ سکتا ہو۔ اسی لئے فرمایا:-

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جبّار سے مراد ہے قاتل۔ عکرمہ اور شعبی کا قول ہے کہ آدمی اُس وقت جبار ہوتا ہے جب ناحق قتل کرے (ابن ابی حاتم) ابو عمران الجونی اور قتادہ نے فرمایا ناحق قتل کرنا جبّار کی پہچان ہے۔ جبّار کا لفظی ترجمہ قاتل نہیں۔ جباریت کو قاتل میں حصر کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ ممکن ہے ان علماء نے جباریت کی تمثیل میں قتلِ ناحق کو پیش کیا ہو حصر مقصود نہ ہو۔ مقاتل نے متکبّر اور جبار کا فرق ظاہر کرتے ہوئے بیان کیا کہ توحیدِ الٰہی کو بارِ نخوت سے ٹھکرانے والا متکبر ہے اور ظالمانہ حرکات کو اختیار کرنے والا جبار ہے۔ اس قول کی توضیح کرتے ہوئے امام رازی نے کبیر میں لکھا ہے کہ سعادت کا حصول دو باتوں پر موقوف ہے۔ اللہ کے احکام کی عظمت اور مخلوق پر شفقت جس میں یہ دو باتیں نہ ہوں گی وہ شقی ہے پس جو شخص غرور و نخوت کو کام میں لاکر احکامِ الٰہیہ کو نہ مانے وہ متکبر ہے اور جو مخلوق پر ظلم کرے اور انصاف سے کام نہ لے وہ جبار ہے۔

حاصل یہ کہ جس جاہل بر خود غلط بد اندیش کا تعلق نہ خدا سے درست ہو نہ انسانوں سے وہ ہدایتِ فطری سے محروم ہی ہوتا ہے گویا اس کے دل پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔

مقصودِ بیان

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا الخ۔ اس سے ضابطۂ الٰہیہ کو بیان کرنا اور اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ انسان خود اپنی تباہی کا سامان فراہم کرتا ہے اور اُسی کی بداعمالی اس کو ہلاک کرتی ہے۔ خدا کو کسی سے بیر نہیں ہے نہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہے۔ آیت وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ سے اللہ کے اقتدارِ کامل کا اظہار مقصود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز یہاں تک کہ انسان کی گمراہی اور ہدایت یابی بھی مشیتِ الٰہیہ کی تابع ہے۔ مصرف مرتاب میں تازیانۂ عبرت ہے اُن جاہل مریدوں کے لئے جو پیروں فقیروں کو خدائی اختیار کا حامل اور محلل اور محرم جانتے ہیں ان مغرور علماء و مشائخ کے لئے جو اپنے احکام کو اپنے مقلدوں کے لئے دستورِ زندگی قرار دیتے ہیں خواہ وہ احکام شرعیہ کے خلاف ہی ہوں ان بے دین فلسفیوں کے لئے جو آدمی کے فہم و اختیار کو انسانی زندگی کی درستگی کے لئے کافی خیال کرتے ہیں اور حیاتِ انسانیت کو قوانینِ الٰہیہ سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔ لفظ متکبّر و جبّار میں احکامِ الٰہیہ کے سامنے سر جھکا دینے اور مخلوق سے انصاف نہ کرنے کی مخفی تلقین ہے وغیرہ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ

اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر (وہاں جاکر) موسیٰ کے

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ

خدا کو دیکھیں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کی (اللہ) بدکرداریاں (بھی) اس کو مستحسن معلوم

ع وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝

ہوئی تھیں اور (سیدھے) راستہ سے رُک گیا اور فرعون کی (ہر) تدبیر غارت کی گئی

تفسیر

طاغوتی جاسوس اور شیطانی نمائندے جب فرستادگانِ حق کے سامنے اپنی علمی بے مائیگی اور برہانی تہی دامنی کے سبب رُسوائی اور ذلت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن کی عزت کے تار مکڑی کے جال کی طرح ٹوٹتے نظر آنے لگتے ہیں تو وہ انتہائی مکاری اور کھوٹی عیاری کو کام میں لاکر وقتی شکست کو

toobaafoundation.com

طرف سے موڑ دینے کی سعی لا حاصل کے فریب میں پھنسانا چاہتے ہیں اور بھولے بھالے حق پسندوں کے دماغوں کو کچھ دیر کے لئے حقانیت کی طرف سے موڑ دینے کی سعی لا حاصل کے فریب میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ بشروع گفتگو میں اُن کے غرور و نخوت سے سرشار دماغ ندائے حق کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور انا ولا غیری کی صدا بلند کرتے ہوئے صداقت و حقانیت کے خفیف تصور کو بھی کسی گوشۂ دماغ میں ہرگز دینا پسند نہیں کرتے لیکن آخر میں شکست خوردہ ہو کر اپنی ذہنی شکست کو چھپانے کے لئے دعوتِ حق پر غور کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں مگر نا معقولیت اور کج رفتاری کے ساتھ کبھی غیر محسوس خدا کو مبہم شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں مکان سے ماوراء خدا کو انتہائی فریب کے ساتھ مکانی ظاہر کرتے ہوئے لوگوں کے دماغوں کو حق پرستوں کے کلام کے اصل مفہوم اور بنیادی حقیقت سے ہٹا کر غلط مطلب اور جھوٹی خود ساختہ خیال آفرینی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت پر فریب کا پردہ نہیں ڈالا جاسکتا مکار کی مکاری خود اس کے لئے تباہی کا سبب بن جاتی ہے اور ہر فریب کی ملمع کاری بہت جلد دور ہو جاتی ہے۔ فرعون بھی ایسے ہی بدمست اور نخوت پرست طبقہ میں سے تھا۔ اول حضرت موسیٰ کی بات کی طرف توجہ کرنی ہی پسند نہیں کی اور جب ہر طرح حجت اور وعید و تہدید کے ذرائع استعمال کر چکا اور کوئی ہتھیار کارگر ثابت نہ ہو سکا تو مجبور ہو کر بالآخر موسیٰ کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کی اور غیر محسوس بلند از عقل خدا کو محسوس بصر اور مادی قرار دیتے ہوئے ایک اونچا منارہ یا محل بنانے کا حکم دے کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ میں موسیٰ کے خدا کو آسمان یعنی انتہائی بلندی پر ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میرے خیال میں موسیٰ کاذب ہے لیکن پھر بھی مجھے اس کی بات پر غور کرنا ہے۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح لوگوں کے دماغوں کو اغوا کر کے کچھ مدت کے لئے حق کی طرف سے موڑ دے اور جب وقتی توجہ لوگوں کی ہٹ جائے اور سر پر آئی ہوئی بلا ٹل جائے تو آئندہ عوام کے دماغوں کو پھر اپنی طرف مائل کرے مگر اس کی گفتگو کا یہ باغ سرسبز نہ ہو سکا جس کی تفصیل آئندہ آیات میں بیان کی گئی ہے۔

تحلیل اجزا

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۔ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا۔ فرعون نے ہامان کو ایک اونچا محل تعمیر کرانے کا حکم دیا اور علت یہ بیان کی کہ میں آسمان کے راستوں پر پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ کو جھانک کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ سعید بن جبیر اور ابو صالح نے اس جگہ اسباب کا ترجمہ ابواب یعنی دروازے کیا ہے۔ اکثر اہلِ علم نے اسباب سے مراد طرق اور راستے لئے ہیں محلِ غور یہ امر ہے کہ کیا فرعون اس قدر نادان اور کورا جاہل تھا کہ عمارت کا زینہ لگا کر آسمان پر چڑھنا چاہتا تھا اور خدا کو جھانک کر دیکھنا ممکن سمجھتا تھا۔ تاریخی حقیقت اور ہدایتِ عقل کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ خطیب نے سراج میں اسی لئے صراحت کی ہے کہ فرعون کی یہ ایک مکاری تھی۔ جاہل قوم کو اپنی روادادی اور طلب حق کے جذبہ کی کارفرمائی دکھا کر مدت دراز تک غافل رکھنا چاہتا تھا تاکہ سالہا سال بلند ترین محل کی تعمیر میں لگ جائیں اور میدان میں عمارت بنتی دیکھ کر بیوقوف عوام فرعون کے جذبۂ انصاف اور حق پژوہی کی مدح سرائی کرتے رہیں اور اپنے جھوٹے خدا کی عاجزی اور ناتوانی کو سمجھنے اور غور کرنے کا موقع ہی ان کو نہ ملے حاصلِ مطلب یہ ہے کہ فرعون نے ایک چال چلی موسیٰ کے مقابلے سے عاجز ہوا اور اپنے ہی گروہ کے ایک آدمی کی زبان سے مسکت دلائل حق سنیں اور قوم کے سامنے اپنی خدائی کا چراغ بجھتا نظر آیا تو اپنی خدائی کو برقرار رکھنے کے لئے اور احمق لوگوں کو بہکانے کے لئے تین قسم کی چالیں چلا۔ اول اپنے جذبۂ حق جوئی کا مظاہرہ کیا اور گویا یہ ظاہر کیا کہ موسیٰ کا خدا کہیں زمین پر تو نظر نہیں آتا۔ شاید کہیں بہت اونچا سماوی شاہراہوں پر ہوگا اس لئے میں وہاں پہنچ کر اُس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اطمینان رکھو میں خود اُس کی تلاش میں سرگرم ہوں۔ دوسرے درجہ پر حضرت موسیٰ نے جس الٰہ برحق کی الوہیت و ربوبیت کا اعلان کیا تھا، قوم کو اس کی صحیح صفات اور تنزیہی کیفیات کے تصور سے ہٹانے اور لوگوں کے دماغوں کو اس کی مکانیت اور جسمانیت پیدا کرانے کے لئے اس قسم کا طریقہ بیان اختیار کیا گویا کم بخت نے الٰہ برحق کی دعوت کی طرف سے بیوقوفوں کے ذہنوں کو لوٹانے کی کوشش کی اور موسوی تعلیم کو مسخ کر کے ہی پیش کیا۔ تیسرے نمبر پر اپنی جھوٹی خدائی کو مدت العمر محفوظ رکھنے کے لئے وہ تدبیر کی جس کا سرانجام دہی میں صدیاں گزر جائیں اور کوئی بھی نہ حق کا مطالبہ کر سکے نہ مطالعہ۔

(بجز و ثانی انشاء اللہ جلد ہی پیش کیا جائے گا)

toobaafoundation.com

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۲۴

جزو ثانی

فَمَنْ اَظْلَمُ

فاضلِ اجل حضرت علّامہ مولانا سیّد عبد الدائم جلالی

مالک

عطاء الرحمٰن صدیقی وسیم بک ڈپو دیوبند

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند (یو۔پی)

toobaafoundation.com

ہوتا ہے کہ یہی تیرا مقام ہے مومن اس خوشی میں دعا کرتا ہے کہ الٰہی قیامت جلد بپا ہو اور کافر کہتا ہے کہ الٰہی قیامت قائم مت کیجو۔ اس حدیث سے ہر کافر کے لئے عذاب قبر ہونا معلوم ہوتا ہے

امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمر کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تم میں جب کوئی مرتا ہے تو ہر صبح و شام اس کا ٹھکانا اس کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو اہل جنت کا مقام اور دوزخی ہے تو دوزخیوں کا مقام اور اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تیرا حشر کرے (وقد رواہ البخاری و مسلم) اس حدیث سے مزید تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ یہ تخصیص کافر کی ہی نہیں مومن کو بھی شامل ہے

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عذاب قبر کے متعلق بکثرت احادیث وارد ہیں۔ اس جگہ ہم کسی قدر تفصیل کرنی چاہتے ہیں۔

صحاح میں ایک حدیث بروایت ام المومنین حضرت عائشہؓ سے وارد ہے۔ ایک یہودی عورت ام المومنین کی خدمت کرتی تھی۔ ام المومنین جب اس کے ساتھ کوئی بھلائی کرتیں تو وہ دعائیں دیتی اللہ آپ کو عذاب قبر سے بچائے۔ ام المومنین نے ایک روز حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ہوگا فرمایا نہیں۔ تم سے کس نے کہا۔ ام المومنین نے واقعہ بیان کیا ارشاد فرمایا یہودی جھوٹے ہیں اللہ پر بڑی دروغ بافی کرتے ہیں۔ قیامت سے پہلے عذاب نہیں۔ اس کے بعد چند روز کا وقفہ گذرا، جب تک خدا نے چاہا۔ ایک روز دوپہر کو حضورؐ کپڑا اوڑھے جب کہ مبارک آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں بلند آواز سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے برآمد ہوئے کہ قبر ایسی ہے جیسے شب تاریک کا ایک ٹکڑا لوگو جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے بہت اور ہنستے کم۔ لوگو عذاب قبر سے پناہ مانگو قبر کا عذاب درست ہے۔ قال ابن کثیر اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔

امام احمد نے ایک دوسری صحیح اسناد سے یہی روایت قدرے تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے جس میں اول حضورؐ نے عذاب قبر کا انکار فرمایا اور پھر کچھ مدت کے بعد ارشاد فرمایا لوگو میرے پاس وحی آئی ہے کہ قبروں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی۔

ایک اور روایت میں امام احمد نے نقل کیا ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور والا میرے گھر تشریف لائے اس وقت ایک یہودی عورت میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھی (کیا) تم واقف ہو کہ قبروں میں عذاب (دیا جائے گا) تم لوگوں کی آزمائش کی جائے گی۔ یہ سن کر حضورؐ نے خشمناک ہو کر فرمایا عذاب فتنہ میں تو یہودی ڈالے جائیں گے۔ ام المومنین نے فرمایا اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حضورؐ نے فرمایا آگاہ رہو قبروں میں تم لوگوں کی آزمائش کی جائے گی۔ اس دن کے بعد حضورؐ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے (رواہ مسلم)

شیخ ابن کثیر نے اس جگہ ایک اعتراض کیا ہے کہ آل فرعون پر عذاب برزخی ہونے کی آیت مکی ہے اور یہود والی تمام روایات مدنی ہیں اور آیت کے ذریعہ سے جب حضور کو عذاب قبر ہونا مکہ میں معلوم ہو چکا تھا تو پھر ان احادیث میں عذاب قبر کا کیوں انکار کیا اور وحی کے منتظر رہے تو اقراری کا اعلان فرمایا۔ ابن کثیر نے اس کا جواب دیا جس کو نقل کرنا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ ہماری نظر میں صحیح جواب یہ ہے کہ آیت صرف آل فرعون کا تذکرہ ہے عمومی عذاب قبر کی صراحت نہیں بلکہ اشارہ بھی نہیں، اس لئے آل فرعون پر عذاب قبر ہونا تو یقینی ہو گیا۔ پھر یہود کا یہ واقعہ پیش آیا اور حضور نے عذاب قبر کا انکار فرمایا۔ رفتار کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ کے متعلق حضورؐ نے انکار فرمایا۔ یہودیوں کے متعلق تو اقراری صراحت کر دی تھی پھر وحی کے ذریعہ عمومی عذاب قبر کا علم ہوا تو حضورؐ نے عام مسلمانوں کو خطاب کر کے عذاب قبر کی حقانیت کا اعلان کیا اور خود بھی پناہ مانگی اور پناہ مانگنے کا حکم بھی دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابن ابی حاتم نے اپنی اسناد سے اور سفیان ثوری نے اپنی اسناد سے بروایت ابو ہذیل حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں (کی شکل میں) جنت کے اندر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ اور اہل ایمان کے بچوں کی روحیں چڑیوں کے پوٹوں یا جوف میں ہو کر جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں پھر سیر کر کے ان قندیلوں میں چلی جاتی ہیں جو عرش سے آویزاں ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ چڑیوں کے جوف میں صبح شام جہنم کو جاتی ہیں۔ آگ پر ان کی پیشی کا مطلب یہی ہے۔ (اسنادہ حسن) سدی سے بھی یہی منقول ہے۔ قبر کے عذاب ثواب کے متعلق کثیر احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد اہل حق اس نتیجہ پر پہنچے کہ قبر کا عذاب ثواب حق ہے اس میں نہ کافر کی تخصیص ہے نہ مومن کی، البتہ عذاب قبر کی نوعیت اور کیفیت میں فرق ہے انتہائی تاریکی ضغطہ (دباؤ) فتنہ (امتحان یعنی محمد رسول اللہ اور دین وغیرہ کے متعلق نکیرین کے سوال) یہ تمام مصائب مومن پر بھی

toobaafoundation.com

آتے ہیں اور کافر پر بھی، مگر کافر جب امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے تو صبح و شام اس کو جہنم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور غالباً جہنم کی لپٹ اس کو ہر صبح شام جلاتی اور دکھ پہنچاتی رہتی ہے اور مومن ان بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے اس کو جنت کا دیدار کرایا جاتا ہے اور شاید کچھ چاشنی بھی چکھائی جاتی ہے جس سے لطف اندوز ہو کر قیامت کے جلد آنے کی دعا کرتا ہے۔

مقصود بیان

یٰقَوْمِ مَالِیْٓ اَدْعُوْكُمْ الخ میں تعجب کا اظہار ہے اور یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ طرزِ کلام کی نرمی اور مبہم نصیحت اگر سودمند ثابت نہ ہو تو پھر کھول کر دو ٹوک گفتگو کرنی چاہیئے۔ اپنے قول کی صداقت اور باطل نظریات کی تباہی آفرینی پر واضح تبصرہ ضروری ہے۔

مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ عقائد ہوں یا اعمال کسی میں اندھی جاہلانہ تقلید جائز نہیں۔ علم سرچشمۂ ہدایت ہے فقدانِ علم جہالت ہے اور جہالت پر عمل کرنا نہ فقط حماقت ہے بلکہ تباہ کن بھی۔ مردِ مومن کی یہ برہان آفرینی ہم کو درس دیتی ہے اس بات کی کہ خطابیات بھی دلائل و براہین سے خالی نہ ہونے چاہئیں۔ اور ہر منطقی دلیل کو عوامی خطابی رنگ میں سہل الفہم اور سریع القبول بنا کر پیش کرنا لازم ہے

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ سے جہاں اللہ کی ہمہ گیر طاقت کا اظہار ہو رہا ہے وہاں یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ اس دنیا میں آخرت کی زندگی کو پیشِ نظر رکھنا لازم ہے اور یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حیاتِ دنیا کی تمام طاقتیں انجام کار کام آنے والی نہیں ہیں۔ نہ آغاز میں ان کا وجود تھا نہ انجام میں ہوگا۔ یہ درمیانی کڑیاں ہیں ان کو مرکزِ توجہ نہ بنانا چاہیئے۔ لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے جس کے حقیقی اقتدار کے سامنے جاتا ہے وہاں دنیوی اقتدار یہ ظاہری شکلیں بھی نہ ہوں گی اور خالص حکم اللہ ہی کا ہوگا۔ اَلْمُسْرِفِيْنَ [illegible] فطری عقلی شرعی حدود سے ہٹا وہ مسرف ہے۔ نیچے کو اونچا، اونچے کو نیچا تصور کرنا اسراف ہے۔ مخلوق کو خالق کے اختیارات تمیزی دینا اور خالق میں مخلوق کی صفات ماننا اسراف ہے۔ اس سے مراد اس جگہ اسراف کا اعلیٰ درجہ یعنی کفر ہے۔ اگر عقیدۃً اسراف نہ ہو تو اگرچہ اس پر لفظ اسراف کا اطلاق ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ اسراف نہیں ہے۔ فَسَتَذْكُرُوْنَ الخ میں تباہی کی دھمکی ہے اور یہ دکھانا غرض ہے کہ جو حق پرست صادق القول ہمدرد کی بات نہیں مانتا وہ انجام میں تباہ ہو جاتا ہے۔ اُفَوِّضُ اَمْرِيْ الخ سے استقامت توکل اور شدتِ مراقبہ کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ مادی طاقتیں کتنی ہی ضرر رسانی کے درپے ہوں، لیکن اہلِ حق کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سے حق پرستوں کے ساتھ اللہ کی مدد کا ہونا اور ان کے دشمنوں کا تباہ ہونا مستفاد ہو رہا ہے اور یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ کی نصرت کے مقابلے میں کسی باطل پرست کا مکر نہیں چل سکتا وغیرہ۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

اور جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ (یعنی تابعین) بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ

تھے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جزو ہٹا سکتے ہو وہ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں اللہ تعالیٰ

قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ

بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا اور (اس کے بعد) جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے موکل فرشتوں سے (درخواست کے طور پر) کہیں گے کہ

عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا

تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے فرشتے کہیں گے (یہ بتلاؤ) کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لیکر نہیں آتے رہے دوزخی کہیں گے

toobaafoundation.com

فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ ع

ع ۱۳ ۱۰

کہاں آتے تو رہے تھے فرشتے کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے

تفسیر ضعیف العقل نچلا طبقہ عموماً بالا دست لیڈروں کے کہنے سے گمراہ ہوتا ہے۔ امت کو علماء، مریدوں کو مشائخ، غریبوں کو امیر، غلاموں اور نوکروں کو آقا اور رعایا کو بادشاہ اور محکوم سپاہیوں کو جرنیل غرض ہر زبردست زیردست کو گمراہ کرتا ہے۔ وہ اگر راستی پر ہے تو اس کی نجات ہو جاتی ہے اور وہ کج راہ ہے تو وہ پہلے تباہ ہوتا ہے پھر جب مصیبت اور بربادی کا وقت آتا ہے تو دنیا میں اتفاقاً ہی ایسا ہوتا ہے کہ بالا دست گمراہ کرنے والا گمراہ کا کوئی حق قدامت وا تباع نبھو دینے کے شہد سے کسی طرح اس کی مدد کر سکے عموماً تو یہی ہوتا ہے کہ بربادی کے وقت کوئی مقتدا کسی مقتدی کے کام نہیں آتا، لیکن پھر بھی کمزور کو قوی سے اور بیکس و بے بس کو طاقت ور سے آس لگی رہتی ہے، لیکن اگر موقع کوئی ایسا ہو کہ اعلیٰ اور ادنیٰ گروہ کی رہائی ہی ممکن نہ ہو اور سب سے پہلے وہ تباہ ہو رہا ہے تو ایسے وقت میں نچلا گروہ برباد ہو جاتا ہے اور کوئی آس باقی نہیں رہتی۔ مجبور اڈٹ کر بتا سوا کو پکڑتا ہے اور جیل کی تکلیفوں میں پھنسا ہوا قیدی جیل کے نگہبانوں سے ہی امیدوار ہوتا ہے کہ وہی حکام سفارش کر دیں کسی طرح قید خانے کی تکلیف تو کم ہو، مگر قید خانے کے امانت دار فرماں بردار محافظ اپنے کو بے بس پاتے ہیں۔ ان کو سفارش اور جذبہ ذاتی کا کوئی حق نہیں پہنچتا وہ ہائی کورٹ کے عادل جج سے کسی قسم کی سفارش نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ فیصلے میں ان کو کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ جرائم محقق سزا مناسب تو وہ الٹ کر قیدیوں کو ہی قائل معقول کرتے ہیں کہ قانون وقت کا کیا تم کو علم نہ تھا۔ کیا واضع قانون نے تم کو قانون کی اطلاع نہیں دی تھی۔ کیا تم بغاوت کے جرم اور اس کی سزا سے ناواقف تھے۔ قیدیوں کو اعتراف کرنا پڑتا ہے اور حقیقت واقعہ چھپائے نہیں بن پڑتی تو اعین سزا دہندہ سے کہتے ہیں کہ اب تو جج صاحب سے ہی تم التجا کرو انہی کو پکارو شاید وہی تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ قیدی جج کو پکارتے ہیں اور اپیلیں کرتے ہیں۔ مگر یہ تمام مرافعات اور استغاثے کس سے متعلق ہوتے ہیں جن میں کہیں جج کے فیصلے کی صحت اور مبنی بر انصاف ہونے کا اعتراف نہیں ہوتا اور ہوتا بھی ہے تو اوپر سے دل سے۔ حقیقت اور واقعیت سے خالی، ایسے ان بد نصیبوں کی پکار بے کار بھٹکتی پھرتی ہے۔ قیامت کے دن نچلے طبقے کا بھی یہی حال ہوگا۔ بالا دست گروہ کے کہنے سے گمراہ ہونے والے گروہ مقلدین جب اپنے کو عذاب میں پھنسا دیکھیں گے تو اپنے لیڈروں اور پیشواؤں سے مدد کی التجا کریں گے وہ خود عذاب میں غرق ہوں گے کورا جواب دیدیں گے مجبوراً جہنم کے نگرانوں سے مدد کی خواہش کریں گے۔ وہ بے چارے کیا مدد کر سکیں گے خود لاچار ہوں گے۔ کافروں کے کفر اور خدا کے فیصلے کی روئیداد ان کے سامنے ہوگی۔ بالآخر وہ قائل معقول کریں گے اور پوچھیں گے کیا اللہ کے پیغمبر اللہ کے احکام اور ضوابط لے کر تمہارے پاس نہیں پہنچے تھے کیا تم ناواقف تھے۔ وہ نہ انکار نہ کر سکیں گے تو فرشتے کہدیں گے۔ اب تم ہی اللہ سے دعا کرو۔ خود ہی اس سے فریاد کرو، لیکن اس وقت دعاؤں سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ وہ دعا بطور عبادت اور اعتراف الوہیت کے تو ہو گی نہیں اس لئے رائگاں جائے گی اور یونہی بھٹکتی رہے گی۔

تحلیل اجزاء وَاِذْ يَتَحَاجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ

۱ دنیا میں دو طرح کے آدمی ہیں زردار اور نادار، مملوک اور مالک، رعایا اور بادشاہ، مرید اور پیر، چیلے اور گرو، کمزور اور طاقت ور، پیغمبر اور ان کی امت، سرگروہ اور ان کے متبعین غرض ایک گروہ نیچا ہے دوسرا اونچا ہے۔ ایک بیوقوف یا سادہ نیک طینت دوسرا عقلمند یا مکار بدسرشت نچلا طبقہ اونچے طبقہ کا پیرو ہوتا ہے اور بالا دست گروہ کی راستی درستی صداقت اور رہبری کا قائل ہو کر اس کا ساتھ دیتا ہے اور بے چون و چرا اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اب اگر بالا گروہ واقعی حق پرست اور ہادی مہدی ہے تو پیچھے چلنے والا تمام گروہ ہدایت یافتہ بن جاتا ہے اور اگر رہنما، لیڈر ایا گمراہ ہے تو سب قوم تباہ ہو جاتی ہے۔

۲ زردار، حکمران، باوجاہت، عالی نسب، طاقتور، اسی طرح ہر دنیوی سیادت کا حامل، اپنی غلطی فکر کی وجہ سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں ہمہ حیثیات کامل ہوں، عقلمند بھی ہوں، بڑا عالم بھی ہوں اقوام واشخاص کی ترقی کے پورے گر بھی جانتا ہوں۔ میرے اندر حق ہ

toobaafoundation.com

باطل کو پرکھنے کی قوت بھی سب سے زیادہ ہے۔ میں روحانیات، اخلاقیات، مدنیات، سیاسیات غرض کل انسانیات کا ماہر ہوں۔ میری قوت فیصلہ غلط نہیں ہو سکتی میرا سیاہ فیصلہ سیاہ ہے اور سفید سمجھا ہوا سفید۔ یہاں تک کہ نجات آخرت اور حصول سعادت کے کیا ذرائع ہیں اور انسانی زندگی کو سدھارنے والے قوانین کیا کیا ہیں۔ میں ہی اُن سے واقف ہوں اور میری بصیرت زندگی کی تمام گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے۔ یہی استکبار ہے یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا ظاہر ہے کہ دولت حکومت جسمانی طاقت حکمت ہدایت صحت دنیوی اور آخروی سعادت سب جدا جُدا چیزیں ہیں۔ ایک چیز میں اگر کسی کو کمال حاصل ہو جائے تو ضروری نہیں کہ دوسری صفات بھی اُس کے اندر بدرجۂ اکمل پائی جائیں۔ ایسا دعویٰ حقیقت سے خالی ہے اور محض جھوٹا ادعا ہے یہی استکبار ہے، لیکن عوام کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے۔ وہ دودھ کو پانی سے الگ نہیں کر سکتے ظاہری وجاہت وسیادت کا مالک ان کی نظر میں ہمہ صفات موصوف ہوتا ہے وہ ہر چمکیلی چیز کو سونا ہی سمجھتے ہیں عشکار اور دانشمند کا فرق ان کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے ہر چرواہے کی پکار پر بگٹٹ بھاگے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ خواہ وہ ان کو پہاڑ کے خندقوں میں دھکیل دے، کسی سرسبز مرغزار میں لے جائے۔ الو بیوقوفوں کے سامنے جب تک اُن کی بیوقوفی اور غلط روی کا انجام برہنہ آجائے اُس وقت تک نہ اپنی کج روی کو تسلیم کرتے ہیں نہ اپنے لیڈروں کی بے راہ روی اور گمراہ کنی کو۔

۳۔ قیامت کے دن حق و باطل کے فیصلے کے بعد جب ان تمام گمراہ لیڈروں اور کھوئی ہوئی بھیڑوں کا اجتماع دوزخ میں ہو گا اُس وقت مکار پیروں کے مریدوں، جھوٹے لیڈروں کے پیروؤں عیار گرو کے نادان چیلوں اور خود پرست بادشاہوں کی بہکی ہوئی رعایا کو اپنی غلط روی کا یقین آئے گا اور وہ اپنے پیشواؤں سے مدد کی درخواست کریں گے، لیکن بے چاروں کو یہ کہنے کی تو جرأت نہ ہو گی کہ تم دوزخ سے ہم کو بالکل بچا لو۔ ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو یا تابع تھے۔ اب یہاں ہمارے کچھ کام آؤ۔ آتشی عذاب کا کوئی حصہ ہی کم کر دو۔ جھوٹے لیڈر اور مکار پیشوا اُس وقت خود بے بس ہوں گے۔ دنیوی وجاہت واقتدار اُن کے پاس نہ ہو گا۔ استکبار کی قلعی کھل چکی ہو گی وہ خود کہیں گے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ○ اب تو ہم سب آگ میں ہیں۔ اللہ بندوں کا فیصلہ کر چکا ہے یعنی جب ہم اپنی تکلیف ہی کم نہیں کر سکتے تو تمہارے دکھ میں کیا تخفیف کر سکتے ہیں۔ سب ایک ناؤ پر سوار ہیں۔ جو خدائی فیصلہ ہونا تھا ہو چکا اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ مجبوراً بے بسی کی حالت میں سب اونچے نیچے کمزور قوی راجہ پرجا مُرید گرو چیلے غرض۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ۔ تمام دوزخی کافر جہنم کے نگرانوں سے ہی سفارش کی درخواست کریں گے کہ کسی طرح ایک دن کا عذاب ہی ہلکا ہو جائے۔ اس جگہ دن سے مراد قیامت کا دن نہیں نہ دنیا کا دن مراد ہے۔ دوزخ کا سورج طلوع وغروب کہاں بلکہ ایک قلیل مدت مراد ہے۔ حکم فیصل کے بعد سفارش کی درخواست بے سود خصوصاً جہنم کے نگرانوں اور عذاب پر مسلط فرشتوں سے، اس لئے جہنم کے دربان ان کو کرارا جواب دیں گے اور مزید شرمندہ کرنے کے لئے کہیں گے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ کیا اللہ کے پیغمبر اللہ کے احکام واضحہ لے کر تمہارے پاس نہیں پہنچے تھے یعنی آج تم کو معذرت کا کیا موقع ہے۔ کیا تم اللہ کے احکام اور احکام کی خلاف ورزی کی سزا سے ناواقف تھے۔ کیا ضوابط الٰہیہ کو تم کو علم نہ تھا۔

قَالُوْا بَلٰى دوزخی انکار نہ کر سکیں گے اور اثبات منفی میں جواب دیں گے۔

قَالُوْا فَادْعُوْا فرشتے (بطور تشنیع) کہیں گے اب تم خود دعا کرو یعنی ہم نہیں کر سکتے۔ فرشتوں کے اس جواب کا مطلب دو طرح ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ جب تم دنیا میں خود رائی تھے اور احکام خداوندی کو تم نے ٹھکرا دیا تھا تو آج خود ہی بھگتو اور خود ہی تخفیف عذاب کی دعا کرو۔ دوسرے یہ کہ شاید بعض ملائکہ کو افسوس ہو کہ یہ کمبخت اپنے قصور کے معترف ہیں۔ اگر اللہ عذاب میں کمی کر دے تو ممکن ہے لیکن خود کوئی سفارش کرتے ڈریں گے یا اس لئے سفارش نہیں کریں گے کہ ان کو معلوم ہو گا کہ ان کے حق میں بے سود ہے سفارش فیصلہ الٰہی ہو چکا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ سفارش نہ کرنے کی ایک وجہ عدم اذن بھی ہو سکتی ہے بغیر اذن کے شفاعت ناممکن ہے اور شفاعت کی اجازت حاصل نہ ہو گی۔ بہرحال وہ خود پکاریں گے، لیکن اللہ کو معلوم ہے کہ ان کا اقرار تکلیفوں سے گھبرا کر ہو گا، اس لئے دعا قبول نہ ہو گی۔

toobaafoundation.com

(وما دعؤا الکفرین الا فی ضلل - کافروں کی دعا (راہِ راست پر نہیں پہنچتی) بھٹکتی پھرتی ہے یعنی قبول نہیں کی جاتی - متاخرین علماء کے ایک گروہ کے نزدیک کافروں کی بعض دعا قبول کرلی جاتی ہے، لیکن امام جمہور سلف کا قول اس کے خلاف ہے - اس کے علاوہ قائلین قبول کرنے کے نزدیک بھی بعض دعائیں قبول کی جاسکتی ہیں - جیسے مظلوم اور بےکس کی دعا، ہر دعا کے قبول ہونے کا کوئی قائل نہیں - پھر اگر قبول و عدم قبول میں کچھ اختلاف ہے تو وہ دنیوی دعاؤں کے متعلق ہے یہاں کافروں کی کوئی نہ کوئی دعا کافر کی بھی قبول کرلی جاتی ہے - آخرت میں کافروں کی پکار سنی جانے کا تو کوئی قائل نہیں - اور آیت مذکورہ میں نفی قبول کی صراحت کا تعلق قیامت کے دن کی دعاؤں سے ہے -

ایک ضروری تنبیہ دعا میں دو حیثیات ہیں - ایک بندہ کی عاجزی اور بندگی کا اظہار اور بارگاہِ الوہیت میں اپنی بےکسی کو پیش کرکے التجا، یہ حیثیت عبادت ہوتی ہے، اس لئے حدیث میں الدعاء مخ العبادۃ آیا ہے - چونکہ کافر و مشرک اللہ کی خالص الوہیت کے ہی قائل نہیں، اس لئے ان سے اس طرح کی دعا کا صدور ہی نہیں ہوسکتا اور نہ مغز و حقیقت سے خالی دعائیہ الفاظ بارگاہِ الٰہی تک پہنچ سکتے ہیں - ان کا عقیدہ غلط ہے اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے کسی کا کوئی معبود ہے کسی کا کوئی مصنوعی کارساز ہے، اس لئے ان کی دعائیں اور پکاریں بھی عقائد کی طرح بھٹکتی پھرتی ہیں - نہ عقیدہ صحیح نہ دعا قابل قبول - آیت میں یہی مراد ہے - دعا کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ کوئی خاص مطلب حل ہوجائے اور مراد مل جائے تو ظاہر ہے کہ ایسی دعا ہر انسان کی مقبول ہوتی ہے یعنی تقدیر الٰہی میں جو کچھ ہے وہ پورا ہوکر رہتا ہے - کوئی خدا سے مانگے یا فرشتوں سے، دیوتاؤں سے یا درختوں سے اور پتھروں سے - بہرحال دینے والا خدا ہی ہے وہ بغیر مانگے بھی دیتا ہے، اس لئے کافر کی دعا قبول ہوتی ہے - مومن اور کافر کی دعا میں فرق اوّل اعتبار سے ہے - اس دوسری جہت سے تو فرق دونوں میں کوئی نہیں - ہاں اگر ہے تو ثوابِ آخرت کے لحاظ سے ہے - متعین مراد دعا کے بعد اگر نہیں دی جاتی تو مومن کو ثوابِ آخرت ملے گا اور کافر محروم رہے گا -

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے ہوکر اعمال کے لکھتے تھے)

الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى

کھڑے ہوں گے جس دن کہ ظالموں (یعنی کافروں) کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی اور آپ سے

وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ

قبل) ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ (یعنی توریت) دے چکے ہیں اور (پھر) ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت (کی کتاب) تھی اہل عقل (سلیم) کے لئے

إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ إِنَّ

سو آپ صبر کیجئے بیشک اس کا وعدہ سچا ہے اور اپنے (اس) گناہ کی (جس کو مجازاً گناہ کہہ دیا) معافی مانگئے اور شام اور صبح اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (اور) جو

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ أَتٰهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا

لوگ بلا کسی سند کے کہ ان کے پاس موجود ہو خدائی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں ان کے دلوں میں نری بڑائی (ہی بڑائی) ہے کہ وہ اس تک کبھی

toobaafoundation.com

هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

پہنچنے والے نہیں سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہیے بیشک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے

تفسیر قومیں گمراہ ہوتی ہیں تو اللہ اپنے پیغمبر بھیجتا ہے۔ کتابیں نازل فرماتا ہے حق کو باطل سے جدا کرکے دکھاتا ہے۔ قوانین حیات کی تعلیم دیتا ہے انفرادی اور اجتماعی تعامل کی اصلاح کرتا ہے پیغمبر عمومی اور خصوصی دعوت حق دیتے ہیں۔ دلیل و حجت کی روشنی میں دو صداقت دکھاتے ہیں لیکن براہ خود پنداری اور غرور نفس کا نسبی برتری ثروت و دولت کا نشہ حکومت کی چیرہ دستی کبر کی طمع کاری اور جاہلانہ کٹ حجتی لوگوں پر جھگڑوں پر آمادہ کرتی ہے جن کی جستجو مقصود نہیں ہوتی۔ صداقت کی طلب نہیں ہوتی۔ خود ساختہ برتری کا نشہ دماغ کے کسی گوشہ کو اجازت نہیں دیتا کہ اہل حق کی بات سن کر سچائی کا کوئی نقش قبول کرسکے۔ حقیقت میں تباہی اور گمراہی کی جڑ یہی غلط پندار ہے۔ سبب طالب حق ہی نہ ہوا اور خود ساختہ علمی نقوش اور عملی حرکت و سکون کو حق سمجھ بیٹھا تو آنکھوں پر اندھا ہے اور ندائے صداقت کو پائے استحقار سے ٹھکرا دے تو رہ پانے کا امکان ہی کیا رہ جاتا ہے نتیجہ میں غرور و رعونت کا ندائے حق سے تصادم ہوتا ہے اس ٹکراؤ کی ابتدائی شکل شور و شغب جاہلانہ طعنے دشنام طرازیاں، آبرو ریزیاں اور جسمانی ایذائیں ہوتی ہیں۔ اہل حق کا پاؤں ان سفیہانہ حرکتوں کے مقابلے میں لغزش نہیں کھاتا غرور اور چڑھ جاتا ہے جہالت کی شکست مطالبات میں مزید تلخی پیدا کردیتی ہے۔ دست بدست جنگ و جدال و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے ایک طرف باطل کی شان و شوکت خیل و حشم جاہ و حشم لاؤ لشکر انبوہ اور غوغا بڑھتا ہے ذکثرت تعداد ہوتی ہے خوب سامان ہوتی ہے، مکر ہوتا ہے، داؤں پیچ ہوتے ہیں۔ باطل کوشی اور حد فراموشی ہوتی ہے۔ دوسری طرف اہل حق کے ساتھ حق ہوتا ہے۔ بقدر استطاعت سامان ہوتا ہے۔ استقلال ہوتا ہے استقامت ہوتی ہے مصائب و شدائد پر صبر ہوتا ہے۔ بقدر امکان کوشش ہوتی ہے ایثار ہوتا ہے مخلوق سے بے نیازی ہوتی ہے اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے۔ ہاتھ حرکت میں زبانیں دعاؤں میں اور دل توجہ الی اللہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ طاغوت ولاہوت کی صف آرائی ہوتی ہے سا اہل حق بھی مرتے ہیں لیکن دوامی زندگی حاصل کرکے۔ باطل کوش بھی مرتے ہیں لیکن ابدی موت کے ساتھ۔ کافروں کے لیڈروں کی طرح ایمانداروں کے پیشوا امام یہاں تک کہ بعض انبیاء بھی کام آتے ہیں۔ لیکن آخر میں فتح اہل حق کی ہوتی ہے۔ اہل حق کے مشن کی ہوتی ہے حق کے نظریات کی ہوتی ہے برہانی غلبہ کے ساتھ آخر کار دنیوی اقتدار بھی ایمانداروں کی جماعت کے ہاتھوں میں آجاتا ہے۔ گو بعض چوٹی کے افراد شہید ہوجاتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی فتح حق پرست گروہ کی ہوتی ہے۔ اہل باطل نامراد رہتے ہیں۔ وہ اپنی انتہائی کوشش کے بعد بھی حق کو مغلوب کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔ اس طرح اللہ کا وعدہ آخر میں پورا ہوتا ہے۔ ان تمام کاوشوں اور کشتوں کے درمیان اہل حق کی توجہ خدا سے نہیں ہٹتی اور اپنی طاقت اور کوشش پر وہ کبھی مغرور نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں اپنی بے بضاعتی قصور سعی ضعف و عجز اور کوتاہی عمل کا اقرار کرتے اور خطاؤں کی معافی کے طلب گار رہتے ہیں۔

تحلیل اجزاء إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ گزشتہ آیات میں تفصیلی طور پر حضرت موسیٰ کے مخالف فرعون اور آل فرعون کی تباہی حضرت موسیٰ اور مومنوں کی کامرانی اور فتحیابی کو بیان فرمایا تھا۔ اس آیت میں ایک عمومی ضابطہ اور کلیہ مقرر فرمادیا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ اپنے پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کی دنیا میں بھی مدد کرتا ہے اور آخرت میں بھی مدد فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کو دنیا میں بھی ذلیل ہونا پڑتا ہے اور قیامت کے دن بھی کوئی عذر معذرت ظالموں کو فائدہ نہیں پہنچائے گی اور ان پر اللہ کی پھٹکار ہوگی۔ مطلب یہ کہ اہل حق کا مقابلہ جب باطل پرستوں سے ہوتا ہے تو اللہ کی مدد اہل حق کو حاصل ہوتی ہے۔ اور بحیثیت جماعت انجام کار کامیابی انہی کو ملتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

شیخ ابن کثیر نے علامہ طبری کی تفسیر سے نقل کرتے ہوئے اس جگہ ایک شبہ اور اس کا جواب لکھا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ بعض انبیاء کافروں کے ہاتھوں سے شہید ہوئے مثلاً زکریا، یحییٰ اور شعیا علیہم السلام بعض کو وطن چھوڑنا پڑا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آقائے دوجہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کو کفار کے نرغہ میں سے غیر معمولی طور پر نکالنا پڑا۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ پھر اہل حق بکثرت میدان جنگ میں شہید بھی ہوئے حضرت موسیٰؑ

toobaafoundation.com

اور مختلف پیغمبروں کے ساتھی، اور جنگِ اُحد وغیرہ میں صحابہ کرام اور یزیدی فوج کے ہاتھوں امام مظلوم اور آپ کے رفیق حالانکہ نص آیت کے مطابق ہر ایک کو فتحیاب ہونا چاہیئے۔ کسی پیغمبر، امام اور صحابی کی شہادت تو ایک طرف رہی، کبھی کسی کو عارضی شکست بھی نہ ہونی چاہیئے تھی۔ ابن جریر نے اس شبہ کا ازالہ دو طرح سے کیا ہے۔ اول یہ کہ آیت مذکورہ میں کسی جامع کلیہ کا منطقی بیان نہیں، بلکہ خطابی رنگ میں غالب حال اور کثیر الوقوع واقعات کا اظہار مقصود ہے۔ اگر بعض مثالیں اس کے خلاف پائی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ آیت میں کلیہ ضابطہ نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ اکثریہ واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ آیت میں عمومی ضابطہ کا بیان ہے اور پیغمبروں کو ہی اللہ کی طرف سے نصرت ملتی ہے، لیکن نصرتِ الٰہی دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ پیغمبروں پر کافروں کو غالب نہ کیا جائے بلکہ ان کے دشمنوں (دکھ پہنچانے والوں) کو ہلاک کر دیا جائے۔ ایسا اکثر ہوا ہے دوئم یہ کہ بعض رسولوں کو کافروں کے ہاتھوں سے شہادت ملی یا ترکِ وطن کرنا پڑا یا کسی اور طرح سے جدا کر دیا گیا پھر اس قوم پر تباہی بھیجی گئی۔ چنانچہ اسرائیلیوں نے جب بعض پیغمبروں کو شہید کر دیا تو بنی اسرائیل کے دشمن (بخت نصر وغیرہ) ان پر چڑھ آئے اور انھوں نے خوب خونریزی بربادی اور تباہ کاری کی جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد نمرود اور اس کے طاقتور ساتھیوں کو حقیر ترین مخلوق کے ذریعہ سے برباد کیا، حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد رومیوں کو یہودیوں پر مسلط کر دیا اور یہودیوں کو تباہ کیا۔ رہا اسلامی دور تو اگرچہ ان آیات کا نزول ہجرت سے پہلے ہوا لیکن آیت کا عمومی ضابطہ اس دور میں بھی سچا ثابت ہوا۔ حضور کی ہجرت کے بعد مسلمان کو پیہم فتوحات حاصل ہوئیں یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا اور کفر کی جڑ اکھڑ گئی۔ اسی طرح امام مظلوم کی شہادت کے بعد مختار ثقفی نے قاتلانِ حسینؑ اور طرفدارانِ یزید کا تختہ تاراج کر دیا اور یزید نہایت ذلت کے ساتھ قریب زمانہ میں مرگیا۔ امام المفسرین کی یہ توجیہ اگرچہ خوب ہے اور شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک آیات کے سیاق اور ماقبل و مابعد کا لحاظ کرتے ہوئے بہترین تشریح وہی ہے جو تمہیدی مقالہ میں ہم نے کر دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات میں نصرت و کامرانی کا وعدہ مخصوص افراد اور معین اشخاص سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ پیغمبروں اور مومنوں کی جماعت سے کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض انبیاء، صلحاء، ائمہ حق کی ہمدردی میں شہید ہو جائیں لیکن آخر کار صوری اور معنوی کامیابی اہلِ ایمان کو ہی ملتی ہے اور آخرت کی فلاح کے علاوہ دنیوی اقتدار بھی ان کے قدم چومتا ہے۔ تاریخ عالم میں ایک واقعہ بھی اس کے خلاف نہیں مل سکتا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص نے میرے ولی سے عداوت باندھی اس نے مجھ سے لڑنے کا اشتہار دیا (بخاری) دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ نے فرمایا میں اپنے اولیاء کا بدلہ ایسا لیتا ہوں جیسا لڑائی میں شیر بدلہ لیتا ہے۔ سدیؒ نے فرمایا اللہ جب کسی پیغمبر کو کسی قوم کی ہدایت کیلئے بھیجتا ہے اور قوم والوں نے پیغمبر کو قتل کیا یا پیغمبر کے ساتھیوں کی جماعت کو اس قرن کے گزرنے سے پہلے اللہ نے کسی شخص کو مسلط کر کے اس قوم سے اپنے نیک بندوں کا انتقام لے لیا۔ پس اگر انبیاء و مومنین شہید بھی ہوئے تب بھی وہ منصور رہے۔ علامہ سدیؒ کی اس تقریر سے مترشح ہوتا ہے کہ علامہ کے نزدیک نصرت سے مراد حقیقی کامرانی ہی نہیں بلکہ کسی اجنبی کے ہاتھوں سے قوم سرکش کی تباہی بھی نصرت مومنین کی فہرست داخل ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى اللہ اپنے خاص بندوں کی نصرت اس دنیا میں دو طرح سے کرتا ہے۔ اول دشمنوں پر ان کو غالب کرتا ہے اور اعدار حق ذلیل ہوتے ہیں۔ دوئم ان کو انسانیت کی صلاح و فلاح کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ پاکیزہ قوانین حیات سکھاتا ہے اور امن آفرین راحت سے بھری ہوئی صاف ستھری تعلیم دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو فرعون اور فرعونیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور اعدار حق کو پانی میں غرق کیا۔ اول قسم کی نصرت پوری ہو گئی پھر موسیٰ کو تورات عطا فرمائی تاکہ ان کو بھی زندگی کا سیدھا راستہ معلوم ہو اور

وَاَوْرَثْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ۔ ان کے بعد دوسرے اسرائیل کو بھی احکامِ الٰہیہ پہنچ جائیں اور ان کے ہاتھوں میں بھی مکمل دستورِ حیات آجائے مگر یاد رکھو کہ احکامِ الٰہیہ اور کتبِ سماویہ کی رہنمائی اگرچہ عمومی ہوتی ہے، مگر ان سے فائدہ اندوز صرف سمجھدار آدمی ہی ہوتے ہیں۔ تورات اور ملفوظاتِ موسیٰ اگرچہ عمومی طور پر ہر اسرائیل کے لئے راہنما تھے، مگر یادداشت کا درجہ صرف اہلِ عقل کو ہی حاصل تھا۔ قرآن بھی اگرچہ سب لوگوں کے لئے پیامِ ہدایت ہے مگر نفع اندوز صرف اہلِ تقویٰ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہدی للمتقین خصوصیت

toobaafoundation.com

کے ساتھ فرمایا۔ اسی طرح تورات اگرچہ ہر اسرائیل کو شریعتِ الٰہیہ کی تعلیم دیتی تھی، مگر فائدہ اندوزی صرف اہلِ دانش کے حصہ میں آئی تھی، اس لئے اولی الباب کا لفظ بصورتِ خاص ذکر کیا

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ اس آیت میں قرآن کے اصل مقصد کی طرف توجہ کیا گیا ہے۔ مقدم الذکر آیات میں حضرت موسیٰ کا مفصل تذکرہ تھا، لیکن قرآن داستان کی کتاب نہیں۔ ہدایت نامہ ہے۔ قصص و حکایات کا تذکرہ بھی معنوی طور پر راہنمائی کا حامل ہے۔ موسیٰ بے بس تھے، بے کس تھے، نادار تھے۔ ان کی قوم ذلیل تھی جو بھیڑ بکریاں تھی۔ فرعون دشمن تھا۔ فرعونی خون کے پیاسے تھے۔ اُن کی سلطنت تھی حکومت تھی، اُن کے پاس دولت تھی، موسیٰ نے حق کی آواز نکالی، اسرائیلیوں نے ساتھ دیا سب نے جتنا بنا یا امکانی کوشش صرف کی۔ مصائب پر صبر کیا۔ راتوں رات پوری قوم بھاگی۔ آخر فرعون اور فرعون کا جتھا ہوا۔ موسیٰ اور ان کے ساتھی کامیاب ہوئے۔ یہ درس نصیحت ہے حضور اقدس اور ان کے ساتھیوں کے لئے۔ تفصیل یہ ہے کہ ا آپ بھی صبر کیجئے۔ یعنی مصائب و شدائد آپ کے پاؤں کو لغزش نہ دے سکیں ارادوں میں تزلزل نہ پیدا ہونے پائے۔ اپنی امکانی کوشش سے دریغ نہ کیا جائے ۲ اللہ کا وعدہ سچا ہے یعنی وہ اپنے دوستوں کی نصرت و مدد کرتا ہے۔ پیغمبروں اور مومنوں کو دنیوی اور دینی فلاح عنایت فرماتا ہے۔ آخرت میں جنت اور دنیا میں اقتدار ان کو ضرور عطا ہے۔ آپ کو بھی دارین کی نعمتیں ملیں گی۔ ۳ مگر آپ کو اپنے گناہ کی معافی طلب کرنی چاہیئے۔ یعنی اپنی کوشش کی کوتاہی طاقت کی کمی اور اپنے ضعف و عجز کا اعتراف کرنا چاہیئے کتنی ہی کوشش کرلو جتھا بن جائے سامان جمع ہو جائے، ہتھیار فراہم ہو جائیں مگر پھر بھی سعی میں کوتاہی کی معافی کی طلب کرنا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پندارِ نفس پیدا ہو جائے اور ظاہری طاقت کا نشہ دماغوں پر چھا جائے اور توکل کی روحانی رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے چونکہ حضور والا پیغمبر معصوم تھے۔ آپ کا کوئی گناہ موجود ہی نہ تھا پھر استغفار کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں، اس لئے شیخ ابن کثیر نے کہا کہ خطاب اگرچہ رسول اللہ کو ہے مگر اس سے مقصود امت کو استغفار کی ترغیب دینی ہے۔ خطیب نے کہا کہ یا مضاف محذوف ہے یعنی اُمت کے گناہوں کے لئے استغفار کیجئے یا استغفار سے مراد ہے اونچے درجوں کی طلب یعنی حضور کو استغفار کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کو مراتب نبوت کی ترقی عطا فرمائی جائے صحیح مطلب وہی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں۔ یعنی کوشش کی کمی کا اعتراف اور اس کی معافی کی طلب تاکہ توکل کا رشتہ منقطع نہ ہو۔ ۴ اور اللہ کی تسبیح مع حمد بیان کرنی چاہیئے یعنی اللہ کو ہر نقص و عیب عجز اور برائی سے پاک سمجھنا چاہیئے، پاک کہنا چاہیئے اور عمل سے بھی اس کا مظاہرہ کرنا چاہیئے پھر اسی کے ساتھ اللہ کی حمد بھی کرنی چاہیئے۔ ساری کائنات اُس نے بنائی نیست سے ہست کیا۔ ہر قسم کی جسمانی دماغی ادراکی طاقتیں اور روحانی روشنی عنایت کی پھر قوانینِ حیات کا درس دیا وحی بھیجی پیغام بھیجے قوی دشمنوں کے مقابلے کی ہمت دی اور اپنی نصرت سے سرفراز فرمایا۔ یہ نعمتیں ان گنت ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا اور اللہ کی حمد و ثنا کرنی لازم ہے گویا تسبیح سے صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے اور حمد سے صفات ثبوتیہ کی طرف ۵ شام و صبح یعنی تمام اوقات تسبیح و حمد میں مشغول رہنا چاہیئے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عشی کا وقت دن کے پچھلے حصہ سے رات کے اول حصہ تک ہے۔ اور ابکار کا وقت رات کے آخر حصہ سے دن کے اول حصہ تک یعنی وقت زوال سے رات کے نصف اول تک عشی ہے۔ اس میں چار نمازیں ہیں ظہر عصر مغرب عشاء اور ابکار میں فجر داخل ہے، اس لئے بقول ابن کثیر عموم اوقات مراد ہے۔ ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض علماء کے نزدیک صرف عصر و فجر کی نمازیں مراد ہیں۔ خطیب نے اسی کی تائید حسن بصری کی طرف منسوب کی ہے اور دوسری آیت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے فرمایا ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا الخ بعض علماء نے فرض نماز سے علاوہ عشی کی دو رکعت اور ابکار کی دو رکعت مراد لیں۔ اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ پانچوں وقت کی نمازوں کی تفصیلی فرضیت تو مدینہ میں پہنچ کر ہوئی اور آیت مکی ہے پنجگانہ فرائض سے پہلے اس کا نزول ہوا کہ میں صرف دو نمازیں تھیں۔ دو رکعت فجر کی اور دو رکعت عصر کی، اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا نماز فرض ہوئی تو حضر و سفر میں صرف دو رکعت تھی پھر سفر میں تو ویسی ہی دو رکعت باقی رکھی گئی اور حضر میں بڑھا کر چار رکعت کر دی گئی۔ (کما فی الصحیح)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

آغاز سورت اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ کی تردید فرمائی تھی۔ اس کے بعد دوسرے معارف و مواعظ کا سلسلہ یہاں تک پہنچا اور متصل آیات میں صبر و تسبیح

toobaafoundation.com

وتحمید کا حکم دیا، لیکن جھگڑنے والوں کا جھگڑا منقطع نہ ہوا احکام الٰہیہ میں مجادلہ بدستور باقی رہا۔ آخری فیصلہ کرنے کے لئے اس مجادلہ باطلہ کی علت اس جگہ بیان فرما کر اس کا علاج بھی تجویز کر دیا اور پیشین گوئی بھی فرما دی کہ یہ بلا دلیل مجادلہ کرنے والے اپنی مراد کو کبھی نہیں پہنچیں گے۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ بلا دلیل مجادلہ کی علت صرف غرور نفس ہے۔ دولت پر غرور ہو حکومت پر ہو سیادت قومی پر ہو۔ طاقت جسمانی پر ہو، ہمہ دانی پر ہو، تخیل کی بلندی اور عقل کی رسائی پر ہو کسی بات پر ہو رعونت نفس پر ہو، رعونت زدہ دماغ والا کسی دلیل کو نہیں سمجھتا اور سن نے کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ چاہتا ہے کہ بے دلیل مخالف پر غالب آجائے اور اپنا اقتدار جما لے۔ بے چارے کے پاس کوئی برہان عقلی نقلی تو ہوتی نہیں اور غالب آجانے کی ہوس ہوتی ہے اور غرور نفس اجازت نہیں دیتا کہ مخالف کی مدلل حقانیت کو تسلیم کر لے اس لئے مخواہ مخواہ جھگڑے کرتا ہے، لیکن اس طریقے سے وہ غالب نہیں آسکتا اور اپنی مراد کو نہیں پا سکتا اور بڑا نہیں بن سکتا ایسے آدمی کی خرافات سے تو اللہ کی پناہ ہی مانگنی چاہیئے۔ بہرحال وہ سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے حقیقت حال سے پورا واقف ہے۔

مقصود بیان

آیت اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ جماعت اہل حق کی مدد کرتا ہے اور اس کو فتح یاب بناتا ہے۔ لفظ اَوْرَثْنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی اصطلاح میں لفظ وراثت سے وراثت مال ہی نہیں ہوتی بلکہ وراثت علمی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو توراۃ وراثت میں ملی۔ اُولِی الْاَلْبَاب کے لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ توراۃ کی ہدایت اگرچہ سب اسرائیلیوں کے لئے تھی لیکن نصیحت حاصل کرنے والے صرف دانشمند ہی تھے۔ فَاصْبِرْ میں شدائد برداشت کرنے اور استقامت رکھنے کی تلقین ہے اور حکم استغفار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نبی معصوم کو بھی حکم استغفار سے بالا نہیں ہیں جس سے انسانی کوشش اور استغفار سے ہر کوشش کی کوتاہی کا اعتراف اور اس کی معافی کی درخواست پھر تسبیح وتحمید سے توکل کی تعلیم اور رشتہ منقطع نہ کرنے کی ہدایت مترشح ہو رہی ہے۔ شریعت الٰہیہ میں کامیابی کے یہی چار اجزا ہیں اور ان چاروں کی موجودگی میں نصرت الٰہیہ کا نزول یقینی ہے۔ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھگڑا کرنے کی علت صرف غرور و رعونت ہے۔ حق جو صداقت کوش کبھی بر خود غلط نہیں ہوتا، اس لئے خواہ مخواہ جھگڑا بھی کرتا اور پیام حق کو سنتا ہے، غور کرتا ہے اور سمجھ کر مان لیتا ہے۔ تسلیم حق میں اس کو اپنی شکست نظر نہیں آتی۔ مَا هُمْ بِبَالِغِيْهِ میں صراحت ہے کہ نفسانی غرور والے کبھی بڑائی کو نہیں پہنچتے۔ بے وجہ غرور کا کچھ حاصل نہیں نکلتا۔ فَاسْتَعِذْ سے رعونت زدہ اہل خصومت کے جھگڑوں سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے تاکہ شر سے بچاؤ ہو جائے یعنی غرور کا جواب غرور سے نہ دینا چاہیئے بلکہ بچاؤ کا راستہ صرف اللہ سے پناہ جوئی ہے اور بس وغیرہ۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَ

بالیقین آسمانوں اور زمین کا (ابتداءً) پیدا کرنا آدمیوں کے (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات) نہیں سمجھتے اور

مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا

بینا نابینا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے) بدکار باہم برابر نہیں ہوتے

مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو قیامت تو ضرور ہی آکر رہے گی اس کے آنے میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں مگر اکثر لوگ نہیں مانتے

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ

اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کر لوں گا جو لوگ صرف میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب

toobaafoundation.com

جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۞ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ ع

(مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے) لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اُسی نے دن کو (دیکھنے کے لئے) روشن بنایا

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

بیشک اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی (ان نعمتوں کا) شکر نہیں کرتے یہ اللہ ہے تمہارا

رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ

رب ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو (بعد اثبات توحید کے) تم لوگ (شرک کرکے) کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو اسی طرح وہ (پہلے)

كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۞ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ

لوگ بھی اُلٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار بنایا اور آسمان کو (مثل) چھت (کے)

بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں (پس) یہ اللہ ہے تمہارا رب

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ

سو بڑا عالیشان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے وہی (ازلی ابدی) زندہ (رہنے والا) ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو تم (سب) خالص

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

اعتقاد کرکے اسکو پکارا کرو تمام خوبیاں اُسی اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔ آپ ان مشرکوں کو سنانے کیلئے کہدیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کردی گئی ہے

دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

کہ میں اُن (شرکاء) کی عبادت کروں جن کو خدا کے علاوہ تم پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں آچکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں (صرف) رب العالمین کے سامنے گردن

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا

جھکا لوں وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کرکے (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا

پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تاکہ تم سب اپنے اپنے

toobaafoundation.com

ضروری اعلان

دین کی اشاعت کیلئے عظیم الشان پروگرام

اظہار تشکر

ہم خدائے برتر و توانا اور اپنے مخلص معاونین کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں اور ساتھ ہی مسرت کے ساتھ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ تفسیر بیان السبحان بحمد اللہ تکمیل کو پہونچی جو کہ بائیس ۲۲ جزوں پر مشتمل ہے اگر مخلص معاونین حضرات اپنا تعاون جاری نہ فرماتے تو اس پریشان کن دور میں شاید ہمارے ارادے حوصلہ شکن ہو جاتے کاغذ کی گرانی، بحران کی حد تک بڑھ چکی ہے اور اس پر بھی دستیاب نہیں ہوتا لہٰذا مجبوراً قدرے ہدیہ میں اضافہ کرنا پڑا یعنی فی پارہ پانچ روپے ۵/- امید کہ ہمارے معاونین حضرات ہماری مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں درگذر فرمائیں گے (چند گذارشات)

① مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان کا مجلد ۲۳۰/- روپے جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر ۱۱۵/- روپے ہے علاوہ محصولڈاک

② مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان غیر مجلد ۲۱۰/- روپے جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے لیکن یہ قیمت علاوہ محصولڈاک ہے چار جلدوں میں مکمل ہوا ہے ایک جزو کا ہدیہ یعنی فی جزو ۵/- روپے ہے لیکن ممبران و تاجران کو اس پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر دیا جائے گا یعنی فی جزو کمیشن کاٹ کر ۲/۵۰ فی پارہ دیا جائے گا لیکن علاوہ محصولڈاک کے یعنی ایک پارہ کی وی پی جو جائے گی وہ چار روپے میں بھیجی جاوے گی مع محصولڈاک کے دو پاروں کی وی، پی ۷/- روپے اور تین پاروں کی وی پی ۱۰/- روپے اور چار پاروں کی وی پی ۱۳/- روپے۔ اور پانچ پاروں کی وی پی ۱۵/- روپے میں بھیجی جائے گی یہ غیر مجلد کی قیمت ہے اور مع محصولڈاک ہے اور اب مجلد کی قیمت یعنی ۱۰ پاروں کی وی پی ۳۱/- روپے مع محصولڈاک کے بھیجی جائے گی۔ مجلد پاروں کی وی پی ۱۷/۵۰ کی ہوگی بیس پاروں تک ایک ایک ہی پارہ ہے اور اکیس ۲۱ سے انتیس ۲۹ پاروں تک ہر پارہ کے دو جزو ہیں اور تیس پاروں کے چار جزو ہیں ۲۶ سے ۳۰ تک ۱۲ جزوں کی جلد بنائی جائے گی اس تفسیر کی جلد کا ہدیہ ۳۷/۵۰ ہے۔

ضروری: بحمد اللہ فتاویٰ عالمگیری کے ۲۲ جزو طبع ہو چکے ہیں ان کا ہدیہ بھی حسب بالا ہوگا جو رعایت ممبران و تاجران کو مندرجہ بالا دی گئی ہے وہ پیش کی جائے گی فی جزو فتاویٰ عالمگیری کا ۵/- کمیشن کاٹ کر ممبران و تاجران کو پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر ۲/۵۰ علاوہ محصولڈاک کے دی جائے گی وی پی ۴/- مع محصولڈاک کے جائیگی دو پاروں کی وی پی ۷/- روپے تین پاروں کی ۱۰/- روپے چار جزوں کی ۱۳/- روپے اور چار جزوں کی ۱۵/- روپے غیر مجلد کی قیمت۔ اور مجلد دس پاروں کی قیمت ۳۱/- روپے مع محصولڈاک کے بھیجی جائے گی۔

منجانب: وسیم بک ڈپو۔ دیوبند (یوپی)

toobaafoundation.com

أَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا

وقت مقررہ (المقدر) تک پہنچ جاؤ اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا) تاکہ تم لوگ سمجھو وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا (دفعتہً) پورا کرنا

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى ع ۸ ۱۴

چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت (اتنا) فرما دیتا ہے کہ ہو جاؤ سو وہ ہو جاتا ہے کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں (۱)

يُصْرَفُوْنَ ○ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

(حق سے) کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا سو ان کو ابھی (یعنی قیامت میں)

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ○ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ

جو قریب ہی معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے۔ زنجیریں ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لے جاویں گے پھر یہ آگ میں جھونک

يُسْجَرُوْنَ ○ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ

دیئے جائیں گے پھر ان سے پوچھا جاوے گا کہ وہ (معبود) غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (خدائی) ٹھہراتے تھے وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

غائب ہو گئے بلکہ ہم ان کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح غلطی

الْكٰفِرِيْنَ ○ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

میں پھنسائے رکھتا ہے یہ (سزا) اس کے بدلے میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلے

تَمْرَحُوْنَ ○ ع اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

میں جو کہ تم اتراتے تھے جہنم کے دروازوں میں گھسو (اور) ہمیشہ (ہمیشہ) اس میں رہو سو متکبرین کا (وہ) برا ٹھکانا ہے

تفسیر کیا قیامت آنی ممکن ہے اور تخلیق ثانی ہو سکتی ہے۔ اس کائنات کا خالق کون ہے۔ انسان کا خدا سے کیا ربط ہے۔ کیا ضرورت وابستہ ہے۔ یہاں حکومت اور تصرفات کس کے ہیں معبود ہونے کا استحقاق کس کو ہے۔ انسان مصیبت کے وقت کس کو پکارے کون اس کی کارسازی کرے۔ کیا خدا کے سوا کسی دوسرے کو پکارنا درست ہے یہ سوالات عام طور پر اہلِ دانش کے دماغوں میں آتے ہیں۔ اور بے دانش کم فہم آدمی ان پر غور کرنے کی تکلیف ہی گوارہ نہیں کرتے۔ نابینا دماغوں والے ہر فکر و نظر سے بے نیاز ہو کر انسانیت کبریٰ کی تذلیل کرتے ہیں اور مظاہر قدرت کو سجدہ گاہ و عقیدت قرار دے لیتے ہیں۔ قرآن برہانی طور پر فکر و نظر کی دعوت دیتا ہے اور عقل کی روشنی میں تفکر و تدبر کی طرف بلاتا ہے۔ اس کی نظم یہ ہے کہ انسان کی تخلیق ارض و سما کی تخلیق سے آسان ہے اور اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کرتا تو

toobaafoundation.com

اگرچہ خلافِ عقل ہے، لیکن مساوی کو مساوی پر قیاس کرنا جائز ہے اور اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کرنا تو بالکل بدیہی الجواز ہے یہ صحیح کہ الف بار لکھنے والا بچہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میں الف بار لکھ لیتا ہوں اس لئے بہترین خطاطی کر سکتا ہوں، لیکن حروف ہجا، کو خوش خطی سے لکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ میں پھر دوبارہ بھی حروف ہجا، کو اچھی طرح تحریر کر سکتا ہوں۔ اور چینی کا بہترین نقاش اگر معمولی نقش انگلی کا دعویٰ کرے تو اس کے اس دعوے کو کوئی ذی ہوش رد نہیں کر سکتا۔ پس جس خدا نے یہ عظیم الشان کائنات بنائی وہ کیا دوبارہ انسان کو نہیں بنا سکتا۔ اس واضح دلیل کا انکار تو کور دانشی ہے۔ نابینائی ہے۔ اچھا آسمان وزمین کا ذکر بھی جانے دو والاخطر کے سوا کوئی اور ہے۔ رات کو جہد سکون اور دان کو مرکز نور کس نے بنایا۔ بارش کہاں سے آتی ہے کون برساتا ہے۔ رزق کون دیتا ہے۔ کھیتوں کو سرسبز کون کرتا اور کون پاکیزہ پھل پیدا کرتا ہے۔ اچھا ان تمام آفاقی تصرفات سے قطع نظر کرو۔ اپنی ہی حالت پر غور کرو۔ تم کیا تھے قطرۂ بے جان کتنے تغیرات کے بعد آدمی بنے۔ ماں کے پیٹ میں کتنی تبدیلی منزلیں طے کیں۔ اس کو بھی جانے دو۔ تم اگرچہ ماں کے پیٹ میں تھے۔ اور تمام مراحل طے کر چکے ہو پھر بھی وہ کالی کوٹھری کا معاملہ تھا اس روشن دنیا میں آنے کے بعد کیا سے کیا ہوتے چلے جا رہے ہو۔ اسی پر غور کرو بے شعور بچہ باشعور بچہ جوان بوڑھا کیا یہ تمہاری زندگی کے مراحل نہیں ہیں پھر کوئی بوڑھا ہو کر مرتا ہے کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے۔ کیا یہ تغیرات بھی تم کو نہیں دکھتے۔ اگر دکھائی دیتے ہیں تو بتاؤ ایسا کون کرتا ہے۔ کس کا حکم ہر آن جاری ساری ہے۔ کون الحی ہے کون ہر تغیر و فنا سے پاک کون رب العالمین ہے۔ سب کے لئے اسبابِ حیات پیدا کرنے اور فراہم کرنے والا کون الہ کارساز ہے۔ مرادیں دینے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا اگر اللہ کے سوا کوئی دوسرا ایسا نہیں تو پھر اسی کو پکارو اسی کے سامنے اپنی عبدیت کا اظہار کرو اسی کو معبود قرار دو۔ اس سے سرتابی نہ کرو۔ یاد رکھو کہ اس کے اس ہمہ گیر نظام کو تم توڑ نہیں سکتے۔ سرکشی کر نہیں سکتے۔ اگر عبدیت اور عجز و بے بسی کے بعد اس سے استکبار کرو گے، منہ موڑو گے، رشتۂ عبادت کو توڑو گے تو قیامت بہر حال آئے گی۔ اس روز سخت ذلت اور دکھ اٹھانا ہوگا۔ میں تم کو کہاں تک سمجھاؤں عقل کی آنکھیں کھولو اور دیکھو کیوں اندھے بنے ہوئے ہو۔ اندھا اور آنکھیا برابر نہیں ہو سکتا پھر فرماں بردار نیکو کار مومن بدکار کافر کی طرح ہو سکتا ہے۔

تحلیلِ اجزاء

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اکثر آدمی سوجھ بوجھ سے بے بہرہ ہیں۔ ان کی ساری معلومات حسی دائرہ کے اندر بند ہیں۔ عقل و برہان سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ جو چیز ان کے حسی ادراک سے خارج ہو وہ ان کے لئے ناقابل قبول ہے، اسی لئے وہ قیامت کو حقیقت واقعیہ نہیں جانتے اور دوسری زندگی کے امکان کو اچنبے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح غیر محسوس خدا کی ہستی کا اقرار ان کو بعید از فہم معلوم ہوتا ہے۔ علت العلل واجب الوجود کا تعقل اور تسلیم کرنا ان کے بس کی چیز نہیں، اس لئے قرآن نے خالص برہانی رنگ کو چھوڑ کر تمثیل اور آثار سے استدلال کیا ہے۔ بے علم اہل جدال کا سرمایۂ جدال آخرت کا انکار ہے۔ اور جب قیامت کا امکان نہیں تو اخروی جزا سزا کا کیا امکان اور جب جزا سزا سے بے نیاز ہوگئی تو خیر و شر اور اچھے برے عمل کی کیا تمیز اور کیا ضرورت اور اعمال صالحہ و فاسدہ کی تمیز ضروری نہیں تو رسالت کتب سماویہ شرائع الٰہیہ اور خدا کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ غرض اس طرح کوتاہ فہم والا نابینا آدمی مطلق العنان ہوکر سرکش اور باعثِ فساد جہاں بن جاتا ہے۔ اس تمام خرافات کی تردید ان آیات سے شروع کی گئی ہے۔ خلق کے معنی ہیں ایک اندازۂ مخصوص کے ساتھ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا اور نیست سے ہست کرنا آدمی کو اللہ نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ پیدا کیا اور دوبارہ زندگی بھی اللہ کے اندازہ کے تحت ہوگی۔ لیکن یہ بات بعید از فہم نہیں۔ کیونکہ اتنی بڑی کائنات یعنی آسمان زمین جب کچھ بھی نہ تھے تو اللہ نے ان کو مخصوص قدروں کے ساتھ ہستی کا جامہ پہنایا۔ یہ ستارے کہاں سے آیا کیسے آیا اس کو کون لایا کس طاقت کے ساتھ لایا۔ ان کا مادہ پہلے کب تھا اور کیا تھا۔ اس کو سوچو پھر انسان کی تخلیق ثانی پر غور کرو جس میں صرف موجود مادہ کے مختلف ذرات کو جمع کرنا جوڑنا اور صورت کا لباس پہنانا پڑے گا۔ جب سوچنے کے بعد ذہن اس نتیجہ پر پہنچے کہ مادہ کو عدم سے وجود میں لاکر صورت کا جامہ پہنا کر ایسی عظیم الشان کائنات کو اللہ نے پیدا کر دیا تو انسان کے موجودہ مادہ کے پراگندہ ذرات کو اکٹھا کر کے جوڑنا اور جیتا جاگتا انسان دوبارہ بنا دینا کیا دشوار ہے۔ امام رازی نے اس جگہ صراحت کی ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر قیاس کرنا بالکل صحیح ہے جو شخص نے پرندہ درندہ یا انسان بنا کر اس میں روح پھونک دی وہ اگر دعویٰ کرے

کہ میں مٹی کا کھلونا بنا سکتا ہوں تو اس بات کا انکار کرنے والا کور دانش ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ الف بے لکھنے والے کا یہ دعویٰ کہ میں ابن مقفع اور عماد سے زیادہ اچھی تحریر لکھ سکتا ہوں بے بنیاد قرار پائے گا اور ایسے دعوے کے منکر کو نہیں بلکہ مدعی کو نہیں بلکہ مدعی کو بے علم کہا جائے گا۔ ہاں جو شخص اول حقیقت کا انکار کرے گا وہ نابینا کہلائے گا۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ۔ اور ظاہر ہے کہ نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک روشن نظر رکھتا ہے ہر حقیقت کو دیکھتا ہے اچھے بُرے کی تمیز کرتا ہے پاکیزگی اور گندگی میں فرق کر سکتا ہے۔ خوبصورت خوش رنگ بدرنگ اور ان کیفیات میں امتیاز کر سکتا ہے جن کا تعلق نورِ بصارت سے ہے۔ رہا نابینا وہ تو بہرحال نابینا ہے۔ پاک ناپاک کی اس کو تمیز نہیں۔ خوبصورتی اور بدصورتی میں وہ فرق نہیں کر سکتا۔ سیدھا اور ٹیڑھا راستہ اُس کی نظر بے بصر میں ایک جیسا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی گندی چیز کھا لے یا ٹیڑھے راستے پر چل کر کہیں کھائی خندق میں گر کر ہلاک ہو جائے یا کوئی موذی جانور اُس کو کاٹ لے یا کوئی درندہ اس کو لقمہ بنا لے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ۔ صحیح فکر و نظر اور صالح عمل والا آدمی بھی نیکو کار خوش اطوار روشن نگاہ رکھنے والا آدمی ہے جو علمی و عملی صحت کا حامل ہے۔ اس کے نظریات صحیح افکار درست طریق فکر صائب اور اعمال صالح ہیں۔ ظاہر ہے کہ شاہراہ حیات کو وہ صحیح سوجھ کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ کر بخط مستقیم طے کرے گا نتیجہ میں نہ کسی درخت سے ٹکرائے گا نہ پہاڑ سے نہ کسی غار میں گرے گا نہ کنوئیں میں نہ اُس کو کوئی گزندہ کاٹے گا نہ درندہ پھاڑے گا اور اس طرح عافیت کے ساتھ قیامت کے دن منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ رہا کافر بدکار تو چونکہ اس کا فہم غلط اندیش ہے اس کی فکر غیر صحیح ہے اُس کی نظر روشن نہیں اس کی رفتار زندگی درست نہیں اُس کا طریق رفتار بھی کج ہے، اس لئے وہ بصیرت کی روشنی میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھے گا۔ کج مج راہوں اور پیچیدہ تنگ ڈنڈیوں میں بھٹکتا پھرے گا۔ اور آخر کار دوزخ کے غار میں گر پڑے گا اور جہنم کے سانپ بچھو اس کو ڈس لیں گے اور سعیر و سقر کی آگ اس کو جھلسا دے گی۔

بہرحال یہ دونوں گروہ مساوی درجہ نہیں رکھتے۔ ایک یقینی النجات ہے اور دوسرا قطعی تباہ حال۔

قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس جگہ قلت، عدم کے معنی میں ہے اور خطاب کافروں کو ہے یعنی اے جدال کرنے والے کافرو تم کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ دوسری قرأت میں يَتَذَكَّرُونَ بصیغۂ غائب آیا ہے یعنی اہل جدال نصیحت پذیر نہیں ہوتے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن کثیر کی تشریح اگرچہ عربی محاورہ کے موافق اور صحیح ہے لیکن اگر تقلیل کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تب بھی مطلب صحیح رہتا ہے کیونکہ بعض اوقات اہل جدال اپنے جدال کو چھوڑ کر نصیحت پذیر ہو جاتے تھے اور ہو جاتے ہیں یا یوں کہو کہ کبھی کچھ کچھ نصیحت مان لیتے ہیں۔ اگرچہ پوری طرح ہدایت پذیر نہیں ہوتے۔

إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا۔ اوپر کی آیت میں وجود قیامت کی تمہیدی دلیل تھی اور یقینی تھی، اس لئے اس آیت میں اصل مدعا کو تاکیدی رنگ میں بیان فرمایا کہ ساعت معہودہ مقررہ یعنی ساعت قیامت ضرور آئے گی۔ شک کرنے والے شک کرتے رہیں اور اضطرابی حالت میں لوٹتے رہیں۔ ان کو اطمینان نہ ہو تو نہ ہو دلائل و براہین اور واقعہ کی شہادت قیامت کے یقینی الوقوع اور ناقابل شک ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ قیامت کا دن اگرچہ بہت لمبا ہو گا جس میں اعمال کی وزن کشی حساب فہمی اور فیصلے ہوں گے، لیکن حشر یعنی قبروں سے اٹھنا اور زندہ ہو کر نمودار ہونا لمبے وقت کا محتاج نہیں۔ تھوڑے وقت میں ہو جائے گا شاید اسی لئے لفظ ساعت سے تعبیر فرمایا۔ اس کے علاوہ انکار کرنے والوں کو سب سے بڑا شبہ تو حشر اجساد میں ہی تھا اور ہوتا ہے۔ فی الجملہ عذاب ثواب اور حساب کتاب کے تو اہل تناسخ بھی قائل ہیں، اس لئے قوت اور تاکید کے ساتھ حشر کو ہی بیان کرنا چاہیئے تھا۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ یعنی وجود قیامت براہین کی روشنی میں یقینی ہے اور حشر ضرور ہو گا، مگر اس کے باوجود اکثر آدمی نہیں مانتے اور یقین نہیں رکھتے یعنی صرف عناد اور شرارت سے وجود قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ جب ثابت ہو گیا کہ دوبارہ زندگی ہو گی اور قیامت بپا ہو گی۔ اور جزا سزا بھی ہو گی تو بری زندگی کو ترک

toobaafoundation.com

اور اچھی کو اختیار کرنا چاہیئے، لیکن اچھائی برائی اور رشد و باطل کا فیصلہ کون کرے اور کون بتائے کہ صحیح عمل کون ہے اور غلط کون صالح کیا چیز ہے اور فاسد کیا۔ تمیز خیر و شر کے لئے ضروری ہے کہ ہم غور کریں اور دیکھیں کہ ہماری یہ زندگی کس کی ممنون کرم ہے۔ کون ہم کو عدم سے وجود میں لایا اور کس کی عنایت سے ہم کو جسمانی روحانی اور عقلی ترقیوں کے تدریجی اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ اور کس کا دست ربوبیت بغیر ذاتی مفاد کی خواہش کے ہم کو ساری ضروریات زندگی عطا فرماتا ہے۔ چونکہ رب ایک ہی ہے۔ کارساز چارہ ساز مخلوق نواز وہی ہے لہٰذا اسی کو حق ہے کہ وہ افکار و اعمال کی صحت و بطلان کی تعلیم دے۔ پس وہی تمہارا رب۔ مہربان نواز زندہ۔ [illegible] پکار ساز حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو میں دوں گا۔ مجھے پکارو میں تمہاری پکار مانوں گا۔ ممکن کیا مانگو اور کس لئے پکارو ظاہر ہے کہ تمہارا رب تمہارا بدخواہ نہیں، اس لئے اس سے خیر ہی مانگو وہ خیر ہی دے گا۔ اس کے سامنے اپنی عبدیت کا قولی اور عملی اظہار کرو وہ نوازے گا۔ مقصد یہ کہ اپنا تعلق اس سے جوڑ لو معبودیت اور عبدیت کے رشتہ کو نہ توڑو۔ زندگی کی ہر رفتار کا رخ اسی کی طرف کردو عجز و عبادت کا مرکز اسی کو قرار دو۔ ہر دکھ سکھ میں اسی کی خوشنودی کو پیش نظر رکھو تو بس بیڑا پار ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے اس جگہ دعا سے لفظی دعا مراد لی ہے، اس لئے ان کو تفصیل کرنی پڑی کہ کیا مسلمان ہی کی دعا قبول کی جاتی ہے یا غیر مسلم کی بھی اور اجابت دعا کے کیا معنی ہیں کیا منہ مانگی ہر مراد مل جاتی ہے یا مصلحت الٰہیہ کی موافقت ضروری ہے اور کیا ہر دعا کا نتیجہ اس دنیا میں ہی ظاہر ہونا ضروری ہے یا بعض دعاؤں کا نتیجہ یہاں نہیں ملتا آخرت کیلئے ذخیرہ رہتا ہے۔ ہم نے دعا اور اجابت کی جو تشریح کی ہے وہ کسی تفصیل اور استثناء کی محتاج نہیں ہے جس پکار کا آیت میں حکم دیا گیا ہے وہ توحیدی پکار ہے عبدیت کا اظہار ہے عبادت کا شعار ہے۔ اللہ کی معبودیت اور الوہیت کا اقرار ہے۔ بندگی کا عجز و انکسار ہے۔ حکم معبود کے مطابق عبد کی گفتار ہے کردار ہے اور زندگی کی رفتار ہے اور اللہ کی طرف سے جس اجابت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ الٰہی عطوفت ہے ربانی رحمت ہے راہ مستقیم کی ہدایت ہے روحانی نور پاشی ہے عقلی جلوہ افگنی ہے دنیوی کامرانی اور سعادت ہے اخروی نجات و مغفرت ہے اور بالآخر حظیرۂ قدس میں شامل کرکے عطاء قربت ہے۔

نعمان بن بشیر راوی ہیں حضور نے فرمایا دعا کرنا عین عبادت ہے پھر حضورؐ نے آیت اُدْعُوْنِیْ سے دَاخِرِیْنَ تک پڑھی (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن ابی حاتم وابن جریر وابو داؤد وابن حبان والحاکم وقال الترمذی حسن صحیح) محمد بن سعید کا قول ہے کہ محمد بن سلمہ انصاری کی وفات کے بعد ہم کو ان کی تلوار کی میان میں ایک تحریر ملی لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں نے رسول اللہؐ سے سنا تھا فرماتے تھے تمہارے ایام زندگی میں تمہارے رب کی رحمت (کی ہواؤں) کے جھونکے (چلتے رہتے) ہیں تم کو چاہیئے کہ ان کے سامنے ٹھہرے رہو۔ شاید کوئی دعا رحمت کے موافق پڑ جائے جس کے بعد دعا کرنے والے کو وہ سعادت مل جائے کہ اس کے بعد کسی طرح کا خسارہ ہی نہ ہو (رواہ الحافظ الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی) وہیب بن الورد کو سیاحت روم کے درمیان کسی پہاڑ سے ایک ندا سنائی دی کوئی کہہ رہا تھا اے رب مجھے تعجب ہے کہ جس نے تجھے پہچانا وہ کس طرح تجھ سے تیرے سوا کوئی اور چیز مانگتا ہے۔ اے رب مجھے تعجب ہے کہ جس نے تجھے پہچانا وہ کس طرح سوا تیرے کسی اور سے اپنی حاجات مانگتا ہے۔ اے رب مجھے تعجب ہے جس نے تجھے پہچانا وہ کس طرح کسی غیر کو خوش کرنے کے لئے ایسا کام کرتا ہے جس میں تیری ناخوشی ہے۔ دراق اور دوسرے علماء نے قبول دعا کی شرائط میں حلال غذا حلال پاک لباس صدق مقال خلوص قلب ماسوی کے خیال کی نفی اور تضرع وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے ان شرائط کے علاوہ دوسرے آداب دعا بھی ذکر کئے ہیں۔ میری نظر میں جو چیزیں عبادت کیلئے ضروری ہیں وہ ہی دعا کے لئے بھی لازم ہیں۔ دعا بھی عبادت ہے بلکہ عبدیت کا مکمل مجموعہ۔ معبود کی تمام صفات منفی و مثبت کا یقین اسباب ظاہری و باطنی سے قطع اعتماد صرف ذات باری کو مرکز توجہ قرار دینا اپنے عجز کا اقرار گناہ کا اعتراف عفو کی درخواست اور محض ایک کام فہم طاعت کا غلبی مشاہدہ یہ تمام لوازم دعا کی ضروری شرائط ہیں۔ بے ادبی اور سرکشی غرور اور رعونت کی حالت میں دعا کرنی دعا نہیں استہزاء ہے اور بقول دراق ایسی دعا سے بجائے فائدہ کے ضرر کا اندیشہ ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔ حکم دعا ان لوگوں کے لئے تھا جن کو اپنی عبدیت احتیاج عجز اور بے کسی و بے بضاعتی کا اقرار ہے جو معبود کو کارساز قاضی الحاجات متصرف کل اور حاکم مطلق جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اجابت کی خوشخبری بھی دی گئی ہے

toobaafoundation.com

لیکن جن لوگوں کا اعتماد دولت سطوت حکومت روشنی عقل وسعت علم حسنِ تدبر ذاتی قابلیت بھائی بندوں کی کثرت غرض دنیوی اسباب میں سے کسی چیز پر ہے یا وہ کسی موہومی طاقت غیبی ملائکہ فطرت عالم طبائع مادیہ فرضی دیوتا ارواح کواکب اور خبیث شیاطین پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ان سے مدد کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اور انانیت وغرور کے ساتھ کارسازِ حقیقی کی بارگاہ سے منہ موڑتے ہیں۔ ایسے جھوٹے مغروروں کا ٹھکانہ جہنم ہے بحکم دعا کے بعد اس آیت میں جو عَنْ عِبَادَتِیْ کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے دعا کرنی عبادت ہے یعنی دوسروں کو پکارنا شرک فی العبادت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے حضور والاؐ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کا حشر چیونٹیوں کی طرح ہوگا۔ اُن کی ذلت کیلئے ہر چیز اُن سے اونچی ہوگی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو جہنم کے ایک قیدخانے میں جس کا نام بولس ہے داخل کیا جائے گا الخ (رواہ احمد والترمذی)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ، استحقاق الوہیت ثابت کرنے کے لئے قرآن جابجا اللہ کے آفاقی وانفسی انعامات کا تذکرہ کرتا ہے۔ ربوبیت عامہ اور عطوفت تامہ کو بیان فرماکر وحدتِ معبودیت پر استدلال کرتا ہے۔ بقول شیخ بوعلی سینا کے واجب الوجود کو ثابت کرنے کے لئے برہان لمی (علت سے معلول پر استدلال) تو ممکن نہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آثار سے افعال پر افعال سے صفات پر اور صفات سے ذات پر استدلال کیا جائے۔ قرآن مجید کا استدلال صرف حکماء اور روشن عقل رکھنے والوں کی ہدایت کیلئے ہی نہیں ہوتا ایسے آدمیوں کی تعداد تو بہت ہی کم ہے۔ وہ دلیل و برہان کو بیان کرنے میں بھی خطابی طرز اختیار کرتا ہے اور صرف حسی مشاہدات پر قناعت کرنے والوں کے لئے بھی سرمایۂ ہدایت فراہم کرتا ہے چنانچہ اس جگہ جہاں تخلیق زمانہ اور لیل و نہار کے چکر کو عدم سے وجود میں لانے کی صراحت فرمائی ہے اور خالص عقل سے ہر چیز کو ادراک کرنے والوں کو دعوت غور دی ہے وہاں فوائد لیل و نہار بھی بیان فرمائے ہیں اور تخلیق قادرانہ کے ساتھ انعام مربیانہ اور ربوبیت متفضلانہ کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ اللہ نے رات اور دن بنائے اس کی کیسی عظیم الشان قدرت اور انتہا طاقت ہے کہ ایسی لاکھوں میل لمبی چوڑی زمین بنائی پھر عظیم الشان سورج بنایا پھر زمین کو سورج کے یا سورج کو زمین کے گرد اگرد چکر دیا اور یہ دور روزانہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ معلوم نہیں کتنی غیبی طاقتوں کو برسرِعمل کیا اور عرش سے فرش تک تیس چالیس کروڑ ستاروں کو حرکت دی تب کہیں یہ لیل و نہار نمودار ہوئے۔ تمام کروں کی حرکت کا توازن اور قوت وضعف کا تناسب حجم و ثقل اور جذب و ترک کا توافق ان تمام چیزوں کو روز و شب کی تخلیق کا باعث قرار دیا، اس سے اس کی غیر محدود خلاقیت اور ہمہ گیر پُرحکمت قوت جعل کا پتہ چلتا ہے، کیا اس کے سوا کوئی اور ایسا خالق ہے روئی زمین کے سارے سائنس کے ماہر اور انجینئر اگرچہ تخلیق سے عاجز ہیں۔ کوئی ایک ذرہ کے مادہ کو بھی عدم سے وجود میں لانے پر قادر نہیں صرف پیدا شدہ اشیاء کا جوڑ توڑ اور تحلیل و ترکیب ان کا کام ہے، لیکن کیا آج تک وہ کوئی دوسرا دور لیل و نہار بنا سکے یا موجودہ گردش نور وظلمت کو روک سکے یا اس چکر میں ایک سیکنڈ کا تفاوت کر سکے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیوں عبدیت کے دائرہ سے باہر قدم نکالنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کیوں ایسے خلاق کے سامنے سرنیاز نہیں جھکاتے اور کیوں استکبار و غرور کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔

اس خلاقیت کو سمجھنے کے بعد اب ذرا اللہ کی عمومی مہربانی اور شمولی عطوفت و ربوبیت کو بھی دیکھو۔ یہ لیل و نہار کا چکر اس نے کیوں بنایا کیا اس سے اس کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ ہے، جس کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا کسی کو نقصان پہنچانے اور دشمنوں کو تباہ کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا ہے۔ بداہۃً یہ دونوں باتیں نہیں نہ جلب نفع مقصود ہے نہ دفع ضرر بلکہ اس سارے چکر کی غرض صرف یہ ہے کہ تم کو فائدہ پہنچے پرسکون خنک رات اور روشن دن کی تخلیق بھی تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ روحانی قلبی اور جسمانی سکون کا گہوارہ رات ہے اور فضائل روحانیہ اخلاقیہ عمرانیہ، معاشیہ کا سرچشمہ دن ہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو جسمانی راحت کیسے حاصل ہوتی دل کو چین اور روح کو سکون کس طرح میسر ہوتا بدن دماغ اور حواس دماغیہ کی تھکاوٹ کس طور سے دور ہوتی۔ یکسو ہو کر رب کریم کی بارگاہ تک رسائی کیوں کر نصیب ہوتی۔ یہ تمام کام رات ہی میں تو ہوتے ہیں۔ اور دن نہ ہوتا تو موجودات کائنات کی اچھائی برائی کیسے دکھتی۔ اشیاء کے حسن و قبح میں کس طرح تمیز ہوتی۔ ہزاروں واٹ کے برقی بلب کہاں کہاں

toobaafoundation.com

اور کس طور پر کام دیتے یعنی باڑی صنعت و حرفت امارت حکومت نظم و نسق اور تمام معاشی نظام کی سرانجام دہی کس طرح ہو سکتی۔ حقائق لیل و نہار پر غور کرنے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ فطری تقاضوں کو پورا کرتا اور رات و دن کو جن بشری فوائد کے لئے پیدا کیا گیا ہے حدود اطاعت میں رہ کر اُن کے حصول کی بیش از بیش جائز کوشش کرتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اکثر آدمی ناشکرے ہیں۔ فکری یا عملی شرک میں مبتلا ہیں۔ احسان خدا نے کیا گن دوسروں کے گاتے ہیں۔ بشریت کی تکمیل کے لئے لیل و نہار کا چکر قائم کیا گیا اور وہ اسی دور کو انسانیت کی تخفیف اور تباہی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ راتوں کو تباہی انگیز منصوبے باندھنے اور ظلم و سفاکی کی اسکیمیں بنانے میں بے چینی کے ساتھ گنواتے یا فسق و فجور اور عیش و نشاط کی محفلیں گرم رکھنے میں گذار دیتے ہیں اور دن کی پوری مدت کو معصیت کیشیوں بادۂ کبر کی سرجوشیوں اور حق فراموشیوں میں بسر کر دیتے ہیں فطرت خالق کی یہ بڑی ناشکری ہے جس میں اکثر آدمی مبتلا ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ. کلام سابق سے ثابت ہو گیا کہ اللہ ہی رب ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے یعنی مالک منعم متصرف بھی وہی ہے جس نے لیل و نہار کو چکر دے کر آدمی کی ترتیب کا سامان فراہم کیا اور نہ فقط یہ کہ وہ ناظم مدبر اور مربی ہے بلکہ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ سمک سے سماک تک اور ثریٰ سے ثریا تک ہر شئی اسی کی مخلوق ہے اور ہر ہر چیز کو اندازہ کے مطابق بنانا اور نیست سے ہست کرنا اسی کا کام ہے۔ یہ ساری تربیت تخلیق حکمرانی اور جہانبانی بتا رہی ہے کہ اللہ یعنی مستحق الوہیت وہی ہے۔ تمام صفات کمالیہ اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ اور صفات نقص و عیب سے اس کی ہستی پاک ہے۔ پھر اس کی یہ الوہیت یہ مجموعۂ صفت کمال ہونا اس کی وحدانیت پر دلالت کر رہا ہے۔ کسی میں نہ یہ قدرت تخلیق ہے نہ نظم چلانے اور نہ رب ہونے کی قابلیت۔ اسی لئے لا الٰہ الا ہو اس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی مالک نہیں۔ کوئی آمر و ناہی اور آئین ساز حیات نہیں۔ اُس سے اگر منہ موڑا اور رُخ پھیرا جائے تو کدھر کو اس کو چھوڑا جائے تو کس کو ڈھونڈا جائے (ا سے جلال کرنے والے بے وقوف تمہارے یہ گمراہ کن پیشوا یہ نافہم لیڈر یہ کوتاہ بین سردار اور یہ چالاک مشائخ) تمہاری زندگی کے رُخ کو کس کی طرف لگا رہے ہیں۔ اور کذب تراشی کے ساتھ تم کو کہاں لئے جا رہے ہیں۔ حقیقت میں خدا کو چھوڑنا اس سے منہ موڑنا شواہد فطرت اور آیات قدرت سے انکار پر مبنی ہے جو لوگ براہین ربوبیت اور نشانہائے الوہیت کا انکار کرتے ہیں ان کا رخ موڑ ہی دیا جاتا ہے اور غلط طور پر (خبیث شیطان عیار طاغوت اور فریبی مغوی) اُن کے دماغوں دلوں اور ساری قوتوں کو خدا سے ہٹا کر غیر اللہ کی طرف لگا ہی دیتے ہیں۔ یعنی شواہد فطرت کا انکار الوہیت کے انکار کا موجب بن ہی جاتا ہے۔ گزشتہ اقوام و افراد بھی آیاتِ الٰہیہ کے انکار کرنے سے حق سے روگردان ہو ہی گئے تھے اور اغوا کرنے والوں نے ان کو اللہ کی طرف سے دوسری جانب غلط طور پر موڑ ہی دیا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ. سابق آیات میں زمانہ کی تخلیق و گردش سے استدلال کیا تھا۔ اس آیت میں علوی اور سفلی مکان کی تخلیق نفع آفرینی اور بقاء حیات کے وسائل کی فراہمی اور (اندرونی قوتوں کے علاوہ بیرونی) صورتوں کی تحسین کو بطور انعام پیش کر کے اصل مقصد کو ثابت کیا ہے۔ آیت کے تین اجزا ہیں۔

۱۔ اللہ نے انسانوں کے نفع کے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا یہ لفظ اگرچہ مجمل ہے، لیکن معانی کو جامع ہے۔ زمین میں تزلزل نہیں ظاہری کروٹ نہیں۔ دھنسا دینے والی نرمی نہیں۔ ناقابلِ قیام سختی نہیں سطح بھی ہموار ہے۔ آرام دہ ہے ہوا مناسب، پانی موافق، فضا موزوں، ماحول اولافق مطابق ریگستانی سرد گرم ہوائیں سمیت کو دور کرنے والی سمندری مانسون خشکی کو دفع کرنے والی سرسبزی اور روئیدگی۔ راحت پہنچانے والی پہاڑوں کی میخیں بھونچال کے جھٹکوں کو روکنے والی دریاؤں کا اتار چڑھاؤ زمین میں صلاحیت کے غذا نے پیدا کرنے والا غرض یہ تمام احوال کیفیات اور کمیات زمین کو انسان کی قرارگاہ بنانے میں پورے پورے مددگار اور وحدانیت الٰہیہ کی برہان قاطع ہیں۔ اگر زمین میں تزلزل ہوتا تو کون اس کے تزلزل کو روکتا۔ ایک بیج بھی سوکھ جائے تو کوئی اس کو لوٹا کر سبز نہیں کر سکتا۔ پھر یہی نہیں بلکہ آسمان کو بطور چھت بنایا جو سائبان کی طرح دکھتا ہے۔ اگر اللہ کا یہ نظامِ حکومت نہ ہوتا تو آسمان و زمین تہ و بالا ہو جائیں۔ ہم نے وَالسَّمَآءَ بِنَآءً کی یہ تشریح دوسرے مفسرین کی تقلید میں کی ہے، لیکن الفاظ بکثرت معنی پر دلالت کر رہے ہیں۔ ہم الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مزید تفصیل کرنی چاہتے ہیں۔ سماء لغت میں ہر بلندی کو کہتے ہیں۔ ارض و سماء تو

toobaafoundation.com

وہ تو مٹ ہو رہی ہے ۔ ہر کرہ بجائے خود سما ہے ۔ ہر ستارہ کو سما کہا جا سکتا ہے اور بنا جس طرح چھت اور خیمہ کو کہتے ہیں اسی طرح ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس پر دوسری چیز بنی ہو یا جو خود بنی ہو ابنیۃ البیوت اور بناء الوسیل کے الفاظ اس مدعا کے شاہد ہیں ۔ اس توضیح سے یہ مطلب نکلا کہ اللہ نے ان محسوس بلندیوں کروں اور ستاروں کو موجودات زمین کے لئے بنا بنایا ہے یعنی ان کی گردش حرکت خواص اور تاثیرات سے نظام ارضی وابستہ کیا ہے ۔ سورج اور ستاروں کی روشنی اور روشنی کی تاثیر سے کون انکار کر سکتا ہے فصول کا تبادل ، موسموں کا تغیر ، سردی ، گرمی ، خریف اور ربیع کا انقلاب اور الٹ پھیر ، سبزہ کی روئیدگی یا بالیدگی کھیتوں کا جمنا بڑھنا ، پھولنا کھلنا اور درختوں کا لباس تبدیل کرنا اور رنگ آفرین ہونا جانوروں کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں مختلف کیفیات اور اثرات کا ظہور ہمتوں میں بلندی یا پستی دماغوں میں تموج اور تصورات میں پرواز غرض زمین کے ہر تغیر کا سرچشمہ علوی تاثیرات ہیں موالید ثلاثہ اور ان کے اجزاء اربعہ کی ہر کیفیت اور کمیت آباء علویہ سے وابستہ ہے ۔ یہاں تک کہ انسانی تعقلات کی رنگینی بھی مخفی طور پر عالم بالا کی مختلف طاقتوں سے مربوط ہے ۔ ایک دانشمند نے سچ کہا ہے کہ درخت کی کوئی پتی ٹوٹ کر گرتی ہے تو اس سے دس کروڑ کروں کے تمام غیر مرئی ذرات میں ارتعاشی حرکت پیدا ہو جاتی ہے ۔ یہ زنجیری سلسلہ حلقہ در حلقہ یونہی چلا جاتا ہے اور ایک قادر مختار حکمران مطلق الا برحق کی مشیت کے موافق سارا سنسار گھوم رہا ہے اور جھوم رہا ہے اور چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۔

۲ اللہ نے انسان کی شکل دوسرے جانداروں سے حسین بنائی ۔ یوں تو کارخانۂ قدرت میں کوئی چیز بھی بدصورت نہیں ، عارف کی نظر میں فاطر کا حسن ہر چیز سے جھلک رہا ہے جس نوع کا جس قسم کا تقاضہ نظم کائنات کو قائم رکھنے کیلئے تھا وہ پورا کر دیا گیا ، قبیح ترین جانور کی شکل بھی اس کی نوعی اقتضائیات کے ماتحت حسین ہی ہے ، لیکن انسان کو جو ناک نقشہ چہرہ مہرہ قد قامت اعضاء کا تناسب ہڈی گوڈی رگ پٹھے اور گوشت پوست عنایت کیا گیا ہے وہ کسی جانور کو نہیں ملا ۔ ہو سکتا ہے کہ کسی جانور کا قد بڑا ہو ۔ کوئی ضخامت کے ساتھ طاقت بھی زیادہ رکھتا ہو ۔ کوئی بہت چھوٹا اور کوئی بہت زیادہ کمزور ہو ، لیکن قوت ضعف کلانی خوردی بلندی پستی فربہی اور لاغری کے اعتبار سے جو اعتدال انسانی اعضاء میں ہے اور جو جاذبیت آدمی کی صورت کو حاصل ہے وہ کسی کو میسر نہیں ، مور رنگین ہے ، حسین ہے ، نظر کش ہے ، لیکن انسانی رخسار کی برق پاشی کی ایک کرن بھی اس میں نہیں ، شیر کا پنجہ بہت طاقتور ہے ، مگر دست انسانی کی رعنائی زیبائی اور ناخن پوشی سے محروم ، ہاتھی بہت ضخیم الجثہ جانور ہے ۔ کالے پہاڑ کے چار آبنوسی کھمبے بھی لگے ہوئے ہیں ۔ لیکن پائے بشری کی ہمواری ایڑی پنجہ کے توازن کف پا اور پشت پا کے تناسب سے وہ یکسر خالی ہے ۔ کہا ایسے محسن اور حسن کی یہ مہربانی حکمت آفرینی اور قدر اندازی اس کی وحدانیت کو ثابت نہیں کر رہی ہے ۔

۳ اللہ نے کھانے پینے اور پہننے کی پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائیں ۔ رزق طیبات بھی بہت جامع لفظ ہے ۔ انسانی صحت حسن اور لطافت کو باقی رکھنے کیلئے مناسب ، لذیذ اور صحت بخش مطعومات و مشروبات کی ضرورت تھی اور سردی گرمی سے محفوظ رکھنے ، زہریلی ہوا سے بچانے اور موذی جراثیم کو دفع کرنے کے لئے نافع ترین لباس بھی لازم تھا ، اللہ نے یہ تمام پاکیزہ چیزیں آدمی کو مرحمت فرمائیں اور ہر طرح کی غیر پاکیزہ مضر صحت تکلیف دہ ضرر رساں طعام و لباس سے روکا ۔ یہ تو جسمانی پاکیزگی برقرار رکھنے کا سامان تھا ۔ علمی اخلاقی اور عرفانی پاکیزگی پیدا کرنے اور فطرت سادہ کو برقرار رکھنے جو سرمایۂ شریعت عنایت فرمایا وہ اس کی روحانی پاکیزگی کی ضمانت یقینی بہا ہے ۔ پھر ذکر کے پاکیزہ کلمات فکر کے پاکیزہ نظریات اعتدالی ترقی کے لئے جو مدارج جو عنایت فرمائے وہ مزید بالا مزید ہیں ۔

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۔ ایسا جامع صفات کارساز اور مہربان معبود ہی تمہارا مالک ہے ۔ رب ہے ، تم مالک ہے ۔ تم مملوک ہو تو اس کے مربوب ہو تو اس کے پھر اصل مالک کو چھوڑ کر دوسروں کو کیوں مالک بنا لیتے ہو اور رب سے منہ موڑ کر غیر کو کیوں رب قرار دیتے ہو ۔ کیا تم کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ سارا سنسار اللہ ہی کا مربوب ہے مملوک ہے وہی کل جہان کا مالک اور رب ہے اور مربوب اور مملوک کی ہر مشابہت سے مقدس ہے ۔ سب ادنیٰ ہیں وہ اعلیٰ ہے ۔ ہر چیز پست ہے وہ بالا ہے ۔ مملوک کو مالک قرار دینا اور انہی صفات و خصوصیات کا حامل اس چیز کو بنانا جو اپنی ہستی اور بقاء ہستی میں بھی محتاج ہے حماقت نہیں تو اور کیا ہے یہ تمام سنسار اپنے آغاز و انجام کے لحاظ سے قطعاً فانی اور زندگی سے خالی ہے ۔

toobaafoundation.com

هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہی اور حقیقت میں صاحب حیات تو لیس وہی ہے یعنی کسی دوسرے کی زندگی حقیقی نہیں ۔ ظاہری صورت زندگی ہے ۔ فریب زندگی ہے ۔ جس میں حیات ہو اس پر موت کیسے آسکتی ہے اور وجود سے پہلے اس کا عدم کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور جو آغاز میں معدوم اور انجام میں مفقود ہو وہ درمیان میں صاحب حیات کہاں سے بن سکتا ہے ۔ پھر جب کسی میں حیات ہی نہیں تو الوہیت اور معبودیت کا وصف اس میں کیسے پایا جا سکتا ہے ۔ صفات کمال کا تحقق تو اصل حیات کا فرع ہے ۔ جڑ نہیں تو شاخ کیسی ۔ اگر کوئی آدمی نہیں تو آدمی کے اچھے بُرے اوصاف سے اس کا کیا علاقہ ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ایک اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۔ آیات مندرجہ بالا میں جب وحدت الوہیت کو متعدد دلائل کی روشنی میں ثابت کر دیا تو اس آیت میں مسئلہ اطاعت کو متفرع فرمایا ۔ یاد رکھو کہ الوہیت اور توحید الوہیت کا اقرار ایک نظری عقیدہ ہے جس کی صداقت اپنی جگہ مسلم ہے ۔ اس نظریہ کو سمجھنے کے بعد مخلوق کا خالق سے تعلق اور انسان کا خدا سے ربط ہو جاتا ہے اور انسانی فکر کو ماسوا سے آزادی مل جاتی ہے ، لیکن باایں ہمہ صرف فکری درستی سے انسان کی زندگی درست نہیں ہو سکتی ، انسان میں نظری قوت بھی ہے اور عملی طاقت بھی ، روشن فکر رکھنے کے بعد اگر عمل میں تاریکی ہو تو حیات بشری کس طرح چمکیلی ہو سکتی ہے ۔ دنیا میں عقیدۃً شرک رکھنے والوں کے علاوہ بکثرت آدمی توحید نظری کے مدعی ہیں ۔ اللہ کو خالق رزاق ، مہربان ، رحمٰن و رحیم اور الٰہ برحق جانتے ہیں ، لیکن عملی زندگی ان کی دو طرح سے گزرتی ہے ۔ یا تو وہ اپنی اپنے ساتھیوں کی اپنے بزرگوں کی دنیا کے عقلمندوں کی روشن دماغ فلاسفروں کی ، چوٹی کے لیڈروں کی اور خاندانی سرداروں کی عقل و فہم کو قوانین ، اعمال اور ضوابط حیات کی ساخت پرداخت اور وضع کے لئے کافی سمجھتے ہیں ۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کیلئے اُن کی نظر میں شخصی یا جمہوری آئین سازی کافی ہوتی ہے ، ہر روشن ذہن رکھنے والا تنہا یا دوسرے عقلمندوں کے ساتھ مل کر نہ فقط انسانوں کے لئے دستور حیات بنانے کے لئے کافی نظر آتا ہے بلکہ دستور کے بنیادی نظریات بھی تاسیسی طور پر قائم کر سکتا ہے ، اس لئے عملی زندگی کے لئے خدا کی ضرورت ہی نہیں رہتی شخصی اور عمرانی زندگی کی کتاب میں کسی جگہ خدا کا تذکرہ نہیں ہو سکتا ۔ خدا کی ضرورت صرف فطری تکوین و تخلیق کے لئے ہے ۔ اس سے آگے جہاں سے ارادی شعوری اور غیر عزمی زندگی شروع ہوتی ہے وہاں سے انسانی دانش کے تصرفات شروع ہوتے ہیں ۔ اور سمجھدار انسانوں کی عقل خود رہنمائی کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے ۔ چھوٹی سمجھ کا آدمی بڑی سمجھ والے سے زندگی کے تقاضے دریافت کر سکتا ہے اور نابالغ کو بالغ روش اور روش سکھا سکتا ہے ۔ یہ گروہ گو یا خدا کی ہستی اور اس کی وحدانیت کا قائل ہے مگر فکری اور نظری طور پر عملی زندگی میں وہ انسان کو خدا سے بے نیاز جانتا ہے ۔ اس گروہ کے عقلمندوں کی دماغی کھیوریاں عملی زندگی میں جب عملی زندگی میں کارفرما ہوتی ہیں تو چونکہ کوئی متفق علیہ مشترک صداقت نہیں ہوتی ، اس لئے ایک ہی زمانہ اور ایک ہی مقام پر مختلف اوقات اور مختلف ممالک میں باہم ٹکراتی ہیں ۔ انسان فطرۃً خود رائی ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ افلاطون ارسطو کی موافقت ہی کرے اور افلاطون کی ریاست ارسطو کو بھی تسلیم ہو بلکہ یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ بعض انسان ایک ہی وقت میں ایک نظریہ عمل کو صحیح سمجھتا ہے اور خود ہی مزید غور و فکر کے بعد دوسرے وقت میں اس کو غلط قرار دیتا ہے ۔ اس لئے تمام انسانوں کا تمام جہات کُل ممالک اور ہر وقت میں کسی ایک نظریۂ حیات پر عمل کرنا اور نہ ہم تصادم نہ ہونا ممکن نہیں طاغوتی طاقتیں ضرور ٹکراتی ہیں ۔ اور انسان کی بھری بھالی آبادیاں تباہ ہوتی ہیں ۔ نسل انسانی ہلاک کھیتیاں اُجاڑ اور عمارتیں ویران ہو جاتی ہیں ۔

موحدین کا دوسرا گروہ قائل ہے کہ قوانین زندگی بنانے کے لئے خدا کی ضرورت ہے ، لیکن خدا کے کچھ نمائندے اس دنیا میں ہیں اور رہتے ہیں ۔ وہ واقف ہیں اسرار ہیں عارف رموز ہیں مقربین بارگاہ ہیں ۔ خدا کے چہیتے اور پیارے ہیں ، اس لئے ان کی فرمان پذیری بعینہٖ خدا کی فرمان پذیری ہے ۔ وہ شارع ہیں مقنن ہیں مؤسس آئین ہیں ماہر قوانین ہیں ۔ اس لئے جہاں خدا کی اطاعت کی جائے وہاں ان کی خوشنودی حاصل کرنی اور ہر جزی ہے تابعداری کرنی بھی لازم ہے ۔ اللہ کے قوانین کو ہم نہیں سمجھ سکتے ۔ خدائی زبان کے مطلب تک ہماری فہم کی رسائی نہیں ۔ اس لئے کلام خداوندی کی شرح ان کے خلاف بھی ہم کو ان واقفانِ اسرار کی تشریحات کی پابندی کرنی چاہیئے ۔ حقیقت میں شیطان کا یہ ایک بڑا فریب

toobaafoundation.com

ہمہ رنگ زریں جال ہے جس میں وہ عوام کو پھنسا رہا ہے۔ دھوکہ دے کر عملی شرک کو توحید کی شکل میں پیش کر رہا ہے گویا وہ کہہ رہا ہے کہ کھاؤ خدا کا اور پکارو اپنے خود رو پیشواؤں کو، خود ساختہ رہنماؤں کو، برخود غلط مدعیان عرفان کو، فرضی طاغوتوں کو اور کہیں وہ اس سے بھی زیادہ گہری وسیسہ کاری سے کام لیتا ہے اور کسی سچے عالم اور صادق عارف اور معزز ولی مقرب کا نام لے کر کہتا ہے کہ یہ مسلم الثبوت حقائق شناس تھے۔ بجز شریعت کے تبرک تھے۔ اس لئے جہاں خدا کو پکارو ان کو بھی پکارو۔ یہ از خود کارخانۂ قدرت کے مالک نہیں، مگر نائب خدا ہیں، خلیفۃ اللہ ہیں۔ ان کے تصرفات کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ اسی لئے ان سے مرادیں مانگو ان کو کارساز جانو اور قاضی الحاجات مانو شیطان کی یہ وسیسہ کاری سب سے زیادہ پرفریب ہے۔ گویا اس نے بندوں کو خدا سے بے نیاز کر دیا اور سب کو چھٹی کا پیام دے دیا۔ انسانوں یا فرشتوں کو خدا اور بندوں کے درمیان حائل کر دیا۔ مخلوق کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ قرآن نے کہا کہ جب تکوین تخلیق ربوبیت اور نظمی تصرفات میں تم خدا کو مالک و مختار بے ہمتا بے مثال اور ہر قسم کی مدد سے بے نیاز جانتے اور سمجھتے ہو تو اس کی اطاعت میں بھی کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اس کو پکارو خالص اطاعت کے ساتھ۔ جس طرح پکار اور دعا میں شرک حرام ہے۔ اسی طرح اطاعت و فرماں پذیری میں بھی مشارکت ناجائز ہے یعنی اگر اس کی اطاعت سے کتنی ہی بڑی مخلوق روکے تو کسی کا کہا نہ مانو۔ خالق کی معصیت اور مخلوق کی اطاعت یہ صریحی عملی شرک ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پروردگار عالم کا شکر ہے کہ اس نے زندگی کے بنیادی اصول کی تاسیس اپنے ہاتھ میں رکھی، اگر وہ تاسیس نہ کرتا اور یہ کام انسانوں پر چھوڑ دیتا تو انسان کی یہ آباد بستیاں اب سے بہت پہلے ٹکرا کر تباہ ہو چکی ہوتیں۔ ہر گروہ اپنے پیشوا کے اساس قوانین کو برحق سمجھتا اور دوسرے کے اصول کو امن سوز قرار دیتا۔ اور امن کوشی کے بہانے سے اللہ کی ساری زمین کو معصوم بچوں، عاجز بیواؤں، ضعیف بوڑھوں اور بے زبان جانوروں کے خون سے رنگین کر دیتا۔ حقیقت میں وہ رب العالمین ہے پھر رب الناس کس طرح نہ ہوتا۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ علماء سلف کی ایک جماعت کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر توحید کا اقرار کرتا تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھنے کا بھی اس کو حکم دیتے، ابن جریر نے ابن عباس کا بھی یہی قول مسنداً روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جب کوئی شخص آیت فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ پڑھے تو اس کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی کہے اور اس کے متصل ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی پڑھے امام احمد کی روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ عبداللہ بن زبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد یہی تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے (وقد رواہ مسلم و ابو داؤد)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مذکورہ بالا آیات میں اللہ کی الوہیت کو شواہد و براہین کی روشنی میں ثابت کر کے خالص اطاعت اور عملی انقیاد کا حکم دیا گیا تھا۔ اس آیت میں براہ راست حضور والا کو اور بالواسطہ ہر مومن کو نہی اور امر کی شکل میں واضح طور پر اٹل فیصلہ سنا دیا گیا۔ پہلے توحید علمی و عملی کو سمجھنے کے لئے آفاقی اور انفسی آیات پر غور کرنے کی دعوت دی تھی اور اس آیت میں صاف ارشاد فرما دیا کہ جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی اور شواہد فطرت بھی سامنے آ گئے تو اب صاف کہہ دیجیے کہ تم اللہ کے علاوہ جن معبودوں کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت (اطاعت اور پکارنے) کی ممانعت کر دی گئی ہے اور صرف رب العالمین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت میں بینات سے مراد ہیں نقلی اور عقلی شواہد۔ اور عبادت کا لفظ ہر اطاعت کو شامل ہے اور اسلام سے مراد ہے عقیدۂ توحید کا شرعی اقرار اور عملاً احکام خداوندی کی پابندی۔

(نوٹ) اگرچہ تکوینی طور پر ساری کائنات اللہ کی فرماں بردار ہے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی، لیکن آیت میں اسلام سے مراد ہے ارادی شعوری اطاعت۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا الوہیت کے اسباب کا یہاں سے دوسرا طرز اختیار کیا۔ ان

toobaafoundation.com

آیات کے مطالعہ سے اللہ کی دقیق حکمت، عجیب صنعت، زبردست قدرت اور انسان کی ہر آن فنا پذیری اور زوال آگین ظاہر ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کتنا ہی بڑا انسان ہو مگر ہر آن فانی ہے۔ عنصری بے جان بے حس جامد حالت سے بدلتے بدلتے حالتِ پیری تک پہنچتا ہے اور بالآخر وقت مقررہ پر مر جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اللہ کا حکم جاری اور ساری ہے۔ انسان کی موت اور زندگی اسی کے قبضہ میں ہے اس کو کسی چیز کی تخلیق اور نظم عالم کو چلانے کے لئے درمیانی مادی ذرائع کی بھی ضرورت نہیں نہ وزیروں اور کارندوں کی احتیاج ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کا ارادی امر ہی کافی ہوتا ہے جب چاہتا ہے فوراً سب کچھ ہو جاتا ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں خَلَقَکُم مِّن تُرَابٍ کی تشریح کے ذیل میں لکھا ہے کہ ہر شخص کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ شاید امام کی مراد یہ ہے کہ اگرچہ انسانی ساخت میں مختلف عناصر کا دخل ہے، لیکن زیادہ حصہ مٹی کا ہی شامل ہے۔ دوسرے عناصر کا شمول تو صرف ضرورتاً ہے۔ مٹی اور کھاد ہی سے سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ سبزہ سے غلہ اور پھل بنتے ہیں جو جانوروں اور انسانوں کی خوراک میں صرف ہوتے ہیں۔ جانوروں کا دودھ اور گوشت اسی خوراک سے بنتا ہے۔ دودھ سے گھی پنیر مکھن اور دہی بنتا ہے اور ان چیزوں کو انسان کھاتا ہے۔ انسانی خوراک سے چوتھے ہضم کے بعد نطفہ بنتا ہے۔

دوسرے اہلِ تفسیر کہتے ہیں کہ مٹی سے صرف آدم کو پیدا کیا گیا اور آدم کے اندر نطفہ بنا جس سے دوسرے آدمی پیدا ہوئے۔ آیت میں یہی مراد ہے۔ غرض سفید نطفہ پختگی کے بعد رحمِ مادر میں خون کا لوتھڑا بنا (اس کے بعد مضغہ گوشت کی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی اور ترقی کرتے کرتے اندرونی اور بیرونی اعضاء کی جدا جدا شکلیں اور ساخت بن گئی اور ایک ہی مضغہ گوشت سے بنے ہوئے مختلف اجزائے جسم مختلف خصوصیات و فرائض کے حامل قرار دیئے۔ کسی کا مزاج گرم ہوا کسی کا سرد کسی کا خشک کسی کا تر کسی کے ذمہ ہضم کا کام ہوا کسی کے ذمہ حرکت دینے اور حرکت پانے کا کوئی عضو غور و فکر کا حامل قرار پایا کوئی روح حیوانی یا نفسانی یا طبعی کا مرکز کسی کو شنوائی کی طاقت دی کسی کو دیکھنے کی، کسی کو سننے کی کسی کو چکھنے یا سونگھنے کی، غرض ایک مادہ سے بنے ہوئے اعضاء مختلف الامزجہ مختلف الخصوصیات اور مختلف الفرائض ہو گئے) اس کے بعد اسی مضغہ بے جان کو خدا نے جاندار بنا کر بچے کی شکل میں باہر لاتا ہے۔ (اس وقت بچہ بے شعور ہوتا ہے نہ اس میں نفع نقصان کی تمیز نہ دوست دشمن اور اپنے بیگانے کی شناخت بے بس محض۔ اللہ اس کو دنیا میں لایا، آ گیا، پیدا کیا ہو گیا۔ خورد و نوش کی طرف سے بے فکر، کمائی کی طرف سے غافل، اللہ اس کے لئے لطیف غذا کا انتظام کرتا ہے اس کی پرورش کے لئے دودھ کی نہریں بہا دیتا ہے۔ اس کو پینا سکھاتا ہے۔ اس کے معدے اور آنتوں کو ہضم کرنا بتاتا ہے اس کے جسم کو لمبا چوڑا اور موٹا کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بیٹھنا پھر کھڑا ہونا پھر چلنا پھرنا دوڑنا سیکھتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ سنِ شعور تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ پرورش کرتا رہتا ہے)

ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ تاکہ تم بڑے (ہو کر) قوت اور مضبوطی کی حد تک پہنچ جاؤ (ہاتھ پاؤں دل جگر اور دوسرے اعضاء مضبوط ہو جائیں جسمانی اور دماغی طاقتیں بھرپور ہو جائیں۔ پھر اسی طرح پالتے پالتے انحطاط کے دور تک پہنچاتا ہے تاکہ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا تم بوڑھے ہو جاؤ (اور اس تدریجی بلندی پستی اور ترقی و تنزل کا گہری نظر سے معائنہ کرو)

وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ اور کچھ لوگ اس سے پہلے وفات پا جاتے ہیں۔ یعنی بڑھاپے سے پہلے جوانی میں یا جوانی سے پہلے بچپن میں مر جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس تکوینی تغیرات میں تم بالکل عاجز اور مجبور ہو اللہ کا حکم ہر طرح جاری ہے۔ ہر آن وہ تم کو لوٹتا پلٹتا ہے وہ انتہائی کمزوری اور بے بسی کے بعد تم کو طاقت دیتا ہے تاکہ اس کی طاقت کا مطالعہ کرو اور قدرت کو دیکھو۔ اگر جوانی میں ہوش نہ آئے تو انحطاط اور زوالِ قوت کے زمانہ میں بیدار ہو جاؤ اور آنکھیں کھول کر اپنی مجبوری مقہوری اور عبدیت کو دیکھو اور تم کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔

وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى اور مقررہ میعادِ زندگی تک پہنچ جاؤ۔ یعنی یہ سمجھ لو کہ آدمی کے لئے یوں تو ہر آن موت ہے گذشتہ حالت اور کیفیت کی موت مگر آخری زندگی کی جو مہلت مقرر کر دی گئی ہے وہ بہر حال آئے گی۔ کتنی ہی طویل عمر ہو جائے موت کے پنجہ سے رہائی ناممکن ہے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ شاید تم سمجھ سے کام لو اور جان جاؤ (کہ ضعف کے بعد قوت اور قوت کے بعد ضعف خدا کی قوتِ قاہرہ پر دلالت کر رہا ہے

toobaafoundation.com

دینِ حق کی تبلیغ واشاعت کیلئے عظیم الشان پروگرام

اللہ جل شانہ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ ہمارے ادارہ نے تفسیر بیان السبحان کی قسط وار اشاعت سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جس عظیم تبلیغی خدمت کا سلسلہ شروع کیا تھا اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ تفسیر بیان السبحان اپنی زبان و بیان کے اعتبار سے ایک بے مثال تفسیر ہے۔ عام مسلمانوں اور علمی حلقوں میں کافی شہرت اور قبولیت حاصل کر چکی ہے اب تک اس کے ۳۰ پارے قسط وار شائع ہو چکے ہیں۔ انشاء اللہ مستقبل قریب ہی میں پروگرام کے مطابق مکمل ہو جائے گی۔ تفسیر بیان السبحان کی قسط وار اشاعت میں ممبر حضرات اور عام خریداران نے اپنے دینی ذوق و شوق کے زیر اثر اس تفسیر کی پذیرائی میں جو حصہ لیا وہ ہمارے لئے یقیناً حوصلہ افزا ہے اور اس ہمت افزائی اور مومنانہ تعاون کے لئے ہم ان کے بصمیم قلب شکر گزار ہیں،

تفسیر بیان السبحان کی اشاعت کے دوران ہمیں بہت سے محبین و مخلصین نے تحریر کیا کہ مسلمانوں کی معاشرتی اور اخلاقی اصلاح و فلاح کے لئے اسلامی قوانین کی ایک جامع اور مستند انسائیکلو پیڈیا بھی شائع کی جائے تو بہت بہتر ہے تاکہ عام مسلمان اسلامی زندگی کے تمام مسائل سے واقف ہو جائیں اور ان کے مطابق عمل کر کے خود کو شرافت و انسانیت کا نمونہ بنا سکیں۔ ضرورت اور افادیت کے پیش نظر یہ مشورہ ادارہ کے لئے یقیناً قابل قبول ہے اور تبلیغ و اشاعتِ دین کا وہی جذبہ جو تفسیر بیان السبحان کی اشاعت کا محرک ہوا اس کارِ خیر کے لئے بھی محرک بن گیا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے فقہ اسلامی کی بہترین اور مستند کتاب فتاویٰ عالمگیری کے اصل عربی متن کو سلیس عام فہم اردو ترجمہ اور شرح کے ساتھ اجزاء کی صورت میں قسط وار شائع کیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری

بلا شبہ عہدِ عالمگیری کا ایک عدیم المثال کارنامہ ہے جسے اس زمانہ کے سینکڑوں علمائے امت اور مفتیانِ دین نے پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک عرصہ کی شدید کاوش و محنت کے بعد مرتب کیا تھا۔ درحقیقت یہ کتاب اسلامی دینی احکام و مسائل کی ایک عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا ہے اور آج تک مسائل دینیہ میں مسلمانوں کے لئے دلیل و حجت اور مشعلِ ہدایت ہے۔ فقہ حنفی اس کتاب پر بجا طور پر فخر و ناز کرتی ہے۔

ضروری گزارش اور اپیل

تمام برادرانِ اسلام سے بالعموم اور اپنے مخلصین و محبین سے بالخصوص ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ اس اہم ترین دینی اور تبلیغی کام میں اپنے گرانقدر تعاون سے ہماری ہمت افزائی فرمائیں تاکہ یہ عظیم الشان کام بہ احسن وجوہ پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔

فتاویٰ عالمگیری مروجہ طریقِ کار کے مطابق بصورتِ اجزاء قسط وار شائع کی جائے گی۔ ہر جزو ادسطاً سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ کاغذ سفید رنگین ودیدہ زیب ٹائیٹل، سائز بیان السبحان کی طرح ۲۰×۳۰/۸ کتابت و طباعت اعلیٰ اور معیاری ہوگی۔ ان خصوصیات اور خوبیوں کے باوجود ہر جزو کتاب کی قیمت صرف ۵/۲ روپے رکھی گئی ہے تاکہ ہر مسلمان اس نادر کتاب کو بآسانی خرید سکے۔ محصول ڈاک قیمت کتاب کے علاوہ ہوگا۔ جو حضرات تفسیر بیان السبحان اور فتاویٰ عالمگیری کو ایک ساتھ منگانا چاہیں ان کو وی پی -/۷ روپے میں روانہ کیا جائے گا۔ محصول ڈاک اس میں شامل ہے۔

رعایتی تبلیغی اعلان

جو حضرات فتاویٰ عالمگیری کے مستقل خریدار بن کر اپنا نام ایک روپیہ فیس ممبری حاصل کر کے بحیثیت ممبر درج رجسٹر کرالیں گے ان کے ساتھ خاص رعایت کی جائے گی۔ یہ رعایت اس طرح ہوگی کہ ممبران کو کتاب کا ہر جزو مع محصول ڈاک صرف ۲/۵۰ روپے میں بذریعہ وی پی ارسال کیا جائے گا اس صورت میں خریداروں کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ ہر جزو کا محصول ڈاک جو تقریباً ساڑھے روپیہ ہوتا ہے ادا نہ کریں گے بلکہ یہ محصول ادارہ خود ادا کرے گا۔ ہر ممبر کو فیس ممبری صرف ایک مرتبہ ادا کرنی ہوگی۔ ہم اپنے تمام محبین سے مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایک روپیہ فیس ممبری روانہ کر کے اپنا نام رجسٹر ممبران میں درج کرالیں اور اس رعایتی اعلان سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔ کوپن منی آرڈر میں لفظ "فیس ممبری فتاویٰ عالمگیری" ضرور تحریر فرمائیں۔

وسیم بک ڈپو دیوبند ضلع سہارنپور۔ یو۔ پی

toobaafoundation.com

جس خدا نے عنصری حالت سے ترقی دے کر آدمیت کا لباس پہنایا وہ مرنے کے بعد پھر بھی زندہ کر سکتا ہے۔ (ابن جریر بحچ)

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ۔ غرض وہی زندہ کرتا ہے وہی موت بھیجتا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر اگرچہ بچہ ماں کے پیٹ اور باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں زندگی عطا کرنے والا خدا ہی ہے۔ یہ تو زندگی عطا کرنے کے راستے ہیں۔ اسی طرح آدمی اگرچہ بیماری سے یا کسی کی ضرب سے یا کسی اور طریقے سے مرتا ہے مگر موت بھیجنے والا اور مقررہ مدت حیات کو ختم کرنے والا خدا ہی ہے پھر زندگی اور موت بھیجنے کے لئے اس کو کسی سامان یا مددگار یا امداد زمانہ یا حالات کی موافقت کی بھی ضرورت نہیں بلکہ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ جب وہ کچھ کرنا چاہتا ہے اور کسی کام کا فیصلہ کر چکتا ہے تو اس کا کن کہنا یعنی امر مشیت ہی اس امر کی سرانجام دہی کے لئے کافی ہوتا ہے (کوئی روک نہیں سکتا)

سورۂ یٰسین میں آیا ہے إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ اور اس جگہ بجائے أَرَادَ کے لفظ قضیٰ استعمال فرمایا ہے۔ ہم نے وہاں لکھا تھا فَيَكُونُ، إِذَا أَرَادَ کی جزا ہے اور أَن يَقُولَ لَهُ كُن بدل ہے اور شَيْئًا مبدل منہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یعنی کسی چیز کے متعلق کُن کہنا چاہتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے، لیکن یہ تاویل اس جگہ نہیں ہو سکتی کیونکہ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن کو اس جگہ أَمْرًا سے بدل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ إِنَّمَا کا لفظ اس سے انکار کر رہا ہے، اس لئے بظاہر یہی مطلب نکلے گا کہ اللہ کن کہتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس مطلب پر مختلف رنگ میں شبہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کیا کسی چیز کی تخلیق کے لئے خدا کو کن کہنے کی ضرورت ہے صرف ارادہ کافی نہیں ہے۔ لفظ کن زمانی ہے۔ اس لفظ کو کہنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے خواہ کتنا ہی قلیل وقت ہو تو کیا تخلیق الٰہی زمانہ کی محتاج ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر چیز کا ظرف زمانہ ہے لیکن زمانہ کی تخلیق کے لئے کوئی دوسرا زمانہ ہے۔ اگر ہے تو یہ سلسلہ غیر متناہی تک پہنچے گا یا اوّلی زمانہ کی تخلیق کا ظرف زمانہ کو قرار نہیں دیا جائے گا پھر ہر خطاب موجود سے ہوتا ہے معدوم کو حکم دینے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ جب کوئی چیز موجود ہی نہ ہو تو اس کو مخاطب کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام شبہات کے ازالہ کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ شک کلام لفظی پر ہو سکتا ہے۔ اور اللہ کا کلام حقیقت میں کلام نفسی ہے جو قدیم ہے وہاں نہ کوئی ماضی ہے نہ حال نہ استقبال نہ واقع نہ منتظر الوقوع، ارادہ کی ایک لہر اور علمی موجودات کی طرف مشیت کی ایک توجہ ظہور کائنات کے لئے کافی ہے۔ ساری کائنات ازل سے ابد تک علم الٰہی میں مفصل موجود ہے جس چیز کو عالم ظہور میں لانا چاہتا ہے اپنی علمی لوح میں اس کی طرف توجہ فرماتا ہے وہ چیز نمودار ہو جاتی ہے۔ اس چاہنے کی تعبیر سورۂ یٰسین والی آیت میں لفظ أَرَادَ سے اور اس جگہ لفظ قضیٰ سے کی ہے اور علمی لوح کی طرف توجہ کو قول کن سے تعبیر کیا ہے ورنہ واقع میں نہ وہاں الفاظ ہیں نہ قول نہ زمانہ نہ زمانیات نہ حروف مقطعہ نہ صوت مقبل زوال پذیر۔ اگر ہماری زبان میں دقیق ترین لفظ کوئی مل سکتا ہے تو ہم اس کے فعل کو آنی کہہ سکتے ہیں۔ مگر واقع میں وہ آنی بھی نہیں۔ صرف اپنی معلومات قدیمہ کی طرف توجہ کسی چیز کے ظہور حدوثی کے لئے کافی ہے۔ والعلم عند اللہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ۔ آدمی کے تخلیقی تغیرات فنا پذیری اور مجبوری و عجز کو بیان کرنے اور اپنی قوت قاہرہ اور قدرت باہرہ کی صراحت کرنے کے بعد اب روئے کلام انہیں اہل جدال کی طرف موڑا جو بے دلیل کٹ حجتیاں کرتے اور اللہ کی کھلی ہوئی نشانیوں میں جھگڑا کرتے ہیں (اور ان تغیرات کو کبھی طبعی کبھی دہری کبھی اتفاقی اور کبھی مجہول الحال علّتی قرار دیتے ہیں اور تصرفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں) أَلَمْ تَرَ سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا صدا اللہ اور ہر مخاطب کو تنبیہ ہے اور استفہام تعجبی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو ان جھگڑا کرنے والوں کی حالت بھی عجیب ہے شواہد الٰہیہ میں جدال کرتے ہیں ان کا رخ کدھر کو ہے کس طرف (دھکم دھکا) ان کے رخ کو موڑا جا رہا ہے یعنی حق و صداقت سے روگرداں اور کذب و باطل کے لئے کوشاں اور رواں دواں۔

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ۔ گذشتہ آیات پر استدلال کو ختم کر دیا لیکن اہل جدال کا جدال ختم نہ ہوا انہوں نے بصیرت کا مقابلہ نابینائی سے معقول کا مبہم سے صداقت کا کذب سے اور حق کا باطل سے کیا اور سمجھ کی کوئی بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی تو (آخر اللہ دوا داغ) علاج کا آخری نمبر داغ لگانا) لامحالہ جب تک غلط اندیش کج روی اور بداعمالی کا نتیجہ بد ان کے سامنے نہ آجائے اور اپنی کج رفتاری کی سزا میں پھنس نہ جائیں اس وقت تک ان کی سمجھ میں کوئی صداقت آ ہی نہیں سکتی۔ نافہم کج اندیش آدمی جب تک اپنے

toobaafoundation.com

کسی کی سزا میں گرفتار نہ ہو جائے اور بدکرداری کے نتیجہ بد کو آنکھوں سے نہ دیکھ لے بلکہ جب تک اس کا مزہ نہ چکھ لے اس وقت تک وہ اپنی غلط روی کو تسلیم ہی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کی وحی و رسالت کا انکار کرتے ہیں قیامت کے دن جب طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے دوزخ کی آگ میں جھونکے جائیں گے اور ابلتے کھولتے پانی میں ان کو گھسیٹا جائے گا اس وقت ان کو یقین آئے گا اور حقیقت کو سمجھیں گے۔

يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ۔ حمیم سے مراد ہے وہ گرم پانی جس کی گرمی سے حسب صراحت حدیث پینے والے کی آنتیں کٹ کر گریں گی۔ زقوم کی خوراک ملنے کا تذکرہ اس آیت میں نہیں۔ دوسری آیت میں آیا ہے۔ ثم کا مفہوم اس جگہ صرف تراخی اور تعقیب زمانی کے لئے نہیں ہے بلکہ مختلف تکالیف کا اظہار مقصود ہے۔ کبھی شدت بھوک و پیاس میں حمیم و زقوم کی جانب کھینچا جائے گا۔ کبھی آگ میں جھونکا جائے گا۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا۔ دوزخ میں داخل کر دینے اور مختلف عذابوں میں مبتلا کرنے کے بعد (دوزخ کے فرشتوں کے ذریعہ سے) ان سے دریافت کیا جائے گا اب وہ چیزیں جن کو خدا کی خدائی میں تم شریک جانتے تھے کہاں ہیں۔ لفظ (جو بے عقل چیزوں کے لئے عربی میں مستعمل ہے) بتا رہا ہے کہ تانبے پیتل لوہے پتھر اور دوسری چیزوں سے بنائے ہوئے بتوں اور درختوں اور دریاؤں اور ستاروں اور بسیط عنصروں غرض ان تمام بے عقل چیزوں کے متعلق سوال ہوگا جن کو کارساز یا مظہر الوہیت سمجھ کر اہل شرک پوجتے ہیں۔ یا ما کا لفظ عام ہے۔ اس میں وہ تمام ظاہری اور غیبی معبود داخل ہیں جن کی مدد کے بھروسے پر ان کی پوجا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح حضرت عزیر ملائکہ بعض دوسرے انبیاء اور اولیاء۔ جامد اور نامی مخلوق۔ سماوی و ارضی طاقتیں اور ان کے مظاہر وغیرہ۔ ملائکہ انبیاء اور صلحاء کی شفاعت حق ہے اور شفاعت بھی ایک قسم کی مدد ہے، لیکن مشرکوں کے متعلق کوئی بھی شفاعت نہ کرے گا۔ اور آیت میں صرف مشرکوں کی حالت کا بیان ہے، اس لئے ایمان دار گنا ہگاروں کے متعلق شفاعت کا رد اس آیت سے مستنبط نہیں ہو سکتا فرشتے جب ان کذاب مشرکوں سے ان فرضی کارسازوں کے متعلق دریافت کریں گے جن کی وہ پوجا کرتے تھے تو دوزخی جواب دیں گے وہ کھو گئے۔ اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ آج ہم کو وہ نظر نہیں آتے معلوم نہیں کہاں گئے۔ دوسرا مطلب یہ کہ آج وہ ہماری مدد نہ کر سکے ہم کو ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا۔ مندرجہ بالا جواب کے بعد دوزخیوں کو شاید خیال ہوگا کہ ممکن ہے جھوٹ بولنے سے کچھ فائدہ مل جائے اور بے قصور سمجھ کر چھوڑ دیا جائے، اس لئے کلام اول سے اعراض کرتے ہوئے کہیں گے ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو بھی نہیں پکارتے تھے یعنی کسی کی مدد کے خواستگار اور کسی کے پجاری نہ تھے دوسری آیت میں اسی مفہوم کو اس طرح بیان کیا۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے حضورؐ نے آیت إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ الخ تلاوت فرمائی پھر فرمایا اگر سر کے برابر رانگ کا ایک گولہ آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے تو رات ہونے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے گا۔ حالانکہ یہ درمیانی مسافت پانچ سو برس کی راہ ہے، لیکن اگر دوزخیوں کی زنجیر کے ایک سرے سے اس کو (جہنم کے اندر) پھینکا جائے تو قعر جہنم تک پہنچنے میں چالیس برس دن رات اس کو چلنا پڑے گا۔ (رواہ احمد والحاکم وابن مردویہ والبیہقی والترمذی وقال حدیث حسن)

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ۔ دنیا میں کافر گمراہ تھے۔ آخرت میں بھی ان کا باطن خبث سے بھرا ہوا ہوگا۔ دنیا میں بھی جھوٹ بولتے تھے اور فرضی خداؤں کو عبادت اور پکار میں اللہ کا شریک بناتے تھے قیامت کے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور شرک سے صراحتاً انکار کر دیں گے۔ اللہ ہی کافروں کو گمراہ چھوڑ دیتا ہے یعنی ان کا کفر ان کی منبع ہے۔ جب انہوں نے کفر کیا تو کفر کے سبب اللہ نے بھی ان کو ہدایت نہیں کی۔

ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ۔ یہ سزا دنیا میں اترانے اور اکڑتے پھرنے کی ہوگی یعنی ناحق بے دلیل خود رائی اور غرور کے زیر اثر جو اہل حق کے مقابلے میں کافر اکڑتے اور اپنی حکمت و دانش اور سیادت و وجاہت پر اتراتے تھے اور حق کی طرف توجہ کرنا

toobaafoundation.com

کبھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ قیامت کے دن اُس کی یہی سزا ہوگی اور ان کو حکم دیا جائے گا کہ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ۔ جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ تکبر کرنے والوں کا وہی ٹھکانہ ہے اور بُرا ہے۔ ابوابِ جہنم کا بیان دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے۔ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے کافروں کی جماعت کا ایک تقسیم شدہ حصہ مقرر ہے۔

خود رائی اور غرورِ نفس بُری بلا ہے۔ صداقت کو ٹھکرانے کا زہریلا مادہ اسی کان سے پیدا ہوتا ہے۔ متکبر کبھی مومن نہیں بن سکتا۔ حدیث میں وارد ہے۔ لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به جب تک تمہاری نفسانی خواہش وحی رسالت کے تابع نہ ہو جائے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔

تفسیری غلط فہمی علامہ قرطبی نے کہا آیت قدسیہ میں جدال و عذاب کی صراحت فرقۂ قدریہ کے متعلق ہے۔ یہ ہی اکثر اہل کا خیال ہے۔ یہاں تک کہ ابن سیرین نے فرمایا اگر قدریہ کے متعلق یہ آیت نہ ہو پھر مجھے معلوم نہیں کہ کس کے حق میں ہے۔

ازالہ حقیقت میں یہ فہم کی غلطی ہے۔ حضور والا کے زمانے میں جب کہ قرآن مجید نازل ہو رہا تھا خصوصاً مکی زندگی میں جب کہ ان آیات کا نزول ہوا تھا۔ اس اسلامی فرقۂ قدریہ کا وجود ہی کب تھا۔ معتزلہ خوارج اور دوسرے اسلامی دور کے قدریہ کا چوتھی خلافت کے عہد سے نمودار ہوئے بلکہ ان میں سے بعض تو دوسری اور تیسری صدی ہجری کے پیدا شدہ ہیں۔ اہلِ تفسیر کو غیر مسلم قدریہ میں جزو مشترک دیکھ کر اشتباہ ہو گیا۔ عموماً مجوسی اور نصاریٰ کا ایک فرقہ واقعی قدریہ تھا جو قرآن مجید کا منکر تھا خالق شر اہرمن یا شیطان کو جانتا تھا۔ مانویہ ثنویہ اور بعض دوسرے فرقوں کا یہی خیال تھا۔ اُن کا ایمان نہ قرآن پر تھا نہ وحی و رسالت پر، معتزلہ کو اسلامی قدریہ صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ افعال عباد کا خالق خود عباد کو قرار دیتا ہے۔ اُس کی نظر میں جس طرح کسب قبیح قبیح ہے اُسی طرح خلق شر بھی شر ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ صداقت قرآن اور حقانیت وحی و رسالت کا ہے۔ یہ تقدیر کا بھی قائل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جو آیات اور احادیث تعدد خالق کی نفی کر رہی ہیں اُن کی وہ تاویل کرتا ہے۔ اور اشاعرہ کے خیال میں اُس کی تاویل زائغ اور غیر صحیح ہے، اسی لئے اس کے اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ کبھی اہل السنۃ والجماعت نے نہیں دیا۔ ہاں چونکہ وہ صحابہ و تابعین کے اجماع کو نہیں مانتا اور احادیث صحیحہ کی غلط تاویلیں کرتا ہے۔ اس وجہ سے اہلِ سنت اُس کو گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں اور فاسق بحسب العقیدہ ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ غرض جس قدریہ بیان آیاتِ مذکورہ میں ہے اور جن کے متعلق دوامی جہنمی ہونے کی نص ہے وہ وہی ہیں جو نزولِ آیات کے وقت یا اُس سے پہلے سے تھے۔

علامہ نسفی نے فرمایا اس سورت میں اہل جدال کا تذکرہ تین جگہ کیا گیا ہے۔ شاید یہ ایک ہی فرقہ ہو جس کا ذکر تین مرتبہ کیا گیا، لیکن ظاہر یہ ہے کہ کافروں کے یہ الگ الگ تین فرقے تھے جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے اعتقاد کے موافق آیاتِ الٰہیہ میں جدال کرتا تھا۔ غالباً علامہ کی مراد یہ ہے کہ تمام کافروں کے درمیان اگرچہ قدر مشترک شرک و کفر ہے، مگر نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے ہر فرقہ کا عقیدہ جدا ہے۔ مثلاً بُت پرست بھی مشرک تھے اور تثلیثی نصاریٰ بھی اور ثنویہ مجوسی بھی اور سب کا شمار اہل جدال میں سے تھا، لیکن ان کے عقائد میں باہم بھی بڑا فرق تھا۔ قدر مشترک کے اعتبار سے ایک فرقہ تھا اسلام کے خلاف صف آرا، اور امتیازات و خصوصیات کے لحاظ سے تین فرقے تھے۔ ایک اب ابن اور روح القدس میں الوہیت کو دائر سمجھنے والا دوسرا یزدان اور اہرمن کو جدا جدا خالق قرار دینے والا۔ اول الذکر لاتعداد معبودوں کے سامنے سر جھکانے والا۔ یہ تینوں فرقے نظریاتِ اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے توحید ذاتی و صفاتی کے سب منکر تھے تقدیر کا کوئی قائل نہ تھا۔ حسب تفصیل قرآن روزِ قیامت کو کوئی نہ مانتا تھا۔ بعث جسمانی اعمال کی وزن کشی اور جزئی جزئی حساب فہمی کا عقیدہ سب کے خیال میں غلط تھا تمام یا اکثر انبیاء کی تکذیب ہر ایک گروہ کرتا تھا۔ خلاق کا تعدد اگرچہ ثنویہ کے علاوہ بُت پرستوں کو تسلیم نہ تھا، لیکن الوہیت کا عموم اور اشتراک سب مانتے تھے۔ لہٰذا ان سب کا رد آیاتِ مذکورہ میں کیا گیا۔

مقصودِ بیان ۔ آیت ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ میں حکم دعا اور قبول دعا کا وعدہ منصوص ہے۔

toobaafoundation.com

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سے دو باتیں مستفاد ہو رہی ہیں ۔ ایک یہ کہ دعا بھی عبادت ہے ۔ یا یوں کہو کہ قضاء حاجات اور امداد کیلئے فریاد کرنی اور پکارنا مچانی ایک قسم کی پوجا ہے ۔ عبدیت اور بندگی کا اظہار ہے ۔ اپنے عجز و ضعف اور مغیث و مجیب کی کارسازی کے عقیدے کی تصریح ہے ، اسی لئے جہاں اللہ سے دعا کرنی لازم ہے وہاں دوسروں کو پکارنا بتصور عبدیت کے ساتھ استغاثہ کرنا حرام ہے ۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تکبر اصل شرک ہے یعنی اللہ کے احکام اور اللہ کے پیغمبروں سے جو مغرورانہ سرکشی کرے ان کو حقیر نا قابلِ توجہ اور داستانِ پارینہ جانے وہ واقعی مشرک ہے ۔

لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جسمانی قلبی اور روحانی سکون کے لئے رات بنائی گئی ہے ، اس لئے جہاں جسمانی تعب کو دور کرنا ضروری ہے وہاں قلبی سکون روحانی خنکی کو حاصل کرنا بھی لازمی ہے یعنی رات کے تین حصے کئے جائیں ۔ ایک آرام کا ۔ ایک اہل و عیال سے مشغولیت کا اور ایک مراقبہ اور مشاہدہ کا

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشی کد و کاوش عمرانی فلاح و امن کوشش اور سیاسی تنظیم یہ تمام مشاغل دن کے ہیں ۔ غرض روشنی کے محتاج جس قدر فرائضِ حیات ہیں اُن کی سرانجام دہی دن کو کرنی چاہیئے ۔

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ سے در پردہ ایماء اس طرف ہے کہ مختلف مذاہب کے اکثر پیرو صحیح توحید پر قائم نہیں رہے ۔ یوں تو دنیا میں ہمیشہ سے زیادہ تعداد مدعیانِ مذہب کی ہے اور ہر مذہب والا عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ ظالم نہیں مہربان ہے اور زبان سے وہ خدا کی یاد بھی کبھی نہ کبھی کرتا ہے ، اس لئے زیادہ تعداد شکر گزاروں کی ہوئی ، لیکن زبانی شکر اور عملی شرک قابلِ اعتبار نہیں ۔ توحید کا دعویٰ اور شرک سے بھرا ہوا ۔ زبان سے اللہ کی نعمتوں کا اقرار اور صفاتِ الوہیت میں دوسروں کو شریک بنانا شکر نہیں استہزاء ہے ، اسی لئے اس آیت میں اکثر لوگوں کے ناشکرے ہونے کی صراحت فرمائی ۔

ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس فقرے سے چار بنیادی عقائد سمجھ میں آتے ہیں ۔ لفظ اللہ سے الوہیت ۔ لفظ رب سے ربوبیت ۔ لفظ خالق سے خلاقیت اور لا الٰہ الا ہو سے وحدت معبودیت ۔ یہ اتنا جامع جملہ اور پُر جلال استدلال ہے کہ تفصیل کے لئے کئی کتابیں درکار ہوں ۔ مجمل خاکہ یہ ہے کہ اللہ کا رب اور خالق ہونا ناقابلِ انکار ہے اور ربوبیت و خلاقیت کا استحقاق اسی کو ہو سکتا ہے جس میں الوہیت ہو اور الوہیت عقلاً شرکت سے انکار کرتی ہے ، اس لئے اللہ وحدہٗ لاشریک ہے یا یوں کہو کہ الوہیت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو رب اور خالق ہو ۔ اگر ایجاد اور تربیت کا کسی سے رشتہ نہ ہو تو کیوں اس کو الٰہ مانا جائے ۔ پس جو رب اور خالق ہے وہی اللہ ہے اور جامع صفاتِ کمالیہ ہونا وحدت کو چاہتا ہے ۔ اس مفہوم میں چند شریک نہیں ہو سکتے ، اس لئے اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ۔

وَالسَّمَآءَ بِنَآءً کی لطیف توضیح ہم تفسیر کے وقت کر چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علویات کی تاثیرات پر موجوداتِ ارضی کا نظام موقوف ہے کارخانۂ قدرت کو قادر اسی طرح چلا رہا ہے مگر کسی ستارے کی کوئی تاثیر حقیقی نہیں اختیاری نہیں بلکہ خواص اضطراری ہیں ، اسی لئے لفظ بناء استعمال کیا ۔ یعنی کسی بنانے والے نے علویات کو ایسا بنایا ہے جس طرح باپ اثر آفرین اور ماں اثر اندوز ہوتی ہے اور دونوں کے اتصال سے بچہ بقدرتِ خدا پیدا ہوتا ہے ۔ اسی طرح زمین قرار مستقر اور محل قبول بنائی گئی اور فضاء سماوی کو اثر افگن اور مہتی بنایا گیا اور دونوں کے باہم تاثیر و تاثر سے نظامِ ارضی قائم کیا گیا ۔ هُوَ الْحَیُّ کے لفظ سے حیاۃ کا حصر اللہ کی ذات میں ثابت ہو رہا ہے ۔ اس سے ماسوئے خدا کی حیات کی نفی مستفاد ہوتی ہے ۔ اگر وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والے اس جملہ سے اپنے عقیدہ پر استدلال کریں تو کر سکتے ہیں ۔ یعنی اللہ کے علاوہ دوسروں کی زندگی ، زندگی نما فریب ہے ۔ حقیقتہً عدم ہے ۔ ظاہر میں وجود رکھتا ہے ۔ جب اللہ کے سوا ساری کائنات کی حیات مجازی ہے تو اس کی جتنی خصوصیات اور احکام ہیں وہ سب مجازی ہیں ۔ غیر حقیقی کے لئے حقیقی احکام کا ثبوت حقیقتہً نہیں ہو سکتا ۔

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ سے مترشح ہو رہا ہے کہ سرکشی اور نافرمانی کی حالت میں پکارنا شرعی دعا نہیں ۔ اللہ کو پکارنے کے لئے اس کی خالص

toobaafoundation.com

اطاعت لازم ہے۔ اطاعت کسی اور کی اور پکارنا خدا کو یہ فریب ہے۔ اس سے یہ امر بھی فی الجملہ مستنبط ہوتا ہے کہ پوری زندگی کو اصول شریعت کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے اور حصول مقصد کے جن ذرائع کو استعمال کرنے کا شریعت نے حکم دیا یا اجازت دی ہے ان سب کو بقدر امکان فراہم کرنے کے بعد خدا سے دعا کرنی چاہیے تاکہ بقدر استطاعت جس قوت کو خدا نے مہیا کرنے کا حکم دیا ہے اس کی بھی تعمیل ہو جائے اور قوت ممکنہ کے موثر ہونے کا عقیدہ بھی نہ پیدا ہو حقیقت میں اخلاص دینی اور خلوص نیت کے ساتھ دعا کرنے سے شرک کے ہر شائبہ کا استیصال ہو جاتا ہے اور بھولا ہوا تعلق خدا سے جڑ جاتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق تربیت اور امدادی زندگی کے بنیادی اصول کی تاسیس اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی یہ اُس کا کرم ہے اور اس پر اُس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور ان کاموں میں کسی دوسرے کی شرکت ہوتی تو خدا جانے نظام کائنات کس قدر درہم برہم ہو جاتا۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ سے ثابت ہو رہا ہے کہ قوام بشری تخلیقی مادہ خاک ہی ہے اور خاک ہی (بقدر ضرورت دوسرے عناصر کو ساتھ لے کر) بہت قالبوں میں سے گزرتی ہوئی اور چند در چند مناظر تکوینی کی سیر کرتی نطفی حدود تک پہنچتی ہے۔

وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى سے واضح ہو رہا ہے کہ زندگی کی مدت ہر شخص کی مقرر ہے۔ گویا ہر شخص کی مدت حیات کو نشان دار بنا دیا گیا جس میں دواؤں یا دعاؤں سے کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تسمیۂ اجل اس طرح کر دیا گیا ہو کہ اگر یہ شخص فلاں دوائیں یا غذائیں کھائیگا اور فلاں تدابیر صحت جاری رکھے گا اور بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوگا تو اس کی عمر سو سال ہوگی اور ایسا نہیں کرے گا تو ساٹھ سال ہوگی اور یہ خدا کو معلوم ہے کہ وہ شخص ایسا کرے گا یا نہیں، اس لئے اُس کی عمر بھی تسمیۂ الٰہی کے موافق ہی ہوگی۔

فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ اس آیت سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں ۱۔ قضاء الٰہی امر سے پہلے ہوتی ہے یا سورۂ یٰسین والی آیت کی صراحت کے موافق یوں کہو کہ ارادۂ الٰہی امر سے پہلے ہوتا ہے پھر ۲۔ امر کا نمبر آتا ہے۔ ۳۔ اس کے بعد شیٔ موجود یا معدوم ہوتی ہے۔ یعنی اقتضاء امر پورا ہو جاتا ہے گویا امر تکوینی قضا کا نتیجہ ہے اور وجود مامور بہ امر کا اثر ہے۔ ۴۔ حکم اور مامور بہ کے درمیان زمانی تاخیر نہیں ہوتی حکم کے بعد فوراً مامور بہ موجود ہو جاتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ الخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ بر خود غلطی خود پنداری اور غرور لغس شان عبدیت کے خلاف ہیں۔ حق و صداقت کے مقابلے میں جاہلانہ اکڑ تباہی کا موجب ہے اور ایسے آدمی کی سزا دوامی جہنم ہے وغیرہ۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا

اور جب اُن سے اس طرح انتقام لیا جاوے گا تو آپ (چندے) صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اسمیں سے کچھ تھوڑا سا عذاب

یُرْجَعُوْنَ ○ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ

اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا اس کے نزول کے قبل ہی ہم آپ کو وفات دیدیں سو سب ہمارے ہی پاس انکو آنا ہوگا اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعضے وہ ہیں جن کا ہم نے آپ سے بیان کیا اور

مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ

اتنا امر سب میں مشترک ہے کہ کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ بدون اذنِ الٰہی کے ظاہر کر سکے پھر جس وقت اللہ کا حکم (نزول عذاب

اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ ع ۱۰ / ۱۳

کے لئے) آوے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جاویں گے

toobaafoundation.com

تفسیر

آغازِ انسان سے آخری دورِ نبوت تک بکثرت انبیاء آئے۔ بعض کے نام اور احوال قرآن میں مذکور ہیں۔ اور بعض کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ تاہم اتنا ضرور معلوم ہے کہ اقوامِ عالم کو ہدایت کرنے کے لئے مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں اللہ کی طرف سے پیغمبر بکثرت پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنا فرضِ رسالت ادا کیا۔ پیامِ الٰہی پہنچایا۔ بھلائیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے بازداشت کی۔ غرض عقائد کو صحیح اور اعمال کو درست کرنے کی کوشش کی۔ کسی نے مانا اور اکثر نے مخالفت کی اور بطورِ عناد پیہم معجزات طلب کئے۔ معجزہ ظاہر کرنا اور حدودِ بشریت میں رہتے ہوئے بشری طاقت سے زیادہ اور عجیب کارنامہ ازخود دکھانا پیغمبروں کی طاقت سے باہر تھا۔ اللہ نے جب مناسب سمجھا اور جس قدر واقعی ضرورت ہوئی اس وقت اور اسی قدر معجزات کا ظہور اپنے پیغمبروں کے ہاتھوں سے کرا دیا۔ تمام مطالبات کا پورا کرنا چونکہ فضول تھا، اس لئے ہر طلب پر معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ رفتہ رفتہ مخالفت بڑھی اپنی قوم دشمن بن گئی۔ یگانے اور بیگانے درپے آزار ہو گئے۔ اللہ نے پیغمبروں اور ان کے ایماندار ساتھیوں سے نصرت کا وعدہ کیا اور حکم دیا کہ وہ شدائد پر صبر اور ایمان صالح پر استقامت رکھیں۔ ایمانداروں نے حکم کی تعمیل کی۔ انبیاء اور صلحاء پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے۔ کبھی دکھ اور سختی نے جھنجوڑ ڈالا۔ آخر میں اکثر پیغمبر اپنی زندگیوں میں ہی کافروں پر غالب آئے اور اعداءِ خدا کا تختہ تاراج کر دیا گیا۔ بعض پیغمبر شہید بھی ہوئے مگر پیغمبروں کے جانشینوں کی نیابت میں ایمانداروں کی جماعت کو ضرور کامیابی حاصل ہوئی۔ بعینہٖ یہی حال حضورِ اقدس کی نبوت کے دور میں بھی ہوا۔ حضور تشریف لائے اعلانِ توحید کیا۔ اصلاحِ اعمال کی کوشش کی، ٹھوس روشن دلیلیں پیش کیں۔ آخرت کے ثواب کا امیدوار بنایا اور عذاب سے ڈرایا۔ کوئی طریقہ سودمند نہ ہوا۔ کافروں نے عناداً پیہم معجزات طلب کئے۔ اللہ کا فرمان آیا کہ منہ مانگے معجزے نہیں ملا کرتے۔ کوئی پیغمبر ازخود معجزہ دکھانے کا مجاز نہیں۔ اللہ کی اذن کے بغیر کوئی پیغمبر کچھ نہیں کر سکتا۔ کفار کا عناد اور بڑھا جدال تک نوبت پہنچی۔ ہر آن ہر قدم پر دکھ دینے لگے۔ حضورؐ کی اور مسلمانوں کی زندگی دوبھر کر دی۔ اللہ کا حکم آیا اپنی کوشش میں کمی نہ کرو اور مصائب پر صبر رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ کامیابی ضرور دے گا۔ تمہارے دشمن ضرور تباہ ہوں گے وہ اقتدارِ اعلیٰ دنیا میں تمہارے ہاتھ میں آئے گا۔ مخالفت کرنے والے ذلیل ہوں گے اور آخرت میں بھی تم سرخرو ہو گے اور کافر ذلیل و خوار طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار، لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام کامیابیاں رسول کی زندگی میں ہی حاصل ہو جائیں اور آپ کے سامنے ہی سب کافروں کو تباہ کر دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وعدۂ خدا کے مطابق کچھ عزت و اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ رسول اللہ کی زندگی میں ہی آجائے اور کچھ باطل پرست تباہ کر دیئے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات سے پہلے ہو جائے اور مسلمانوں کو دنیوی کامیابی بعد کو ملے۔ اور دشمنوں کی بربادی بھی بعد کو ہی ہو، لیکن مرنے کے بعد قیامت کے دن لوٹ کر سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے وہ موعودہ سزا ضرور دے گا اور دنیا میں بھی جب اللہ کا حکم پورا ہونے کا وقت آئے گا اُس وقت باطل پرست تباہ کر دیئے جائیں گے کوئی اُن کو بچا نہ سکے گا اور اہلِ ایمان کی جماعت غالب آئے گی کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔

تحلیلِ اجزاء

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ عربی زبان میں وعدہ اور وعید کا مادہ اگرچہ ایک ہے لیکن استعمال اور محلِ استعمال کے لحاظ سے فرق ہے مستقبل میں نفع پہنچانے والی ترغیب کو وعدہ کہتے ہیں اور ضرر رساں تخویف کو وعید۔ اللہ نے کچھ وعدے مسلمانوں سے کئے تھے اور کچھ دھمکیاں کافروں کو دی تھیں۔ تسلط و اقتدار اور عرب و عجم کی حکومت عطا کرنے کا اعلان اور آخرت میں فلاح و کامرانی کی بشارت اہلِ ایمان کے لئے تھی اور دنیا میں ذلت و خواری تباہی محکومی کی تنبیہ اور مرنے کے بعد طرح طرح کے دکھ میں مبتلا کرنے کی تخویف کافروں کو دی تھی، لیکن اس کے لئے شرط یہ تھی کہ مسلمان اپنی امکانی کوشش میں کمی نہ کریں اور دشمنوں کی طرف سے پہنچنے والی کسی مصیبت سے تنگ نہ آجائیں۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر استقامت رکھیں۔ آپس کی تنظیم درست رکھیں۔ کافروں کے ہاتھوں اور زبانوں سے کیسا ہی دکھ پہنچے مگر جمے رہیں۔ استقلال اور برداشت میں کمی نہ آنے پائے۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں لیکن برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ انسانی طاقت محدود ہے۔ کوئی آدمی پہاڑ کیسے سر پر اٹھا سکتا ہے، اس لئے آیتِ مذکورہ میں براہِ راست رسولِ پاک کو اور بالواسطہ ہر مومن کو دوبارہ تلقین فرمائی کہ صبر قائم رکھو اللہ کا وعدہ یقیناً سچا اور برحق ہے ضرور پورا ہو گا، لیکن کب ہو گا تو اس کی دو صورتیں ہیں

toobaafoundation.com

فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ ۔ یا تو تمہاری زندگی میں ہی تم کو کافروں کے متعلق دی گئی بعض وعیدیں عملی شکل میں تم کو دکھادی جائیں گی یعنی کافروں کو ذلیل و خوار محکوم غلام اور مسلمانوں کو با اقتدار حکمران اور غالب بنادیں گے ۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۔ یا تمہاری وفات ہوجائے گی (اور تمہارے بعد پورا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئے گا ۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ) لوٹ کر ان سب کو ہمارے ہی پاس آنا ہے آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکتے ۔ شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ واقعات بھی بیان آیات کے موافق ہوئے ۔ جنگ بدر میں سب سے اوّل کافروں کے لیڈر مارے گئے ان کا گھمنڈ ٹوٹا بلکہ حق و باطل کا فیصلہ ہی اس معرکہ میں ہوگیا یعنی مکہ فتح ہوا اور مسلمان غالب آئے پھر رفتہ رفتہ اکثر قبائل عرب نے اسلام کے سامنے سر جھکا دیا اور کل جزیرۂ عرب پر مسلمان چھا گئے اور ان کی حکومت ہوگئی پھر حضور والا کی وفات کے بعد شام، عراق، مصر اور روم و ایران پر اسلامی پرچم لہرا گیا ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ یعنی ہمیشہ سے سنت اللہ یونہی رہی ہے وہ پیغمبر جن کا خدا نے تذکرہ کردیا ہے مثلاً نوح ابراہیم اسحاق موسیٰ عیسیٰ وغیرہ اور وہ انبیاء جن کا تذکرہ ناموں کے ساتھ نہیں کیا مثلاً حقوق دانیال شعیا وغیرہ ان سب کے متعلق کافروں کا یہی طریقہ رہا ۔ دکھ پہنچاتے رہے ہاتھوں سے بھی اور زبانوں سے بھی اور انہوں نے دکھ کو برداشت کیا ۔ شدائد پر صبر کیا ۔ اللہ پر بھی بھروسہ کیا استقامت قائم رکھی آخر اللہ نے ان کو نصرت یاب کیا کسی کو اس کی زندگی میں اور کسی کی اُمّت کو پیغمبر کی وفات کے بعد ۔ بہرحال اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا ۔ اسی طرح وہ تم کو کامیاب اور کافروں کو ذلیل کرے گا مگر صبر رکھو ۔ رہا کافروں کا ہر قدم پر یہ مطالبہ کہ معجزہ دکھاؤ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دو، سچائی کی شہادت کے لئے فرشتوں کو بلاؤ، ہم پر فوری عذاب لے آؤ، دنیا پر ابھی اقتدار جما کے دکھاؤ ۔ اس قسم کی خرافات ہمیشہ ہوتی چلی آئی ہے لیکن

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ کسی پیغمبر میں یہ طاقت نہ تھی نہ اُس کے لئے یہ مناسب تھا کہ اللہ کی اذن کے بغیر از خود کوئی معجزہ نمودار کردیتا ۔ یعنی یہ تو اللہ کی حکمت اور مصلحت ہے وہ جب چاہتا ہے پیغمبر کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر کرادیتا ہے ۔ خود پیغمبر کو معجزہ نمائی کا اختیار نہیں۔

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ جب بھی اللہ کا حکم آیا ٹھیک ٹھیک جاری کردیا گیا اور اہل باطل کو گھاٹا اٹھانا پڑا یعنی جب اور جہاں مناسب سمجھا گیا حکم دیا گیا اور نفاذ حکم کے ساتھ ہی کافروں پر تباہی آگئی ۔ آیت میں دو لفظ حل طلب ہیں ۔ ایک یہ کہ اس آیت میں قضا کو مشروط بالامر کیا ہے ۔ یعنی امر پہلے آتا ہے اور قضا پیچھے ۔ حالانکہ چند آیات پہلے فرمایا تھا ۔ فَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امر تخلیق مشروط بالقضاء ہے یعنی قضا خداوندی پہلے ہوتی ہے اور امر تخلیق پیچھے ۔ اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ مقدم الذکر آیت میں قضا سے مراد ارادہ اور مشیت ہے اور امر سے ہے شیئًا یعنی جب اللہ کا ارادہ کسی چیز کی تخلیق و تکوین کا ہوتا ہے تو وہ حکم دیتا ہے اور فوراً وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے ۔ اس آیت میں امر اللہ سے مراد ہے حکم اور قضاء سے مراد ہے حکم کا نفاذ یعنی جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو اس کا نفاذ پورا پورا ہوجاتا ہے اور کام تمام کردیا جاتا ہے ۔ دوسرا لفظ هُنَالِكَ ہے ۔ یہ لفظ اصل میں ظرف مکان ہے یعنی اُس موقع پر باطل پرست برباد ہوجاتے ہیں ۔ ظرف زمان بھی مراد لیا جاسکتا ہے یعنی اُس وقت یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ ان حالات میں باطل کوش تباہ ہوجاتے ہیں ۔

مقصود بیان

فَاصْبِرْ کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ صبر شرعی لازم ہے یعنی بقدرِ استطاعت کوشش اور پھر معاملات کی اللہ کو تفویض ۔ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الخ سے ثابت ہو رہا ہے کہ نصرت الٰہیہ کے معنی صرف یہی نہیں کہ کسی خاص شخص کی زندگی میں اُس کو کامیابی حاصل ہوجائے بلکہ مشن اور جماعت کی کامیابی بھی نصرتِ الٰہیہ کی ایک صورت ہے ۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ امر اللہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا اور امر کے بعد اس کا نفاذ فوراً ہوجاتا ہے ۔ یعنی اللہ کا ہر امر مبرم ہی ہوتا ہے اگرچہ بظاہر وہ معلق نظر آئے وغیرہ ۔

toobaafoundation.com

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِیْهَا

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مواشی بنائے تاکہ ان میں بعض سے سواری لو اور ان میں بعض (ایسے ہیں کہ) اُن کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان

مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

میں اور بھی بہت فائدے ہیں (اور اس لئے بنائے) تاکہ تم اُن پر اپنے مطلب کو پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اُن پر (بھی) اور کشتی پر (بھی) لدے پھرو

وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝

پھر تم سواور (انکے علاوہ) تم کو اپنی اور بھی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے سو تم اللہ کی کون کونسی نشانیوں کا انکار کرو گے

تفسیر

آدمی کی یہ کیسی خود فریبی ہے کہ تکوینی بے بسی کے باوجود اپنی طاقتوں کو مختار فہم و دانش کو موثر اور حس و ادراک کو حاکم جانتا ہے۔ نہ فقط اپنی شخصی اور جمہوری نقاصوں کو بلکہ کل کائنات کو اپنے ارادہ کا مسخر اور اپنے شعور و فہم کا تابع خیال کرتا ہے۔ کہتا ہے ہوا میری محکوم ہے، پانی میرا مملوک، زمین میری باندی، پہاڑ میرے غلام، موسمی تغیرات میرے فرمان بردار یہاں تک کہ اس خلا کی بے قرار لہریں بھی میرے تابع ہیں۔ ہواؤں پر میں اڑ سکتا ہوں اور ہوا کے رُخ پر کنٹرول کر سکتا ہوں، پانی پر ہزاروں ٹن وزنی جہاز میں لے جا سکتا ہوں۔ کیا مجال کہ جہاز ڈوب جائے، رہے گھوڑے گدھے خچر بیل گائے بھینس بھیڑ بکری وغیرہ تو یہ بہرحال میرے زیرنگین ہیں جس طرح چاہوں ان کو استعمال کروں۔ ذبح کروں، گوشت کھاؤں، کھال بیچوں، چربی، سینگ، اُون، آنت اور تانت کو کام میں لاؤں۔ دل چاہے تو زندہ رہنے دوں۔ پالوں دودھ مٹھا ، گھی کھاؤں یا سواری لوں بوجھ لادوں، ہل چلاؤں، گاڑی میں جوتوں۔ غرض نطفۂ حقیر سے بنا ہوا یہ کس قدر عاجز انسان اپنی جسمانی اور دماغی طاقتوں پر اتنا اتراتا اور اکڑتا ہے کہ وہ کائنات کا حکمران اور مطلق اپنی ذات کو سمجھ لیتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ اس کے اندر یہ تمام طاقتیں خداداد ہیں خود آور دہ نہیں تکوینی ہیں اختراعی نہیں۔ انسان مظہر ہے مُظہر نہیں مشین ہے ڈرائیور نہیں۔ ان تمام شیخیوں اور بلند پروازیوں کے نشہ سے سرشار ہو کر آدمی اتنا نہیں سمجھتا کہ چوپایہ کی کھال پہ بال کس نے جمائے۔ تھنوں میں دودھ اور دودھ میں مکھن کس نے پیدا کیا۔ گھوڑے گدھے اونٹ بیل اونٹ اور ہاتھی کی تخلیق کس نے کی۔ کیا آدمی نے کوئی جاندار یا بے جان مخلوق پیدا کی ہے۔ پھر ان سب کو آدمی کو فرماں بردار اور تابع کس نے قرار دیا۔ اگر یہ جانور تخلیقاً کام کے ہی نہ ہوتے یا فرماں برداری کا خمیر ان میں نہ ہوتا تو آدمی کس سے اپنا کام چلاتا اور کیسے چلاتا۔ یہ جانور اور ان کے منافع (بلکہ کل عناصر اور عناصر کے مرکبات) تو قدرت کے نشانات ہیں اصل منزل کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ آخر ان ان گنت آیات نعمت اور آثار فطرت میں کس کا انکار آدمی کر سکتا ہے اور وہ کون چیز ہے جس کا خالق اور مختار مطلق اپنے کو قرار دے سکتا ہے۔

تحلیل اجزاء

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ۔ انسانی صنعت کو جن چیزوں کی بناوٹ میں دخل ہے وہاں شیطانی دماغ رکھنے والا انسان اپنی مختاری اور خود اختیاری کا شیفتہ و فریفتہ ہو کر کوس لمن الملک بجانے لگتا ہے۔ قدرتی مرکبات کی تحلیل اور فطری بسائط کی ترکیب یعنی اُس کا خود ساختہ جوڑ توڑ اس کو فریب خوردہ بلکہ بر خود غلط بنا دیتا ہے اور وہ اپنے کو کارساز سمجھنے لگتا ہے۔ کہتا ہے میں ریل کا موجد ہوں میں نے مشینیں ایجاد کی ہیں۔ ہوائی جہاز میرے اختراع کردہ ہیں اور مادہ کے پوست کندہ احوال میں عدم سے وجود میں لایا ہوں بیوقوف اتنی بات نہیں سمجھتا کہ یہ ہر نہ سوائی اپنی جگہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ ایجاد و اختراع الگ چیز ہے اور تحلیل و ترکیب جدا حقیقت ہے۔ پھر بھی انسانی مصنوعات کو اپنی قدرت علم اور ارادہ کی طرف منسوب کرنے کا اس کور دانش انسان کو ظاہری موقع مل سکتا ہے۔ لیکن جاندار چیزوں کی پیدائش کا دعویٰ تو کوئی غلط طور پر بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے چوپائے بنائے۔ اس لفظ سے جہاں اللہ کی خلاقیت کا اظہار ہو رہا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہو رہا ہے

toobaafoundation.com

کہ ان کی تخلیق آدمی کے نفع کے لئے کی گئی ہے۔ گویا اللہ چوپایوں کا خالق ہے تو انسانوں کا رب بھی ہے۔

لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ۔ کچھ چوپائے آدمی کی سواری کے کام میں آتے ہیں اور کچھ انسانی خوراک کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ گویا (جانوروں کے گوشت چربی دودھ وغیرہ سے انسانی خوراک کا فراہم ہونا فطری ہے)

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ مویشیوں سے آدمی کے دوسرے منافع بھی وابستہ ہیں۔ چوپایوں کے اجزاء بدن سب ہی کارآمد ہیں۔ غذائی دوائی اور تمدنی ضروریات میں سب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ خطیب نے لکھا ہے کہ منافع بے شمار تھے تفصیل دشوار تھی، اس لئے بعض منافع کا ذکر فرما کر مجملاً وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ فرما دیا۔ خطیب کا یہ خیال صحیح ہے۔ کچھ منافع کا ظہور اب تک ہو چکا ہے اور ان گنت فوائد ابھی تک پوشیدہ ہیں۔

وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ بعض جانور سواری اور دوسری اغراض کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ڈاک پہنچانا نیزہ بازی کرنا پولو کھیلنا شکار کرنا جہاد کرنا وغیرہ۔ غرض دل میں جو مقصد ہو اُس کے حصول کی کوشش میں کبھی بعض جانور بھی کام دیتے ہیں۔

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ بعض مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ جانوروں اور کشتیوں پر سامان معیشت لادنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جانا مراد ہے لیکن اکثر اہل تفسیر اس آیت کو ذاتی سواری پر محمول کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جانوروں اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو۔ شیخ ابن کثیر کے نزدیک الانعام سے صرف اونٹ گائے اور بکریاں مراد ہیں۔ گائے بھینس کو بھی شامل ہے اور بکری کے ذیل میں بھیڑ اور دُنبہ بھی داخل ہے۔

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ۔ یہ گزشتہ تمام دلیلوں کا خلاصہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنی قدرت حکمت صنعت ربوبیت الوہیت اور وحدانیت کی محسوس نشانیاں دکھاتا ہے۔ خالص عقلی براہین کا سمجھنا اور غیر معقول کو محسوس کی طرح سمجھنا تو دشوار ہے، لیکن آنکھوں دیکھی حقائق اور شواہد کا انکار کون کر سکتا ہے۔

مقصودِ بیان مشاہدہ اور معائنہ سے کام لینے کی طرف اشارہ ہے پیش نظر جانوروں اور چیزوں کے منافع کو نظر غور سے دیکھنے اور اُن سے اللہ کی ذات و صفات پر استدلال کرنے کی پُر لطف تلمیح۔ اس بات پر نازک دلالت کہ انسان فاعل مختار نہیں عاجز ہے۔ اللہ نے اس کے منافع کی چیزوں کی تخلیق ہی کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ ہر چیز سے قدرت کی تخلیقی حدود کے اندر رہتے ہوئے فائدہ اندوز ہو سکے۔

لِتَأْكُلُوا مِنْهَا سے جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت فطری مستنبط کی جا سکتی ہے یعنی گوشت انسان کی فطری غذا ہے جس کو چھوڑنے سے فطری غذا کا ایک حصہ کم ہو جائے گا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ

کیا اُن لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا کیا انجام ہوا (حالانکہ) وہ لوگ

مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

اُن سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانوں میں (بھی) جو کہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے تھے سو اُن کی (یہ تمام تر) کمائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

غرض جب اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو اُن کو حاصل تھا اور اُن پر وہ عذاب آپڑا

toobaafoundation.com

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا

جس کے ساتھ وہ تمسخر کرتے تھے پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے (اب) ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور اُن سب

بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ○ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ

چیزوں سے ہم منکر ہوئے جن کو ہم اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے سو اُن کو اُن کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ تعالیٰ نے

ع ۹ ۷ ۱۴ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (ع)

اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اُس وقت کافر خسارے میں رہ گئے۔

تفسیر ملک ملک کی سیر سے نت نئے مشاہدات حاصل ہوتے ہیں اور مشاہدات کی رنگینی سے تجربہ اور بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ آدمی کی طبیعت ہی کچھ اس طرح کی ہے کہ ماضی پر حال کو قیاس کرتا ہے اور مستقبل کو ماضی و حالی دونوں کے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ تاریخ سلف کی تدوین اور مطالعہ کی اصل غرض یہی سبق آموزی ہے۔ گذشتہ قوموں کا جاہ و جلال اور سطوت و جبروت کا ظہور ان کے چھوڑے ہوئے آثار سے ہوتا ہے۔ مصر کے اہرام، ایلورا کے غار، دہلی کی جامع مسجد، آگرہ کا روضہ، چین کی دیوار، وادیٔ نیل کی نہر اپنے بنانے والوں کی صنعت لطافت طبع فنی کمال اور پُر شکوہ طاقت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ قابل غور ہے یہ بات کہ ثمود اور عاد کی طاقت کیا ہوئی۔ کلدانیوں اور حوارمیوں کا تمدن کہاں گیا۔ فراعنہ اور عمالقہ کا نام لیوا کوئی کیوں نہیں رہا۔ حق سے ٹکرانے کے نتیجہ میں باطل کیوں پاش پاش ہو گیا۔ اُن کو بھی اپنی علمی وسعت اور محیط کل دانش پر غرور تھا وہ بھی اپنے زریں تمدن پر اتراتے تھے۔ اُن کے پاس بھی لاکھوں آدمیوں کے جتھے تھے۔ نمرود کی سطوت تھی اور جبروتی فوج بھی تھی۔ پھر مٹھی بھر ضعیف بے بضاعت، بے یار و مددگار حق پرست منادی کی ایک للکار کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ بنی اسرائیل، قبطی، قریش اور دوسرے قبائل عرب میں وہ طاقت کہاں وہ حکومت و حکمت کہاں وہ تمدن و عمرانیت کہاں۔ ذرا کنوئیں سے نکل کر ادھر اُدھر گھوم کر تو دیکھیں۔ جب پیغمبروں کی وہ بیّنات اور دلائل واضحہ کو اقوام پارینہ نے نہ مانا اور اپنی قبائلی قومی اور ملکی علم آفرینیوں سے ایسے بدمست اور گراں سرہوئے کہ رسل خداوندی کی پیش کردہ صداقتوں اور عذاب و ہلاکت کی پیشین گوئی کا مذاق بنانے لگے تو آخر کار اسی تباہی نے ہر طرف سے آگھیرا جس کا پہلے مذاق اُڑاتے تھے اُس وقت لگے اضطراری ایمان کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے، مگر جب عذاب اور تباہی احاطہ کر لیتی ہے تو بچاؤ ناممکن ہو جاتا ہے۔ سیلاب آنے سے پہلے پُل کا باندھنا مفید ہوتا ہے۔ طوفان میں ڈوبنے کے وقت پُل بنانے کا ارادہ اور اقرار کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اللہ کا فطری قانون یہی ہے اور عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ سر پر آیا ہوا ہلاکت خیز عذاب کسی قوم کے سر سے نہیں ٹلتا۔

تحلیل اجزاء أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان آیات میں در پردہ وعید و تہدید ہے قرآن کی ہدایات سے سرکشی کرنے والوں اور رسول اللہ کے حکم کا مذاق اُڑانے والوں کے لئے اور درسِ بصیرت ہے اہلِ دانش کے لئے اور مستقبل کو ماضی پر قیاس کرنے کی تعلیم ہے سوچنے والوں کے لئے اور سیر فی الارض کا حکم ہے عبرت اندوزی اور صلاح پذیری کے لئے نہ کہ تفریح کرنے فساد پھیلانے اور بھولے بھالے انسانوں کا شکار کرنے کے لئے۔

كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ اقوام پارینہ کی تعداد بھی ان سے زیادہ تھی طاقت بھی بڑی تھی اور ان کی صنعت حکمت شوکت کے آثار بھی ان سے بڑھ کر تھے۔ مطلب یہ کہ جتنے زیادہ جسمانی طاقت قوی اور دانش و صنعت بڑی تھی۔ مثلاً ثمود و عاد اور کلدانی حورانی قبطی

toobaafoundation.com

اقوام جنہوں نے بڑے بڑے پہاڑ کاٹ کر عالی شان محل اور مضبوط قلعے بنائے ۔ وسیع اور پختہ تالاب اور کنویں کھودے ۔ اونچے اونچے منار ے قائم کئے جو ہزاروں برس گذر جانے کے بعد بھی اب تک جوں کے توں باقی ہیں ، لیکن اس

فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ساری طاقت شوکت جمعیت صنعت حرفت حکمت اور مدنیت نے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا ۔ آنے والی ہلاکت آئی تو کوئی علمی وسعت جسمانی طاقت اور مال کی کثرت بچا نہ سکی ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ پیغمبروں نے کھلی ہوئی ہدایت اور واضح دلیلیں پیش کیں ، مگر وہ احمق اپنے علم و فن پر اترائے نہ حشر نشر کا ان کو یقین آیا ۔ نہ سزا جزا کا نہ اللہ کی توحید کا نہ پیغمبر کی رسالت کا نہ کتاب اللہ کی ضرورت انہوں نے محسوس کی نہ قومی جاہلانہ تعامل کو ترک کیا ۔ پیغمبر نے اُن کی وعید سنائی اور اعلان کیا کہ اگر اللہ کی ہدایت کو نہ مانو گے تو تباہ کر دیے جاؤ گے تمہارا ستیا ناس ہو جائے گا ۔ ان کو اپنا علمی جہالت آفرین غرور کب اجازت دے سکتا تھا کہ اللہ کے پیغمبروں کی باتوں کو سچا سمجھیں اور کان دھریں اُلٹے اور ٹھٹھا کرنے لگے ۔ آخر عذاب موعود آگیا جس چیز کا استہزا کرتے تھے اُسی نے آ دبوچا ۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ جب اللہ کے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا علمی اخبار عینی مشاہدہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور خبر نے واقعہ کے لباس میں ظہور کر لیا تو لگے ایمان و توحید کا اعلان کرنے اور شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے لیکن

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا آنکھوں دیکھے عذاب کے بعد ایمان لانے سے ان کو کچھ نفع نہ ہوا اور ہلاک ہو ہی گئے ۔ یعنی مشاہدہ اور معائنہ کے بعد اقرار اختیاری نہیں ہوتا اضطراری ہوتا ہے ۔ آنکھوں کے سامنے بھڑکتی آگ کا انکار کون کر سکتا ہے جبر یقین کی بنا سوجھ بوجھ پر نہ ہو وہ اختیاری کب ہوتا ہے ۔ شیخ ابن کثیر نے بحوالہ حدیث لکھا ہے کہ بندہ کی توبہ اُس وقت قبول کی جاتی ہے جب اُس کو غرغرہ نہ لگا ہو غرغرہ لگ گیا حلق میں روح آگئی فرشتہ کو دیکھ لیا تو ایسے وقت میں توبہ مقبول نہیں ہے ۔ بعض علماء قائل ہیں کہ ایسے وقت میں شرک سے توبہ مقبول نہیں ہوتی ۔ گناہوں سے استغفار قابل قبول ہوتا ہے ۔

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ اس آیت کا مطلب دو طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے ۔ یا تو یہ مطلب ہے کہ عادۃ اللہ یونہی جاری ہے اور فطرت فاطر اسی طرح ہے کہ حق سے سرکشی کرنے والے کتنے ہی طاقت ور ہوں آخر تباہ کر دیے جاتے ہیں اور حق پرست کتنے ہی کمزور ہوں اللہ ان کی نصرت کرتا ہے ۔ دوسرا مطلب اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کا عذاب سر پر آ جاتا ہے تو اس کو کوئی طاقت دفع نہیں کر سکتی ۔ ایسے وقت میں توبہ بھی مفید نہیں ۔

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ شیخ ابو السعود کے نزدیک لفظ هُنَالِكَ اس جگہ ظرف زمان ہے ۔ زجاج کا بھی یہی قول ہے ۔ شیخ یاسمین نے صراحت کی ہے کہ ظرف مکان ہی ہے اور حقیقی معنی ہی مراد ہیں ۔

سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ

اس سورۃ کا نام سورۃ فصلت اور سورۃ المصابیح بھی ہے ۔ بیضاوی ، سراج اور اکثر تفسیروں میں باتفاق علماء اس سورۃ کا مکی ہونا مذکور ہے ۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے ۔ قرطبی نے بھی یہی صراحت کی ہے ۔ اکثر تفاسیر میں اس سورت کی آیات ۵۴ اور ایک ضعیف قول میں ۵۳ ہیں ۔ کلمات کی تعداد ۷۹۹ اور حروف کا شمار ۳۳۵۰ ہے (سراج منیر) شیخ سیوطی نے اتفاق میں آیات کلمات اور حروف کی شمار کو اجتہادی قرار دیا ہے ۔

toobaafoundation.com

قریشی سردار عتبہ جب حضورؐ کی خدمت میں قریش کا پیام لے کر آیا تھا تو حضورؐ نے اُس کو یہی سورت پڑھ کر سنائی تھی جس کی عظمت و ہیبت سے وہ مبہوت بن کر رہ گیا تھا۔ شیخ ابن کثیر نے اس واقعہ کو حضرت جابر کی روایت سے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ ہم تحلیل اجزاء کے ذیل میں اُسی کو نقل کریں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

(۱)
حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

حٰم۔ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان) میں

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

ہے ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے اور (نہ ماننے والوں کے لئے) ڈرانے والا ہے۔ سو اکثر لوگوں نے (اس سے) روگردانی کی پھر وہ (بوجہ اعراض کے) سنتے ہی

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

نہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان میں ایک

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں۔ مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی (معبود برحق)

وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

کی طرف سیدھے بندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔

ع ۱ / ۸ / 15 هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ (۲)

(اور برخلاف ان کے) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو (کبھی) موقوف ہونے والا نہیں

تفسیر

آخرت کی جزا سزا کا غم نہیں، حساب کتاب کا ڈر نہیں، غیبی نگران طاقت کا اندیشہ نہیں، خدا سے کوئی واسطہ نہیں، اوّل تو خدا کی ہستی کا اقرار نہیں اور ہو بھی تو اس کی ہمہ گیر سطوت اور ہمہ کامل حکومت تسلیم نہیں عاجز خدا کس کام کا۔ ایسے خدا تو اور بھی بہت ہیں۔ نہ ان میں پوری طاقت نہ خدا کا کامل اقتدار۔ سب کی تھوڑی تھوڑی شرکت۔ پھر خدا اور تنہا خدا ہی کی کیا ضرورت۔ یہ ہیں اہل شرک کے افکار اور خود تراشیدہ نظریات حیات یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگیاں پاک نہیں، دماغ ستھرے نہیں، روحیں پاکیزہ نہیں، دلوں میں نظافت نہیں، گفتار کردار میں طہارت نہیں۔ سب سے بڑی گندگی تعامل اور باہم معاشرے کی گندگی ہے۔ قارون کے خزانے اپنے صندوقوں میں بھر لینا، یتیموں، بے کسوں، بیواؤں اور بھوکے پیٹ برہنہ بدن

toobaafoundation.com

چوبیسواں ۲۴ پارہ (جزو ثانی)

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ۔ انسان شروع میں بُرے کام کرتا ہے، لیکن برائی کو برائی سمجھتا ہے اور اس پر پشیمان ہوتا ہے۔ آگے بڑھ کر جب گناہ کی جرأت بڑھ جاتی ہے تو برائی کو برائی نہیں سمجھتا، لیکن اچھا بھی نہیں کہتا۔ نیکی کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، اسلئے گناہ پر پشیمان بھی نہیں ہوتا اور توبہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جب اس سے آگے بڑھتا ہے تو برائی کو اچھائی، شر کو خیر اور غلط کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ پہلے درجہ میں اگر توبہ کرلی تو راہِ راست پر آجاتا ہے اور دوسرا نمبر بھی کسی قدر امید کا ہو سکتا ہے کہ خصوصی تنبیہ اس کے لئے مفید ثابت ہو جائے اور اہل دلائل و براہین یا وعید و تہدید اُس کو گناہوں سے روک دے، لیکن تیسرے مرتبے پر پہنچنے کے بعد حق کی طرف لوٹنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔ ایسے آدمی کے سامنے ہر بدی نیکی کے لباس میں نمودار ہوتی ہے اور کج راہ ہونے کے باوجود وہ اپنے کو راہِ راست پر سمجھتا اور انتہائی ڈھٹائی سے وہ اہل حق کا مقابلہ کرتا ہے۔ گناہ کے ان تمام مراتب میں تدریجی ترقی آدمی کی خود آوردہ ہوتی ہے، لیکن چونکہ اصل مؤثر اور خالق خدا ہے اور خدا کسی کو نیکی یا بدی پر مجبور نہیں کرتا نہ زبردستی کسی سے گناہ کراتا ہے نہ گناہ سے روکتا ہے صحت تکلیف باقی رکھنے کے لئے ہر آدمی کو فطرتاً مختار بنایا گیا ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی خود اور وہ بداعمالی کے سبب اللہ اس کی بداعمالی کو بصورت حسن عمل اس کے سامنے جلوہ گر کرتا ہے اور نتیجہ میں یہ عملی کجراہی فطری کجراہی کا سبب بنتی ہے اور فکری کج راہی سے آئندہ راستی عمل کی اُمید بھی باقی نہیں رہتی اور آدمی ہر سید ھے راستے سے رُک جاتا ہے اور استقامت کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے آدمی کو ایسی طاقت عطا کی ہے کہ وہ ہر نیکی بدی کر سکتا ہے جس راستے کو چاہے اپنے لئے اختیار کرلے، اللہ کی طرف سے جبر نہیں۔ جب آدمی خود ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور گناہ کرنے لگتا ہے تب بھی خدا اس کی قوتِ اختیار کو سلب نہیں کرتا اور آدمی گناہ کرتا رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ گناہ کے انتہائی درجہ پر پہنچتا ہے اور سوءِ عمل کو حسنِ عمل سمجھنے لگتا ہے۔ تخلیقی طور پر چونکہ ہر خیر و شر کی طاقت خداداد ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آدمی کی بداعمالی موجب کج راہی ہے۔ فرعون کی بھی یہی حالت تھی۔ گناہ کا آغاز بصورتِ گناہ تھا۔ اس کے بعد انہماک فی المعاصی ہوا اور اس کے سوءِ عمل کی تزئین اور بدی کو نیکی سمجھنے کا درجہ آیا اور اس طرح فرعون کے لئے حق کے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ۔ باطل پرست آدمی نفع عاجل کو لازوال فائدہ اور مکاری کو دانشمندی تصور کرتا ہے۔ حالانکہ مآل کار کے لحاظ سے اس کی تباہی یقینی ہوتی ہے اور مکر کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی۔ فرعون نے بھی کوشش کی کہ اپنی چند روزہ حکومت کو باقی رکھنے کے لئے قوم کے دماغوں سے کھیلتا رہے اور اغوا ء و اضلال کے ہر گندے ہتھیار کو استعمال کرنے سے دریغ نہ کرے، لیکن نتیجہ میں اس کی ہر چال خود تباہی کو دعوت دیتی اور بربادی کو قریب لاتی رہی اور کچھ ہی مدت بعد خود بھی ڈوبا اور سب قوم کو بھی ڈبویا۔

مقصودِ بیان وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ الخ سے مستنبط ہو رہا ہے کہ فریبی دنیا پرست بھولے بھالے عوام کے دماغوں سے کھیلنے کی ہر ممکن کوشش کرتا اور حق جوئی کا لبادہ پہن کر باطل پرستی کا خوب خوب مظاہرہ کرتا ہے۔ خصوصاً فرعون کا خطاب ہامان سے تنبیہ کر رہا ہے اس بات پر کہ مکاروں اور عقلی چوروں کا گروہ بیوقوف عوام کو لوٹنے کے لئے کیسے کیسے گانٹھ جوڑ کرتا ہے۔ اس سے سمجھ حاصل کرنی چاہیئے سادہ لوح آدمیوں کو کہ ان کے لیڈر اور سردار متفق الرائے اور ہم زبان ہو کر کیسی کیسی مکاریاں کرتے ہیں اور حق پرستی کے اظہار میں اُن کی کس قدر طاغوتی اغراض نہاں ہوتی ہیں۔ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا سے کتنی فریب آگیں معصومیت ٹپک رہی ہے۔ گویا فریبی دماغ کا آدمی اپنے کو کتنا معصوم طلبگارِ حق ظاہر کرتا ہے۔ اور انتہائی ڈھٹائی سے حق کا مقابلہ کرتا ہے، مگر بڑے معصومانہ انداز میں وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ الخ سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کی بداعمالی تمادی فی المعصیۃ اور ترقی گناہ کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن موجب مؤثر اور فاعل حقیقی خدا ہے، مگر خدا کو کسی سے کوئی ذاتی عداوت نہیں بلکہ انسان کی بداعمالی خدائی ڈھیل کا سبب بنتی ہے۔ حقیقت میں یہ آیت جبر و قدر کی حدود متعین کر رہی ہے۔

toobaafoundation.com

سردی رسیدہ گرمی زدہ بیماروں کو اور دکھیاروں کو بے آب و دانہ تڑپانا سب سے بڑا پاپ ہے ۔ نفسانی پاپ، روحانی پاپ، دل اور دماغ کا پاپ ساری زندگی کا پاپ ایسے اشخاص اور اقوام کی تباہی لازم ہے ۔ ایسے لوگوں کی زندگی کا ہر قدم ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے ۔ سوچو تو جب خودغرضی خود پرستی مفاد پرستی اور دل و دماغ کی کنجوسی غریبوں کی ہلاکت کا سبب بن جائے ۔ بیمار نادار دکھ کے مارے ہوئے مزدور بدن عریاں، شکم بریاں، دماغ لرزاں اور داڑھیاں رکھنے والا کسان تباہ ہو جائے تو موٹی توند اور تین من لاش کی خوراک کہاں سے آئے گی ۔ انگلیوں کے پورے گلتے گلتے پہونچا اور پہونچے کے بعد پورا ہاتھ گل جائے گا اور رفتہ رفتہ دل پگھل کر رگوں میں دوڑتا ہوا لال خون جل کر عام زندگی کی تڑپ بھی ختم ہو جائے گی ۔ مشرک کو ستھرے اخلاق کی ضرورت نہیں، صالح معاشرے کی تعمیر کا خیال نہیں، نفس کی پاکیزگی اس کی نظر میں بیہودہ چیز ہے ۔ قومی بلکہ عام انسانی وسائل حیات کی گندگی دور کرنے کی کوشش ہیچ ہے ۔ تو کس طرح اس کی مالی اور نفسانی خود غرضیاں اور شخصی مفاد پرستیاں اس کو تباہی سے بچا سکیں گی ۔ فطرت پکار پکار کر کہہ رہی ہے ۔ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ہاں جو لوگ خدا کو واحد کارساز جانتے ہیں، آخرت کی جزا سزا کو مانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ہم عاجز ہیں خدا عاجز نہیں ۔ ہم بادشاہ ہوں تب بھی محکوم ہیں اور خدا حاکم ۔ کرۂ مریخ میں بھی پہنچ جائیں تب بھی مجبور ہیں اور خدا مختار ۔ ہم اپنی زندگی کے کسی لمحہ اور کسی سانس کے مالک نہیں ۔ مالک ایک ہی ہے وہی فاطر ہے اُسی نے نظامِ فطرت بنایا ہے ۔ اُسی نے انسان، انسانی معاشرہ اور معاشرت کے تمام ضوابط بنائے معاشرہ اور افرادِ معاشرہ کی صلاح و فلاح خدا کے بنائے ہوئے ضوابط پر چلنے کے بغیر ناممکن ہے ۔ غرض جو صالح الاعمال مومن ہیں ان کی قلبی اور بدنی صلاحیتوں کی جزا اور علمی و عملی درستیوں کا ثواب ناقابلِ انقطاع ہے ۔ ان کی انہی صلاحیتوں سے انسانی معاشرہ کی تعمیر ہوگی وہ خود بھی چین سے رہیں گے اور دوسرے بھی چین پائیں گے ۔ ہر شخص بے فکر اور سکھ سے ہوگا نہ کسی تباہی کا ڈر نہ ہلاکت کا اندیشہ ۔ پھر یہی نہیں کہ یہ اجر اسی زندگی میں ختم ہو جائے اور آخرت میں بد اعمالی اور بے ایمانی کے بھڑکتے بھاڑ میں گھُسنا پڑے بلکہ مرنے کے بعد بھی راحت ہی راحت ملے گی اور آئندہ زندگی کا سکون بھی کبھی زائل نہ ہوگا ۔

دعوتِ غور دے رہا ہے یہ امر کہ پیغمبر فرشتہ تو نہیں ہوتا جن تو نہیں ہوتا انسان ہوتا ہے ۔ انسان کا بچہ ہوتا ہے ۔ انسان کا دودھ پیتا ہے ۔ انسانوں میں انسانوں کی طرح رہتا ہے اُس کا کوئی ذاتی لالچ نہیں ہوتا وہ بادشاہ بننا نہیں چاہتا، مال دار امیر بننے کا خواہشمند نہیں ہوتا ۔ پریوں کے جھرمٹ اور سنہری روپہلی وردی والے غلاموں کے جمگھٹ کی اس کو تمنا نہیں ہوتی ۔ فقط اتنا کہتا ہے اللہ نے مجھے پیام بھیجا ہے کہ مالک مختار پوجا کے قابل بس ایک ہی اللہ ہے ۔ اُس کو پہچانو اسی کے قانون کو مانو ۔ پیچیدہ دماغوں کے پیچ و خم اور ژولیدہ فکروں کی یہ ژولیدگیاں چھوڑ دو ۔ فکر و نظر درست رکھو ۔ چال ڈھال سیدھی رکھو ۔ نادانستگی میں سیدھے راستے سے اِدھر اُدھر اگر کوئی قدم ٹیڑھا پڑ جائے تو خدا سے معافی مانگ لو اور آئندہ اپنی چال کی نگرانی اور راست روی کا عہد کر لو ۔ ایسی سچی باتوں سے منہ موڑنے کی کیا وجہ ہے ۔ اچھا یوں سمجھو کہ دنیا کی اس ساری بستی میں ماں کا لال کون ایسا ہے جو سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکے کہ میں غرض سے پاک ہوں اور ساری دنیا کی ماں تا سیجے بے لاگ ہے ۔ ماں بچے سے محبت بے لاگ نہیں کرتی ۔ آئندہ زندگی کا عیش اس کے پیشِ نظر نہ بھی ہو تب بھی بچے کو دودھ پلا کر دکھ سے بچا کر اور سکھ پہنچا کر اُس کے دل کو تسکین تو ہوتی ہے روح کو چین تو نصیب ہوتا ہے ۔ بچے کے بھولے بھالے چہرے کو دیکھ کر اور غوں غوں کی آواز سن کر اس کی آنکھوں کو خنکی اور کانوں کو ایک خاص کیف تو نصیب ہوتا ہے ۔ یہ خودغرضی نہیں تو اور کیا ہے بیوہ مردہ شوہر پر، ماں مردہ بچہ پر، اولاد ماں باپ پر اور بھائی بہن ایک دوسرے پر اپنی بھڑاس نکالنے اور ماتا کو تسکین دینے کیلئے ہی تو روتے بیٹھتے ہیں ۔ اگر مالی لالچ بھی نہ ہو، جسمانی تمنا بھی نہ ہو، بالادستی اور حکومت بھی مقصود نہ ہو تب بھی روحانی سکون اور قلبی سکون تو سب کے ہی پیشِ نظر ہوتا ہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے اوتار اور انبیاء بھی خوشی کی اس فکر سے خالی نہیں ۔ یہاں بھی اور یہاں سے بڑھ کر آئندہ زندگی میں بھی ۔

لیکن خدا کو کیا لالچ ۔ انسانوں بلکہ تمام جانداروں اور بے جانوں سے اس کو کیا فائدہ ۔ ہر چیز اُس کی اُس کے پاس موجود، ہر دکھ سے پاک، سکھ سے مبرا، وہ بڑا رحمٰن و رحیم ہے ۔ مہربان بے نیاز ہے ۔ اُسی کی رحمت کا تقاضہ تھا کہ اس نے انسانی زندگی سدھارنے کے لئے ضوابط بھیجے، ہر ضابطہ الگ الگ بیان کر دیا ۔ کوئی اخلاقی ضابطہ ہے، کوئی معاشرتی اور سماجی کوئی سیاسی اور تمدنی، کسی کا تعلق

toobaafoundation.com

انفرادیت سے ہے کسی کا اجتماعیت سے کسی کا عام انسانیت سے۔ ان ضوابط نے دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دکھایا، دودھ کو پانی سے جدا کر دیا، کھوٹے کھرے میں تمیز کر دی۔ اچھے بُرے اور حق و باطل کا فیصلہ کر دیا۔ ضوابط کھانے نے اور ان پر چلنے والوں کو نجات کی خوشخبری سنادی اور منکروں یا عملی باغیوں کو ہلاکت سے ڈرایا۔ یہ تمام باتیں اور کل تعلیمیں انہیں لوگوں کے لئے سود مند ہیں جو علمی صلاحیتیں رکھتے ہوں جن کی علمی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں اور دلوں کے کیواڑ وا ہوں اور سنیں سمجھیں توجہ کے ساتھ۔ جانیں اور مانیں جن کی توجہ ہی نہ ہو زندگی سدھارنے کی خواہش ہی نہ ہو وہ سنیں گے کیا اور سمجھیں گے کیا اور فائدہ اٹھائیں گے کس طرح۔ جاننے کے تین ہی طریقے ہیں۔ آنکھوں سے دیکھنا یا دیکھنے والوں کی زبانی سننا یا چشم بند گوش بند مگر قوتِ فکریہ بیدار اور بصیرت قلب روشن۔ جن غریبوں کو ان تینوں ذرائع میں سے علم کا ایک ذریعہ بھی حاصل نہ ہو۔ نہ آنکھ عبرت اندوز، نہ گوش نصیحت نیوش، نہ دل آزاد، پس تصویرِ حق وہ کس طرح دیکھیں جب آنکھوں کے سامنے ہٹ دھرمی کا پردہ ہو صدائے حق کس طرح سنیں۔ جب نفرت، ضد اور غرور کی ڈاٹ کان میں ٹھکی ہوئی ہو اور لوزِ حق کا کس طرح معائنہ کریں، جب دل جہالت انانیت، تعصب اور خواہشاتِ نفس کے تہ بر تہ غلافوں کے اندر نہ بند ہوں ان کو حق و باطل سے کیا غرض۔ ان کے پیشِ نظر تو زندگی کا گذارا ہے۔ گذارے جاؤ جیسی گذر رہی ہے گذر نے دو، نہ تو کہہ میری نہ میں کہوں تیری، مگر ان کا یہ کلام رواداری پر مبنی نہیں بلکہ اس سے ان کی ذہنی شکست، عزم کی پستی اور دماغ کی جہالت ٹپکتی ہے اور اس سے بھی زیادہ ان کے خبثِ نفس اور بدنیتی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

تحلیل اجزاء

حٰمٓ:۔ مختلف علماء نے اس لفظ کی تفسیر میں دماغوں پر زور دیا ہے اور کچھ تاویلیں بھی کی ہیں۔ مثلاً ح حیات کی م محمدؐ کی یعنی قسم ہے حیاتِ محمدؐ کی۔ شیخ سہل نے کہا ح لوح کی م محفوظ کی یعنی لوحِ محفوظ کی قسم، یہ اور اس قسم کی ہر تاویل محض اختراعی ہے۔ صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ صحیح تفسیر بس یہی ہے کہ اللہ ہی اس کی تفسیر سے واقف ہے۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غالباً مرادِ الٰہی معلوم ہوگی۔ اگرچہ حضورؐ نے کچھ اظہار نہیں فرمایا کیونکہ اگر حضور واقف نہ ہوں تو پھر کون واقف ہو سکتا ہے۔

شیخ ابن کثیر نے اس جگہ ابویعلیٰ موصلی اور حافظ ابوبکر بزاز کے حوالے سے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے ایک قصہ نقل کیا ہے اور محمد ابن اسحاق نے سیر و مغازی میں کچھ تغیر کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اور بیہقی وابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے بھی (کچھ اختلاف کے ساتھ) تحریر کیا ہے۔ طویل قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش کی نمائندگی کرتے ہوئے ابوالولید عتبہ نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر مال و دولت سیادت، امارت وغیرہ کا لالچ دے کر تبلیغ سے روکنے کی کوشش کی تو حضورؐ نے اس کے جواب میں حٰمٓ سے لے کر مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ تک تلاوت فرمائی۔ عتبہ نے (خوف زدہ ہو کر) دہن مبارک پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا اور واپس جاکر قریش سے کہہ دیا کہ میں نے فرضِ پیامبری ادا کر دیا۔ سب کچھ کہا۔ ترغیب و ترہیب سے کام لیا۔ محمدؐ نے جواب میں ایسا کلام سنایا جو نہ جادو تھا نہ کہانت نہ شاعری۔ مجھے نہیں معلوم کیا تھا میں کچھ نہیں سمجھا بس مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ سمجھا میں جانتا ہوں کہ محمدؐ نے کبھی جھوٹ بات زبان سے نہیں نکالی۔ قوم والے مجھے ڈر پیدا ہو گیا میری بات مانو محمدؐ سے کچھ تعرض نہ کرو جو کرتے ہیں کرنے دو۔(الخ) ان روایات کا سلسلہ حضرت جابر اور عبداللہ بن عمر تک پہنچتا ہے اور ظاہر ہے کہ جابر انصاری تھے اور قصہ مکہ کا ہے۔ سورت مکی ہے اور عبداللہ بہت چھوٹے تھے۔ ہجرت کے وقت اُن کی عمر صرف دس سال کی تھی، اس لئے ابن کثیر نے یہ توجیہہ کی کہ قصہ بہرحال صحابہ میں معروف تھا، اس لئے اغلب ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اکابر مہاجرین سے سن کر بیان کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یعنی یہ قرآن رحمٰن و رحیم کی طرف سے اُتارا گیا۔ مطلب یہ کہ لوحِ محفوظ سے جبرئیل کی معرفت رسول اللہ کے قلب پر اس کا نزول ہوا۔ یہ نہ جبرئیل کا خود ساختہ کلام ہے نہ رسول اللہ کا نہ کسی جن کا نہ انسان کا۔ اللہ کی صفات متعدد ہیں۔ غضب وقہر بھی اس کی صفت ہے اور رحمت و کرم بھی۔ ہو سکتا تھا کہ اللہ اپنی صفتِ قہر و غضب، صمدیت اور غنا کو کام میں لاتا اور گمراہ انسانوں کے پاس کوئی پیام ہدایت نہ بھیجتا، سب کو یونہی نا علمی کی حالت میں جہنم میں ڈال دیتا، لیکن اُس کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ یونہی گمراہ چھوڑ دینا اُس کی رحمت کے اقتضاء کے خلاف تھا، اس لئے اس نے اپنی مہربانی سے قرآن مجید نازل فرمایا۔ یہاں یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ اللہ رحمٰن بھی

toobaafoundation.com

ہے رحیم بھی ہے۔ یعنی دونوں جہان میں اُس کی رحمت مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ وہ سب سے بڑا مہربان یعنی رحمٰن ہے۔ کیونکہ مخلوق پر مہربانی میں اس کی کوئی ذاتی غرض نہیں، اُس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں، اس لئے اس کی بھیجی ہوئی ہدایت غرض کی ہر آلودگی سے پاک ہو۔

کتاب شیخ محلی اور اخفش کا قول ہے کہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مبتدا ہے اور کِتٰبٌ خبر۔ خطیب کے نزدیک (کتاب کتبٌ سے مشتق ہے اور کتب کے معنی ہیں جمع اس لئے) کتاب کے معنی ہیں مجموعہ۔ یعنی علوم اولین و آخرین کا مجموعہ۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ اس کی صفات مبدء معاد رسالت ملائکہ اور تمام مافوق الطبیعیات افکار صحیحہ کا مجموعہ اور انسان کی عملی زندگی کے متعلق تمام ضوابط صادقہ نافعہ کا مکمل دستور العمل۔

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ یعنی قرآنی آیات الگ الگ مفصل بیان کی گئی ہیں۔ مختلف مطالب و مسائل کی جدا جدا توضیح کی گئی ہے۔ کہیں اللہ کی صفات ذاتیہ کا بیان ہے۔ کہیں صفات تنزیہ و تقدیس کا کہیں رحمت، قدرت صنعت اور حکمت کا کسی جگہ اللہ کے افعال اور آثار کو ظاہر فرمایا ہے کسی جگہ کائنات کی آغاز آفرینش کو کسی جگہ تغیرات ارضی و سماوی اور تبدلات فضائی کو کھولا ہے اور کہیں ان سے نصیحت حاصل کرنے کا سبق دیا ہے ترغیب کے لئے اقوام مومنہ ناجیہ کے احوال اور ڈرانے کے لئے اقوام ہالکہ کی کیفیات کی تصویر کشی کی ہے۔ اخلاق کی درستی، اعمال کی راستی، معاملات کی سچائی اور معاشرت کی پاکیزگی کے احکام کا بھی تفصیلی بیان ہے اور ظلم و دراز دستی سے بھی سختی کے ساتھ باز داشت غرض نظری اور عملی اصلاح کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور سعادتِ دارین کے حصول کا کوئی طریقہ پوشیدہ نہیں رکھا (سراج منیر)

یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ قرآنی آیات کو حق و باطل اور صحیح و غلط کی تمیز کے لئے امر فیصل قرار دیا اور کھرے کھوٹے میں فصل کر دیا۔ اس کے مقابلے میں اب کسی کو اپنی رائے سے جائز ناجائز اور حرام حلال کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں رہا۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یعنی اس کی زبان عربی ہے پڑھنے میں عربی کے الفاظ آتے ہیں، مگر معانی اور احکام عام ہیں۔ الفاظ تو عربی جاننے والے ہی جانتے ہیں، مگر مطالب اور حقائق اہل عرب سے سیکھ کر تمام دنیا کے آدمی جان سکتے ہیں۔ یوں تو وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ہر قوم کے پاس پیام اصلاح اسی زبان میں بھیجا گیا تھا اور وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ہر قوم کی درستی کے لئے کوئی نہ کوئی پیغمبر بھی بھیجا جا چکا تھا لیکن لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ وہ خصوصی ہدایت تھی اور صرف ایک قوم کی اصلاح کے لئے خاص پیغمبر کا انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ ہمہ گیر ہدایت ہے۔ اس کے احکام مفصل بھی ہیں۔ اور آخری فیصلہ کا بھی حکم رکھتے ہیں۔ اُن کو ظاہر کرنے کے لئے عربی زبان کا انتخاب کیا گیا، مگر معانی کی حیثیت عمومی امر فیصل کی ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یہ مجموعۂ ہدایت جاننے والے آدمیوں کے لئے ہے جو حق و باطل کو جانتے ہیں اور سمجھ رکھتے ہیں۔ بے سمجھ کیا ہدایت پائینگے اُن کو کیا فائدہ ہوگا ضحاک نے کہا (عرب ہوں یا عجم ہوں بھی) اس قرآن کا نزول اللہ کی طرف سے جانتے ہیں اُن کے لئے یہ قرآن نافع ہے۔ مجاہد نے کہا جو لوگ توحید سے واقف ہیں قرآن اُن کے لئے ہے۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یعنی مومنوں کو بشارت دینے والا اور کافروں کو ڈرانے والا یا فرماں برداروں کے لئے بشارت یا نافرمانوں کے لئے وعید۔ شیخ سہل نے کہا قرآن گناہگاروں کے لئے بھی بشارت ہے شفاعت اور مغفرت کی اور اہل اطاعت کیلئے بھی وعید ہے کہ کہیں عدم خلوص نیت اور لحاظ سنت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی اطاعت مردود ہو جائے یا یوں کہو جس نے ایمان صحیح کے ساتھ اللہ کی رحمت پر نظر رکھی اُس کے لئے بشارت ہے اور جس نے اپنی طاعت اور عبادت کو دیکھا اُس کے لئے وعید ہے۔

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ ہم کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے، مگر حکم میں عموم ہے یعنی اکثر آدمی سنتے ہی نہیں پھر سمجھیں گے کیا اور کیسے نہ سننے سے مراد ہے توجہ نہ کرنا اور سن کر اثر قبول نہ کرنا سُنی اَن سُنی کر دینا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ۔ اکنہ جمع ہے اس کا مفرد کنانہ ہے۔ کنانہ ترکش کو کہتے ہیں۔ ترکش میں تیر بند ہوتے ہیں۔ ندائے رسول کی طرف توجہ نہ کرنے والوں نے بھی اپنے قلوب کو (جہالت عناد یا) بے توجہی یا علم کے غلافوں میں پیچیدہ ظاہر کیا۔ دوسری آیت میں یہودیوں کا قول اسی کا ہم معنی نقل فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ مطلب دونوں کا ایک ہے یعنی ہمارے دل تمہاری دعوت کی طرف توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں یا ضرور تمند

toobaafoundation.com

نہیں۔ ہمارے دل خود علمی غلاف ہیں اور وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے۔ ہم تمہاری بات سنتے ہی نہیں۔ تمہاری آواز ہمارے کانوں میں پہنچ ہی نہیں سکتی اور۔

وَ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ ہمارے تمہارے درمیان حجاب حائل ہے پردہ پڑا ہے۔ یعنی نفرت، بغض، دشمنی یا اصولی اختلاف کا یا یہ معنی کہ ہم کو تمہاری صورت سے نفرت ہے۔ ہم تمہارا منہ دیکھنا نہیں چاہتے۔ بات سننا تو درکنار رہا غرض باطل کوشوں نے تینوں علمی ذرائع کی نفی کر دی۔ حقانیت کو آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں کو سننے کے لئے تیار کیا نہ دلوں سے سوچا سمجھا۔

فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ تم اپنے دین پر عمل کرو ہم اپنے مذہب پر عمل کر رہے ہیں۔ مراد یہ کہ ہم سے ہمارے مذہب سے ہمارے معبودوں سے کچھ تعرض نہ کرو۔ خطیب نے لکھا ہے شاید ان کی مراد یہ ہو کہ تم ہمارے خلاف کئے جاؤ ہم تمہارے خلاف کر رہے ہیں۔ تم سے جو کچھ ہو سکے تم کر لو ہم سے جو ہو سکے گا ہم کریں گے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ کافروں کے مذکورہ بالا قول کے جواب میں رسول اللہؐ کو حکم دیا کہ تم ان سے کہدو کہ میں تو تمہاری طرح صرف آدمی ہی ہوں یعنی فرشتہ نہیں جن نہیں، کوئی اور مخلوق نہیں۔ آدمی کا بچہ، آدمی سے پیدا، آدمی کی طرح پرورش یافتہ، آدمی کی خو خصلت اور شکل و صورت رکھنے والا خالص آدمی ہوں۔ اور ہر ایک آدمی کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اس کی باتیں سنی اور سمجھی جاتی ہیں پھر تم کیوں میری بات نہیں سمجھتے اور اپنے میرے درمیان حجاب حائل خیال کرتے ہو۔

ایک ضروری تنقیح

آیت مذکورہ کی روشنی میں یہ بات سمجھنا غلط ہے کہ رسول اللہؐ ایک معمولی انسان تھے۔ صورت میں بھی سیرت میں بھی حضورؐ کی تمام عملی اور علمی قوتیں دوسرے انسانوں کی طرح تھیں۔ مثلیت اور مشابہت کا یہ مفہوم نہیں نہ تشبیہ کے لئے تمام صفات کا اشتراک ضروری ہے۔ آدمی کو شیر کی طرح کہا جائے تو ضروری نہیں کہ آدمی کی دم بال کھال ناخن پنجے چہرہ مہرہ شیر کی طرح ہو۔ کھانے پینے چیرنے پھاڑنے چلنے پھرنے میں وہ بھی پورا شیر ہو۔ یہاں تک کہ شیر کی جوہریت کامل طور پر اس میں موجود ہو۔ تشبیہ اور استعارہ کا یہ مفہوم تو بالکل غلط ہے۔ رسول پاکؐ کو دوسرے آدمیوں کی مثل قرار دینے کا یہ مفہوم نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ مراد ہے کہ پیغمبر اور معمولی کافر ہر وصف میں مشترک ہیں۔ حضور والاؐ کی صورت اور سیرت دونوں چیزیں دوسروں سے ممتاز تھیں۔ ایسے کامل الاعتدال مزاج کا کوئی آدمی آج تک نہیں ہوا۔ نہ ایسی شکل کسی کی ہوئی۔ اپنی جگہ پر یہ امر محقق ہے کہ جوہریت اور صفات کے لحاظ سے ہر پیغمبر دوسرے انسانوں سے جدا ہوتا ہے۔ اس کی عقلی روشنی عقل مستفاد کی روشنی سے بھی بالاتر ہوتی ہے اس کا خمیر اور فطری جوہر ہی الگ ہوتا ہے۔ ہاں آدمی کا بچہ آدمی کی قوتوں کا حامل اور بنی نوع انسان کی سب سے بڑھ کر طاقتوں کا مالک ہوتا ہے۔ جن نہیں ہوتا، فرشتہ نہیں ہوتا، کسی قسم کا جانور نہیں ہوتا، خدا نہیں ہوتا، خدا کا بیٹا نہیں ہوتا، خدا اس میں حلول نہیں کرتا دخول نہیں کرتا وہ انسانیت کی حدود میں رہتے ہوئے مظہر صفات الٰہیہ ہوتا ہے نور خداوندی کا جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ کمالات بشری کا منبع ہوتا ہے۔ قدم و حدوث کی حد فاصل ہوتا ہے۔ اس کا آئینۂ فطرت سامنے کے رُخ سے نہایت روشن ہوتا ہے اور پشت کی طرف سے مادیت کی مصالح سے آلودہ۔ آفتاب الوہیت کی روشن کرنوں (کلام و وحی) کو روشن رُخ کی طرف سے اپنی روح میں جذب کرتا اور مادی رخ کی کثافت کے سبب ان کو اپنے اندر روکتا ہے اور ترشح کے طور پر عام انسانوں کی طرف نور پاشی کرتا ہے۔ یہ اس کی فطری صلاحیت ہوتی ہے جس سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا اَللّٰہُ یَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ۔

پس گمراہ ہیں وہ لوگ جو گستاخی اور جہالت کے سبب رسول اعظمؐ کو معمولی انسانوں کی طرح قرار دیتے اور حضورؐ کی تمام قوتوں اور اندرونی صلاحیتوں کو معمولی انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کی طرح جانتے ہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ فطرت پیغمبری معمولی فطرت انسانی سے ہی جدا ہوتی ہے۔ پھر دوسرے اوصاف خصوصی میں اشتراک کیسے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بہکے ہوئے ہیں وہ عالم اور جاہل جو حضور والاؐ کو انسان ہی نہیں جانتے اور حضورؐ کے اندر روح الوہیت کے قائل ہیں اور کل علوم الٰہیہ کا حامل قرار دیتے ہیں آپ کو۔ صحیح تنقیح وہی ہے جو ہم نے لکھ دی اور آیت میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ دوسرے انسانوں کے ساتھ تشبیہ دے کر ایسے عظیم الشان امتیاز کا ذکر کیا ہے کہ اس کی موجودگی میں دوسرے

toobaafoundation.com

ممتاز اوصاف اور خصوصیات کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اسی لئے فرمایا۔
یُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی یوں تو صفات نبوت اور جوہر نبوت باوجود بشری اشتراک کے پیغمبر کی خصوصیات ہیں، لیکن سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اور وحی کے ذریعہ سے اس کو توحید الوہیت کی تعلیم دی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ سب آدمیوں کا معبود ایک ہی ہے۔
فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْهِ پس اسی کی طرف (اپنی پوری زندگی کا) رخ کرکے استقامت رکھو۔ استقامت کا مفہوم بہت وسیع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رفتارِ زندگی بالکل سیدھی ہو، زندگی کی کسی حرکت و سکون میں کج روی نہ ہو۔ فرائض شخصی و اجتماعی بخلوص نیت ادا کئے جائیں۔ نہ خدا سے معاملہ کرنے میں فساد ہو نہ انسانوں سے تعلقات میں خرابی اور پوری زندگی کا رخ اللہ ہی کی طرف ہو، اس کی خوشنودی کا حصول اصل مقصد ہو۔ اسی کے احکام کی پابندی شعارِ زندگی ہو۔ غرض اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے قدم ادھر ادھر ہٹنے نہ پائے اور اگر گذشتہ زندگی میں کوئی قدم بھٹک گیا ہو تو۔
وَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ اللہ سے اس کی معافی مانگو یعنی پچھلے گناہ کی معافی کی درخواست اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرو۔ خلاصہ یہ کہ وہی تین ضروری ارکان ہیں۔ توحید کا اقرار، اوامر و نواہی کی عملی پابندی، گناہوں کی معافی کی درخواست آئندہ نہ کرنے کا عہد
وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ اس آیت میں کافروں کے تین خصوصی احوال کو موجب ہلاکت قرار دیا۔ ۱۔ مشرک ہونا ۲۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ ۳۔ آخرت کا انکار کرنا۔ ہم ہر ٹکڑے کی کسی قدر تشریح کرنی چاہتے ہیں۔ ۱۔ شرک موجب ہلاکت ہے شرک کیا ہے۔ اللہ کی ذات یا خصوصی صفات میں دوسرے کو ساجھی قرار دینا یعنی مخلوق کو خالق کا ہم پلہ قرار دینا یا خالق کو اس کے مرتبہ سے گرا کر مخلوق سے ملا دینا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ دو خالق ماننا، اللہ کا بیٹا قرار دینا، اللہ کے سوا کسی کو رب یا مالک جاننا، قانون حیات کا موسس اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سمجھنا۔ خواہ اپنی عقل کو یا کسی حکیم ولی امام پیغمبر اور فرشتے کو یا کسی جمہوریت اور مجلس شوریٰ کو کسی کی ایسی تعظیم کرنا جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ کا عجز یا جہل لازم آتا ہے۔ عاجز کو مددگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ناواقف بادشاہ وزیر مقرر کرتا ہے۔ ماتحتوں کی کل ضرورتیں پوری نہ کر سکنے والا دوسرے کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ خدا نہ تخلیق سے عاجز نہ تربیت سے نہ تنظیم کائنات سے نہ انسانی زندگی کے لئے تاسیس، ضوابط اور ایجاد نظریات سے اب جو کوئی خدائی خصوصیات کسی مخلوق میں ہونے کا قائل ہوگا، یا خدا کے اندر مخلوق کی خصوصیات موجود سمجھے گا وہ اپنے شیرازۂ زندگی کو بھی منتشر کرے گا اور دوسروں کے نظامِ حیات کو بھی پراگندہ کرے گا۔ خود بھی تباہ ہوگا، دوسروں کو بھی تباہ کرے گا۔ ایسے مشرک سے زیادہ مستحق ہلاکت اور کون ہو سکتا ہے۔ ۲۔ مشرک زکوٰۃ نہیں دیتا اور اس کا زکوٰۃ نہ دینا اس کو مستحق ہلاکت بنا دیتا ہے۔ اس نمبر کے یہ جز ہیں۔ زکوٰۃ دینے کا مطلب مختلف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے نفس کی زکوٰۃ یعنی صدق دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قائل نہیں (عکرمہ اور علی بن ابی طلحہ کی روایت سے ابن عباس کا یہی قول ہے) کیونکہ نفس کی زکوٰۃ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ دوسری جگہ ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى تیسری آیت یوں ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا۔ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى اکثر مفسرین کی رائے میں زکوٰۃ سے مال زکوٰۃ ہی مراد ہے۔ یعنی مشرک زکوٰۃ روکتے ہیں (قتادہ) اطاعتِ الٰہی میں مال خرچ نہیں کرتے اور صدقہ نہیں دیتے (ضحاک و مقاتل کذافی السراج) حسن بصری نے کہا مراد یہ ہے کہ مشرک زکوٰۃ دینے کو واجب نہیں جانتے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے مال کی زکوٰۃ نہ دینا ہی مراد ہے۔ یہی ظاہر مطلب ہے۔ شیخ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

ایک شبہ: زکوٰۃ کا وجوب ۲ھ میں ہوا اور آیت مکی ہے، اس لئے زکوٰۃ سے مالی زکوٰۃ مراد ہی کس طرح ہو سکتی ہے۔

ازالہ: زکوٰۃ کی مقدار کی تعیین ۲ھ میں ہوئی مکہ میں مقدار مقرر نہ تھی، لیکن زکوٰۃ یعنی صدقہ کا غیر معین مقدار میں حکم مکہ میں بھی تھا۔ آیت میں وارد ہے۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ کھیتی کاٹنے یا پھل توڑنے کے دن حق صدقہ ادا کیا کرو۔ ممکن ہے ہجرت کے بعد دوسرے

toobaafoundation.com

سال حکم زکوٰۃ میں آسانی کر دی گئی اور ڈھائی فی صدی کا حکم دے دیا گیا اور دو سو درہم سے کم پر زکوٰۃ کا حکم باقی نہیں رکھا گیا ورنہ مدینہ میں بھی ابتداءِ حال میں یہ حکم تھا کہ آدمی جو کچھ کمائے ایک دن کا کھانے کو رکھ لے باقی صدقہ کر دے۔

دوسرا شبہ مشرک صرف توحید کے مکلف ہیں دوسرے فرائض و واجبات پر مامور ہی کب ہیں پھر زکوٰۃ نہ دینے کو ان کے لئے تباہ کن کیوں قرار دیا۔

ازالہ علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ مشرک اوّلین حیثیت میں توحید کا مکلف ہے اور ثانوی حیثیت میں دیگر فرائض کا یعنی ایمان نہ لانے پر اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اور فرائض ادا نہ کرنے پر عذاب میں زیادتی ہوگی۔

علماء کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ مشرک صرف ایمان کا مکلف ہے اور جب تک موحد نہ بن جائے دوسرے فرائض پر مامور ہیں نہ ترک فرائض ہے۔ اس کے عذاب میں زیادتی ہوگی۔ گویا ظاہر آیت سے اوّل گروہ کے مسلک کی تائید رد۔ مؤخر الذکر کی تردید ہوتی ہے (سراج) میرے نزدیک حقیقت مسئلہ کا کشف ابھی پوری طرح نہ ہو سکا۔ بات یہ ہے کہ توحید کا حکم تو بہر حال عمومی ہے وہ تو ایمان کی بنیاد ہے اور فقط توحید نہیں بلکہ تمام لوازم توحید یعنی ملائکہ انبیاء آسمانی شرائع قدر وغیرہ پر ایمان لانا مشرک کے لئے ضروری ہے۔ فرائض و واجبات تمامہا اصول شریعت ہیں، اس لئے ان کو ماننا یعنی ان کی ضرورت کا اقرار کرنا اور اللہ کو تمام شرائع حیات کیلئے ضروری موسس جاننا لازم ہے۔ اب اگر زکوٰۃ نہ دینے سے مراد ہو زکوٰۃ کو واجب نہ جاننا تو ظاہر ہے کہ وجوب زکوٰۃ کا منکر کافر ہوتا ہے اور کفر موجب سزا، لیکن اگر انکار زکوٰۃ مراد نہ ہو بلکہ زکوٰۃ ادا کرنا مراد ہو تو اس صورت میں شبہ کا ازالہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کی ادائیگی صرف مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، شراب نہ پینا، حرام گوشت نہ کھانا۔ ظاہر ہے کہ جب مشرک ان احکام کا مکلف ہی نہیں تو آخرت میں ان کو ادا نہ کرنے سے سزا کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے۔ اِلَّا ابْتِدَاءً وَبِلَّا بَعِيْدًا۔ آیت میں ان علماء کے لئے کوئی دلیل نہیں جو اس قسم کے احکام ادا نہ کرنے والے مشرک کو دوہرے عذاب کا مستحق قرار دیتے ہیں ایسے احکام کو ادا نہ کرنے کا آیت میں بیان ہی نہیں۔

دوسرے قسم کے احکام وہ ہیں جن کا تعلق مومن مشرک دونوں سے ہے۔ مثلاً سچ بولنا، رشوت نہ لینا، چوری نہ کرنا، سود نہ لینا، خیانت نہ کرنا، تول ماپ میں کمی بیشی نہ کرنا۔ زکوٰۃ یعنی مالی امداد کا حکم اسی فہرست میں داخل ہے، سرمایہ پرستی، پیسہ پر پیسہ رکھ کر گننا، مخلوق کو بھوکا مارنا، اپنے صندوق بھرنا، بھوکوں اور ننگوں کو تڑپانا، غریبوں کا خون پینا اور رحم نہ کرنا اس کی اجازت کسی کو بھی نہیں بلکہ اس قسم کے احکام تمام مذاہب میں مشترک ہیں اور ان کی خلاف ورزی کرنے والا مستحق مذمت و سزا ہر مذہب میں ہے، اسی لئے آیت میں اس فعل کو اگرچہ مشرک سے صادر ہو موجب ہلاکت اور تباہ کن قرار دیا ہے۔ کیونکہ جس طرح شرک سے اللہ کی خالص حق تلفی ہوتی ہے اسی طرح زکوٰۃ نہ دینے سے اللہ کی حق تلفی کے ساتھ مخلوق کی تباہی بھی ہوتی ہے۔ ۳۔ مشرک آخرت کا انکار کرتا ہے۔ جب آخرت کا یقین نہیں تو حساب کتاب کی پیشی کا کیا ڈر اور جزا سزا کا کیا اندیشہ اور سزا کا خوف نہیں تو نیکی کو نیکی سمجھ کر کون کرے اور ایسا جذبۂ خیر کس میں موجود ہے کہ برائی کو صرف برائی سمجھ کر ترک کرے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور حق و باطل کی تمیز نہیں ہو سکتی اور اس مطلق العنانی سے ہر شخص کا نظام زندگی مختل ہو جائیگا اور عمومی تباہی پھیل جائے گی۔ حاصل یہ کہ انکارِ آخرت موجب تباہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ اس آیت میں اسی طرح بشارت ہے جس طرح سابق آیت میں وعید تھی۔ شرک انکار آخرت اور حقوق مالی ادا نہ کرنے کو گزشتہ آیت میں ہلاکت انگیز کہا تھا اس آیت میں ایمان و عمل صالح کو موجب اجر قرار دیا ہے۔ ایمان سے مراد ہے تمام ضروری چیزوں پر سچا ایمان، جس میں اللہ کی ذات صفات کا یقین رکھنا شرک نہ کرنا، رسالت کو ماننا اور آخرت کا انکار نہ کرنا ہر چیز داخل ہے عمل صالح کا لفظ تمام اوامر کے ادا اور نواہی کے ترک کو شامل ہے نہ فقط ادائے زکوٰۃ بلکہ تمام اصولی اور فروعی واجبات و فرائض کی ادائیگی عمل صالح ہی کی شاخ ہے۔

اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا ترجمہ سعدی نے اجر بلا احسان کیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اہل ایمان پر تو اللہ کا احسان دوامی ہے۔ اہل ایمان کی نسبت اللہ

toobaafoundation.com

نے خود فرمایا ہے۔ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ الخ ۔ اہلِ جنت ، جنت میں پہنچ کر خود کہیں گے فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ۔ مجاہد اور دوسرے اہلِ تفسیر سے مروی ہے کہ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کے معنی ہیں عطاءِ غیر مجذوذ یعنی دوامی غیر منقطع ثواب ۔ ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔

خطیب نے سدی کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ایسے بیماروں اور اپاہجوں کے حق میں ہوا جو حالتِ تندرستی میں طاعت کرتے رہے اور طاعت کرتے کرتے مجبور ہو گئے ۔ ایسے مجبوروں کو ان کے خلوص نیت پر ویسا ہی ثواب ملتا رہے گا جیسا کہ حالت تندرستی میں اعمال صالحہ پر ملتا ۔ اس مضمون کی تائید حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ بندہ اگر اچھے طریقے سے عبادت کرتا ہو اور اسی حالت میں وہ بیمار ہو جائے تو موکل فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے اعمال ویسے ہی لکھتا رہے جیسے وہ تندرستی کی حالت میں کرتا تھا اس وقت تک کہ اللہ اس کو تندرست کر دے یا اپنی رحمت میں لے لے ۔

مقصودِ بیان

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ انسانوں کے لئے قانونِ حیات کی تاسیس کا مدار رحمتِ موسس پر ہے اور چونکہ خدا سب سے مہربان ہے یعنی رحمان ہے اس سے زیادہ انسانوں کی فلاح کسی کے پیش نظر نہیں، اس لئے وہی دستورِ حیات بھیجنے کا حق رکھتا ہے ۔۔

كِتٰبٌ کی تنوین قرآن کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے اور فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ میں کوئی خفا، ابہام اور باہم اختلاط و اشتباہ نہیں ۔ ہر حکم تفصیل وار جدا جدا بیان کر دیا ہے اور حق و باطل کے امتیاز کے لئے قرآن امر فیصل ہے ۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ عربی ہیں ۔ یہ مراد نہیں کہ صرف اہلِ عرب کے لئے ہے ۔ لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ کا مقصود یہ ہے کہ نصیحت قبول کرنے والے صرف جانکار ہی ہوتے ہیں جن کے دماغوں پر جہالت کے پردے پڑے ہوں اور ہدایت پانا ہی نہ چاہیں ۔ ان کو قرآن سے کچھ فائدہ نہیں مل سکتا۔ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کی آیاتِ مفصلہ اور اس کی عربیت صرف عبارت آرائی اور مظاہرۂ ادبی کے لئے نہیں بلکہ یہ ایک نصیحت عامہ ہے جس میں بشارت بھی ہے اور تخویف بھی یعنی قرآن کی آیات دستورِ زندگی کو پیش کر رہی ہیں جن کی تعمیل مستحق بشارت اور خلاف ورزی مستحق عذاب بنا دیتی ہے ۔ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ سے مترشح ہو رہا ہے کہ حق پسند اور حق پرست کم ہیں ۔ اکثر ضدی ہیں جو حق کو نہ دیکھنا چاہتے ہیں ۔ نہ سننا ، نہ سوچنا اور نہ سمجھنا ۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہؐ بشر تھے اور بعض صفاتِ بشریت میں دوسروں کی طرح بھی تھے ۔ مگر آپ کی بشریت دوسروں کی بشریت سے بہت ہی زیادہ ممتاز اور افضل تھی یعنی حضورؐ کے پاس وحی آتی تھی اور براہ راست اللہ سے تعلق تھا۔ گویا سرکارِ والا کا جوہر بشریت قدسی تھا ۔ اور دوسروں کا جوہر بشریت اس قدوسیت سے خالی ۔ فَاسْتَقِيْمُوْۤا کا لفظ بکثرت معانی کو حاوی ہے ۔ استقامۃ فی القول استقامۃ فی العمل ۔ استقامۃ فی الارادہ پھر ان تینوں میں ہر ایک کی بہت شاخیں ہیں ۔ اس میں تلقین ہے مسلمانوں کو کہ پوری زندگی کے تمام اطوار میں اللہ کی مقرر کردہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں اور شرائع کی پابندی کریں ۔ اِلَيْهِ کے لفظ سے اس طرف ایما ہے کہ راہِ مستقیم وہی ہے جو خدا تک پہنچانے والی ہو ۔ اس جانب بھی لطیف اشارہ ہے کہ شریعت کی ظاہری پابندی کا نہیں بلکہ اوامر و نواہی کی تعمیل خلوص نیت کے ساتھ ہو اور مرضیٔ الٰہی حاصل کرنا مقصود ہو اور ہر عمل خیر کا رخ اللہ کی طرف کر دیا جائے ۔ اِسْتَغْفِرُوْهُ میں تلقین ہے اس بات کی کہ استقامت کے باوجود استغفار لازم ہے تاکہ نادانستگی میں اگر قدم ادھر ادھر پڑ گیا ہو تو معافی ہو جائے ، اسی لئے تمام اولیاء انبیاء بھی استغفار کرتے تھے ۔ اگرچہ ان کی زندگیاں مطلقاً نافرمانیوں سے پاک تھیں یا قصداً کسی کبیرہ کا صدور ان سے نہیں ہوتا تھا ۔ وَوَيْلٌ کا لفظ ہر قسم کی ہلاکت کو شامل ہے ۔ آخرت میں ہو یا دنیا میں صرف شخصی ہو یا متعدی ہو کر دوسروں کو بھی تباہ کرنے والی ہو ۔

لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے اس طرف اہم اشارہ ہے کہ اہلِ استحقاق کی مالی امداد مسلمان کے لئے بھی بہت اہم ہے ۔ کیونکہ جس فعل کا ترک مشرک کے لئے موجب تباہی قرار دیا گیا اس کی اجازت مسلمان کو کیسے ہو سکتی ہے ۔ پھر لفظ زکوٰۃ کا عموم بتا رہا ہے کہ مشرک کے پیش نظر کسی قسم کی پاکیزگی نہیں نہ وہ اپنے نفس کو پاک کرنا چاہتا ہے نہ مال کو یعنی مومن کا مقصد ہر طرح کی پاکیزگی ہونی چاہیئے ۔

toobaafoundation.com

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ میں ضمیر ہُم کی تکرار تاکید اور حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی آخرت کا انکار مومن نہیں کرتا کافر ہی کرتا ہے۔

آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں عمل صالح کی قید بتا رہی ہے کہ اجر غیر منقطع کا نہ مومن فاسد الاعمال سے ہے نہ مشرک صالح الاعمال سے (بشرطیکہ کوئی صالح الاعمال ہو سکے) وغیرہ۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ

آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی بڑی وسعت کے) دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو

ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ

یہی سارے جہان کا رب ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس زمین میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اس

فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ

میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں (ہوا جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی

وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝

اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا

سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو) بھیج دیا اور ہم نے اس قریب والے

السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝

آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور (استراق شیاطین سے) اس کی حفاظت کی یہ تجویز ہے (خدائے) زبردست واقف الکل کی

تفسیر قدیم مادہ پرستوں کے تخلیق عالم کے متعلق مختلف اقوال تھے۔ مادہ اور مادیات کے علاوہ ہر چیز کی نفی پر تو سب کا اتفاق ہے، لیکن وجہ تکوین اور سلسلہ تکوین کے متعلق بہت ہی اختلاف تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ تمام علوی سفلی کائنات کا وجود محض اتفاقی ہے۔ کوئی قائل تھا کہ تمام اجرام سماویہ اور کرۂ ارض موجودہ ہیئت کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور نباتات و حیوانات کے سلسلہ کی کہیں انتہا نہیں۔ بعض قائل تھے کہ اجرام علویہ اور ان کی ہیئتیں ہمیشہ سے ایسی ہی ہیں اور حیوانات اپنی انواع کے لحاظ سے تو قدیم ہیں، لیکن جزئیات کے لحاظ سے حادث۔

موجودہ زمانے کے مادہ پرستوں کی اجماعی تحقیقات یہ ہے کہ اس تمام کائنات کی مادی ہو یا ارضی، اصل مادہ اور مادہ کی قوت یعنی حرکت ہے۔ مادہ اور اس کی حرکت دونوں ہمیشہ سے ہیں، مادہ یہی ایتھر ہے جس سے یہ خلا پر ہے۔ اسی کا نام ہیولیٰ ہے اور مادہ کی قوت نام ہے اس کے چھوٹے چھوٹے ذرات کی حرکت کا۔ یہ ذرات یوں تو یک ذات ہیں۔ اُن کی اصل جوہریت میں کوئی فرق نہیں، لیکن اشکال اور دوسری حالت میں باہم مختلف ہیں۔ اجزاء مادہ کی حرکت کا کوئی سبب نہیں۔ خود بخود ہمیشہ سے ان میں حرکت ہے۔ اور اس حرکت سے ہی اجرام سماویہ یعنی تمام

toobaafoundation.com

ستارے سیارے اور ارضی کائنات سماوی ہو یا نباتی یا حیوانی غرض کل جہاں رونما ہوا ہے۔ پھر مادہ اور اس کی حرکت میں نہ کوئی شعور ہے نہ ارادہ یہی اجزاء مادہ حرکت کے ذریعہ خود بخود مخصوص کیفیتوں کے ساتھ جمع ہوگئے اور ان کے اجتماع سے مادہ سدیمیہ بن گیا یعنی چھوٹے چھوٹے اجسام بن گئے۔ اور قانون جذب کے زیر اثر ان کا اجتماع ہوا اور ایک گروہ بن گیا جس کو آفتاب کہتے ہیں۔ سورج اپنے محور پر حرکت کرتا رہا۔ اس کی دورانی حرکت سے کچھ اور ستارے اسی کے جسم سے الگ ہو کر بن گئے اور سب کے سب اپنے اپنے محوروں پر گھومنے لگے۔ زمین بھی ایک ستارہ ہے جو سورج سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئی اور اپنے محور پر گھوم رہی ہے۔ ایک مدت تک دورانی حرکت ہوتی رہی تو زمین کا بیرونی چھلکا ٹھنڈا ہوتا گیا اور اس طرح زمین کے طبقات بنے۔ معادن اور حیوانات اور نباتات کا ظہور بھی مادہ کے اجزاء کی حرکت سے ہوا۔ حیوان اور نبات کا وجود پہلے سے نہ تھا۔ زمین کی دورانی حرکت ان کی ہستی کا سبب بنی۔ علم جیالوجی (طبقات الارض) نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ حیوانات اور نباتات حادث ہیں۔ اب بھی زمین کا آخری طبقہ، ہر قسم کے جاندار اور نبات سے خالی ہے اور ایک وقت تو ایسا گزرا کہ کہیں زمین کے حصہ میں حیوانات و نباتات کا نشان بھی نہ تھا۔ اکتشافات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اجزاء مادہ کی حرکت سے ہی عناصر پیدا ہوئے اور مناسب توازن کے ساتھ جب عناصر ملے تو ایک زلالی مادہ بنا جو نہ بالکل سیالی تھا نہ جامد۔ اس زلالی مادہ سے خلیات کی ساخت ہوئی اور خلیات سے اجسام عضویہ اور اجسام عضویہ سے حیوانات اور نباتات، فلاسفروں اور مادہ پرستوں کی یہ تمام صراحتیں ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ قیاس و قرائن پر اس ساری تنقیح کی بنیاد ہے۔ عقل و یقین سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان کی اساسی غلطی مادہ کی خود مختار فعالیت اور بے سبب حرکت ہے۔ مادہ کے اجزاء کیوں حرکت کرتے ہیں۔ جبکہ ان میں شعور و ارادہ نہیں یہ کسی نے آج تک نہیں بتایا۔ تنظیم اور تکوین کی تدریجی ترقی کا تو لطور تخمین اظہار کیا، لیکن فعل کو بغیر فاعل کے قرار دیا اور ناظم و مکون کا پتہ تک نہیں دیا۔

قرآن کا حقیقی نظریہ اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت ہے۔ اس کی عبادت اور ادائے شکر کی تعلیم ہے اور ان تمام احکام کا علم ہے جن کا تعلق معاشی انتظام اور سعادت آخرت سے ہے۔ تخلیق عالم کی کیفیت بیان کرنا اور سماویات و ارضیات میں جو ضوابط فطرت جاری ہیں براہ راست ان کی تفصیل سے قرآن کا کوئی تعلق نہیں۔ انواع مخلوق کا تنوع، اختلاف تخلیق سماوی و ارضی اور تنظیم فضائی کا کہیں کہیں اگر تذکرہ آیا بھی ہے تو محض ذیلی طور پر صرف اس غرض سے کہ اللہ کی ہستی، وحدت، حکمت، قدرت اور صنعت کو معلوم کرنے کے لئے عقلی برہان پیش کردی جائے۔ خصوصیت کے ساتھ تخلیق کائنات اور تنوع موجودات کی مفصل تنقیح مقاصد قرآنی سے خارج ہے، اس لئے فلسفہ مادیت سے اس کا ٹکراؤ ہوتا ہو یا موافقت دونوں چیزیں ناقابلِ اعتنا ہیں تاہم کہیں کہیں قرآن میں عالم تکوین کی آغاز آفرینش کے متعلق جو کچھ صراحت آئی ہے ہم اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ علماء اسلام نے ان کا مطلب سمجھا اس کو بھی کسی قدر مجمل الفاظ میں نقل کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) سماوات و ارض اور درمیانی کائنات کو اللہ نے چھ دن میں پیدا کیا۔ یہ چھ دن کیسے تھے اس وقت تو نہ سورج تھا نہ زمین پھر دن کی تعیین کیسے ہوئی۔ علماء نے کہا کہ اس سے مراد چھ دن کی مقدار حقیقی ایام مراد نہیں ہیں اور یہ مقدار بھی ایام دنیا کی برابر تھی کسی نے کہا ایام آخرت کے برابر تھی یعنی چھ ہزار سال (ہکذا روی عن ابن عباس صرح بہ الوراق فی مباہج الفکر) چھ دن میں کائنات کی تخلیق کیوں کی اللہ تو ایک لمحہ بلکہ اس سے بھی کم میں کرسکتا تھا۔ اس کی حکمت اللہ ہی کو معلوم ہے شاید اس سے ہر عمل میں تدریج اختیار کرنے کی تعلیم دینی مقصود ہے۔

سب سے پہلے ایک دخان اللہ نے بنایا تھا یعنی بخارات۔ وہ آپس میں مخلوط تھے۔ زمین کا آسمان سے کوئی امتیاز نہ تھا۔ اللہ نے اس کے کچھ حصہ کو اونچا کر کے آسمان قرار دیا۔ اور کچھ حصہ کو اس کی جگہ برقرار رکھ کر زمین فرمایا کانتا رتقا ففتقناھما کے یہی معنی ہیں (رواہ عکرمۃ عن ابن عباس ومثلہ عن عطاء والضحاک والحسن وہو قول سعید بن جبیر وقتادۃ کذا یوخذ من الجمل علی الجلالین والکبیر الرازی) زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے کی گئی، لیکن اس وقت وہ مبسوط نہ تھی اور نہ رہنے کے قابل نہ اس میں پہاڑ تھے نہ درخت نہ حیوان اس کے بعد تخلیق سماء کا قصد کیا اور سات آسمان بنائے پھر زمین پھیلائی اور کائناتِ ارضی کو پیدا کیا (ہکذا نقل عن ابن عباس نقل الجمل عن الخطیب عن الرازی فی ہذا الموضع) اللہ نے کواکب پیدا کئے اور ان کو سماء دنیا یعنی سب سے نیچے والے آسمان کی زینت بنایا اور ستارے آسمان میں مرکوز یعنی جڑے

toobaafoundation.com

ہوئے ہیں (ہو قول الجمہور نقلہ فی مباہج الفکر للوراق) بعض کا قول ہے کہ ستارے آسمان کے نیچے خلا میں ہیں (نقلہ فی کنز الاسرار للعلامۃ الصنابحی عن مکی فی تفسیر سورۃ التکویر۔ وان صاحب بہجۃ النفس نقلہ عن وہب ونقلہ القرمانی فی مختصر الہیئۃ السنیۃ وذکر مثلہ الشیخ مرعی الحنبلی المقدسی فی عجائب المخلوقات۔ ونقل حدیث احادیا یدل علیہ وکذلک نقل ہذا الحدیث محمد بن عبداللہ الکسائی فی کتاب الملکوت ونقل الرازی اثر ابن کعب الاحبار صریحا فی ان الشمس دون السماء الدنیا۔)

بدء آفرینش کے متعلق علماء مادیت کی تنقیح اگرچہ ہمارے لئے ناقابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ ان کا اساس فکر ظن و تخمین ہے برہان و یقین نہیں پھر خود ایک کا تصادم دوسرے سے ہوتا ہے۔ تاہم اجماعی اور جمہوری تحقیقات کو اگر سامنے رکھا جائے اور پھر قرآن کو بعض علماء اسلام کی تفسیری روشنی میں پڑھا جائے تو مادیت کا بیشتر حصہ قرآنی صراحت کے موافق نظر آئے گا۔ مثلاً اللہ نے سارے عالم کا مادہ ایک بنایا اور اس کا نام دخان رکھا یعنی آبی بخارات جس کو فلسفہ کی اصطلاح میں سدیم کہا گیا ہے اور خلا میں اس کا منتشر ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ پھر اللہ نے آسمان و زمین کو جدا جدا کر دیا یعنی سدیم کے کچھ حصہ کو آسمان کا مادہ قرار دیا اور کچھ حصے سے سورج اور ستارے اور زمین وغیرہ کی ساخت کی (کما روی عن ابن عباس ومن معہ فی تفسیر الفتق والرتق) پھر آسمان کے مادہ کو اٹھا کر اس سے آسمان بنائے اور سورج کے مادہ سے سورج اور سورج سے تمام ستاروں اور زمین کو توڑ کر علیحدہ کیا، لیکن زمین اس وقت تک مبسوط اور قابلِ سکونت نہ تھی اور آسمانی مادہ موجود تھا مگر تشکیل سماوی نہ ہوئی تھی تو اللہ نے آسمان کی تشکیل کرنی چاہی اور تشکیل دے کر اس کے سات طبقات بنائے اور ہر طبقہ کو ایک آسمان فرمایا۔ اس کے بعد زمین کو بچھایا اور کائنات ارضی کی تخلیق کی۔

یہ ساری تکوین دفعۃً نہیں ہوگئی بلکہ تاثیر و تاثر اور اسباب و مسببات کے ضابطہ کے تحت ایک طویل مدت میں ہوئی۔ اس طویل مدت کو چھ دن فرمایا۔ حالانکہ ضابطہ تدریجی کے بغیر آن کے آن میں بھی تکوین کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

سورج تمام ستارے اور زمین ہر ایک آسمان کے نیچے قانون جذب کے زیر اثر قائم اور متحرک ہیں، لیکن مؤثر حقیقی اللہ ہی ہے اسی نے قانون کشش بنایا ہے۔

تحلیلِ اجزاء

آیات مندرجہ میں تکوین کائنات کا بیان کس قدر تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے اور آفرینش عالم کی واقعی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے اور آخر میں صراحت فرمائی ہے کہ یہ تمام تخلیق عزیز علیم کے اندازۂ قدرت اور تقدیر حکمت کے موافق ہے یعنی بلا ارادہ غیر شعوری اضطراری غیر منظم بلا فائدہ نہیں ہے ہر ذرہ کائنات کی پیدائش حکمت آگیں اور مصلحت قرین ہے اس سے فاطر کی انتہا طاقت لامحدود حکمت اور قہار قدرت کا ظہور ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی ہستی یا حکمت و قدرت کا انکار یا مقنن حیات نہ سمجھنا بڑی عجیب سی بات ہے۔

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ اللہ نے زمین کو دو دن میں اپنے اندازہ کے موافق بنایا اور وہی سارے جہان کا مالک ہے۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں ضد نہیں پھر اس کا انکار کرنا اور کسی دوسرے کو اس کا ہمسر قرار دے کر معبودیت اور صفات الوہیت میں شریک ماننا بڑا تعجب انگیز ہے۔ مخلوق کو خالق، مملوک کو مالک، مقدور کو قادر اور مربوب کو رب کا ہم پلہ بنانا اور اس سے ٹکرانا تعجب انگیز نہیں تو اور کیا ہے۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ۔ اس کلام کا واقعی مرتبہ ثُمَّ اسْتَوَىٰ کے بعد ہے۔ تخلیقی ترتیب میں آسمانوں کی پیدائش پہاڑوں اور درختوں وغیرہ کی پیدائش سے مقدم ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے ایک دخان یعنی آبی بخار (سدیم) اللہ نے پیدا کیا جو بالکل مخلوط تھا۔ اس کے چھانٹ کر دو حصے علیحدہ علیحدہ کر دیئے۔ نچلے حصے سے زمین وغیرہ بنائی۔ تمام معدن چشمے اور پہاڑ بھی اس کے ساتھ ہی بنے۔ بظاہر آیت مذکورہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن مفسرین نے ان کی تخلیق کو جداگانہ کے ساتھ قرار دیا ہے، اس لئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ چیزیں زمین کے ساتھ نہیں بنائی گئیں۔ تخلیق ارضی دو دن میں ہوئی یعنی دو دن کی

toobaafoundation.com

وما کید فرعون سے یہ بتانا مقصود ہے کہ فرعون کی مکاری اس کو بچا نہ سکی بلکہ مزید ہلاکت کا سبب بن گئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نجات و ہلاکت خدائی قانون کے ہاتھوں میں ہے ۔ مہلک کو منجی سمجھ لینے سے نجات کا میسر آجانا ناممکن ہے ۔ خواہ ظاہر میں کیسی ہی جبروتی طاقت ساتھ ہو اور کیسے ہی مکر آفریں دماغ کا نہ توڑ کریں ، مگر ہے بے سُود ۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ

اور اُس مومن نے کہا کہ اے بھائیو تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک رستہ بتلاتا ہوں اے بھائیو یہ دنیوی زندگانی محض

الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا

چند روزہ ہے اور (اصل) ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے (جہاں جزاء کا یہ قانون ہے کہ) جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا

مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ

ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے

الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

(اور) وہاں بے حساب اُن کو رزق ملے گا

تفسیر ساری شیطانی خودغرضی دولت پرستی جاہ پسندی آرام طلبی اور عیش کوشی کا محوری نقطہ اور مرکز صرف یہ خیال ہے کہ زندگی کا حاصل فقط یہی دنیا ہے ۔ اس کے بعد کوئی زندگی نہیں ۔ روزِ آخرت کا تصور ہیچ ہے ۔ جزا سزا کا اُخروی عقیدہ خرافات ہے نہ کوئی اچھائی ہے نہ برائی ہے ۔ اگر ہے تو وہی جس کا نتیجہ اسی دنیا میں اچھا یا بُرا مل جائے ، اس لئے خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ دنیا میں ہر عمل اپنے ساتھ دنیوی نتیجہ رکھتا ہے جس کو سمجھنے کے لئے انسانی بصیرت کافی ہے اور نتائج دنیوی ہی حقیقی نتائج ہیں قانونِ الٰہی کی کیا ضرورت ہے ۔ شرائع اور انبیاء سب بے سُود ہیں ، انسان کا خدا سے کچھ تعلق نہیں ، لیکن یہ اور اس قسم کی دوسری بیہودہ خیالیاں تارِ عنکبوت کے برابر اپنے اندر استحکام نہیں رکھتیں یہ ایک پُرفریب جال ہے ، مگر لودبی ریت کی دیوار ہے ۔ بے بنیاد گھورے پر جمنے والی سبزی ہے عفونت در بغل ۔ جاننے والے مانتے ہیں اور ماننے والے جانتے ہیں کہ یہ دنیا دھوکہ کی ٹٹی ہے سرائے فانی ہے اس کی ہر چیز آنی جانی ہے یہ فرودگاہ ہے قرارگاہ نہیں دار البوار ہے دار البقاء نہیں ۔ آخرت حقیقت میں اصل منزل ہے ساحل مراد ہے مآلِ زندگی ہے یہاں کا ہر اچھا برا عمل آخرت کی جزاء سزا سے خالی نہیں ۔ برائی کی سزا ضرور ملے گی برائی کے مطابق ملے گی ۔ اور نیکوکاری بشرطیکہ ایمان صحیح پر مبنی ہو اور درست بنیاد پر صحیح عمارت بنائی گئی ہو تو کرنے والا کوئی ہو مرد یا عورت ہر ایک کو دوامی راحت ملے گی ۔ ایسی کہ اُس کا گمان اس دنیا میں ہو بھی نہیں سکتا ۔

تحلیلِ اجزاء وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۔ فرعون نے کہا تھا مَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۔ جھوٹا آدمی اپنی بات کو مضبوط کرنے کے لئے کلام میں زور پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ تاکیدی الفاظ بھی بولتا ہے ، قسمیں بھی کھاتا ہے تاکہ اس کی بات کسی طرح قابلِ قبول ہو جائے ۔ فرعون نے بھی ایسا ہی کیا تھا ۔ کلام کو نفی و اثبات کی شکل میں پیش کیا ، لیکن سچے آدمی کو اپنی بات کی صداقت کا یقین ہوتا ہے ۔ وہ عام طور پر اپنے کلام کی مقبولیت کا یقین رکھتا ہے اور عموماً (بعض مخصوص صورتوں کو چھوڑتے ہوئے) بات سادہ طور پر کہہ دیتا ہے ۔ مردِ مومن نے بھی فرعون کی بات کے مقابلے میں وہی بات کہی جو فرعون نے کہی تھی ، مگر نہایت سادہ طریقہ سے ایسے الفاظ

toobaafoundation.com

مقدار کے مساوی وقت میں اوپر والے حصہ سے آسمان بنے اس بالائی حصہ کو بھی سات حصوں میں تقسیم کیا اور ہر طبقہ کو دوسرے سے جدا کر دیا یہ سات آسمان ہوئے۔ ان کی تخلیق بھی دو دن میں ہوئی۔ پھر زمین کو بچھایا، ہموار بنایا اور ما فی الارض کو پیدا کیا اس میں بھی دو دن صرف ہوئے۔ کل چھ دن ہوئے۔ تخلیقِ سماء کے دو دنوں کو چھوڑ کر باقی چار ایام میں سے دو دن میں زمین بنی اور دو دن میں پہاڑ وغیرہ

نافع بن ازرق خارجی نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا تھا کہ آیت اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ سے واضح ہوتا ہے کہ زمین آسمان سے پہلے بنائی گئی اور آیت ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ ۔۔۔۔ سے بسط ارض کا مؤخر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دونوں میں توافق کس طرح ممکن ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اللہ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ پھر آسمان کو درست کیا پھر زمین کو بچھایا۔ سامان کو آراستہ کیا یعنی پانی نکالا۔ نباتات کو پیدا کیا پہاڑ، ریت، جمادات، جھیلیں اور تالاب بنائے (رواہ البخاری عن سعید بن جبیر)

رواسی کا واحد راسیہ ہے اور مادہ رسو۔ رسو کے معنی ہیں سکون اور استقرار۔ اسرائیلی روایت مشہور ہے کہ پہاڑوں کی میخیں ٹھونک کر اللہ نے زمین کے لرزہ کو روکا۔ علماء اسلام نے اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے لیکن عقل و مشاہدہ کی شہادت اس کے خلاف ہے اول تو زیادتی وزن کے سبب زمین کا اضطراب قابلِ تسلیم نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر پہاڑوں نے زمین کا اضطراب روکا تو پہاڑوں کا غیر معمولی وزن کس چیز نے روکا۔ پھر سمندروں کے اندر پہاڑ کیوں ہیں۔ لفظ رواسی سے اہلِ تفسیر کو شاید دھوکہ ہوا ہو حالانکہ راسیہ متعدی نہیں لازم ہے یعنی ساکنہ اور مستقرہ۔ ظاہر ہے کہ پہاڑ ساکن اور مستقر ہیں نہ کہ استقرار بخش اور سکون آفریں۔

زمین میں برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو پیداوار کے قابل بنایا درخت، سبزہ اور کھیتی پیدا ہونے کی صلاحیت اس کو عطا فرمائی طرح طرح کی کانیں پیدا کیں۔ کوئلہ، گندھک، ہرتال، سونا، چاندی، ہیرا اور تمام جواہر، ہر قسم کی جڑی بوٹیاں، دوائیاں۔ غرض غذا، دوا، لباس اور آرائش کا سامان سب زمین کی ہی پیداوار ہے۔

زمین کے اندر اللہ نے روزی کا ذخیرہ بھی پیدا فرمایا۔ ہر قسم کے جانور اور آدمی کی روزی بلکہ درخت اور سبزہ کی بھی روزی کا خزانہ زمین میں ہی ہے اور اللہ کے اندازے کے مطابق ہے جس جاندار یا حیوانات کو جس قسم کی روزی کی جتنی ضرورت ہے ویسی اور اتنی روزی اللہ نے زمین میں پیدا کی۔ ایک ہی تختۂ زمین سے کیڑے، حشرات، مویشی، انسان اور مختلف انواع کے پودے اپنی اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کتنے کرور در کرور انواع نبات و حیوان ہیں جو زمین سے اندازۂ خداوندی کے موافق اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔

سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ۔ یعنی ہر سائل کی ضرورت کے موافق اللہ نے زمین میں رزق پیدا کیا۔ اسی مطلب کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے ۔۔۔ وَآتَاكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ۔ (ابن جریر)

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ۔ یعنی زمین کی پیدائش کے بعد آسمان بنانے کا قصد کیا۔ اس وقت آسمان کی موجودہ کیفیت ضخامت اور ہیئت نہیں تھی۔ نہ اس کے طبقات تھے، نہ موجودہ جسم بلکہ

وَهِيَ دُخَانٌ۔ اس وقت وہ دخان یعنی ایتھر یا آبی بخار تھا۔ حدیث میں موج مکفوف کہا گیا ہے۔ یعنی ایک آبی لہر تھی جو سیال نہ تھی نیچے گرتی تھی اپنی جگہ رکی ہوئی تھی۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ اس آیت میں آسمان و زمین کو حکم اور ان کی طرف سے اجابت یہ کل کیفیت تکوینی ہے زمین میں اور آسمان میں تکوینی ابراء دو طرح کے ہو سکتے تھے۔ ایک تو وہ اجزاء جن میں باہم ربط تو پیدا کرا دیا گیا ہو لیکن بغیر جبری انقلاب کے وہ مفوضہ خدمات انجام نہ دے سکتے ہوں۔ مثلاً زمین کے اجزا میں کسی چیز کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو یا گیہوں کی جگہ وہ جو پیدا کر دے، یا اس کی ہیئت ترکیبیہ ضعیف ہو۔ دوسری صورت یہ کہ اجزا کی طبیعت خاصیت ہیئت اور حالت ایسی بنائی گئی ہو کہ تکوین کے بعد فرضِ مقررہ کو ادا کرنے کے لئے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہ ہو۔ سورج اور ستاروں کا طلوع و غروب اپنے وقت پر ہو۔ زمین پر موسمی تغیرات، فصلوں کا تبادل اور معدنی تبدلات سب ٹھیک وقت پر ہوں۔ کسی فرض کو ادا کرنے میں کبھی غلطی نہ ہو۔ اس لئے روزانہ فرائضِ فطرت کو ادا کرنے کے لئے کسی مزید جبری حکم کی حاجت نہ ہو اور اسی نظم و ہمواری سے ادائے فرائض کی وجہ سے بے وقوفوں کو دھوکہ ہو جائے کہ مادہ اور صورت کے تاثر و تاثیر کے درمیان تخلیق کے بعد خدائی ارادہ اور صنعت

toobaafoundation.com

وقدرت کو دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ کائنات کا یہ زنجیری سلسلہ چل رہا ہے۔ علت معلول اور سبب مسبب کا ناقابل انقطاع تسلسل ہے۔ اللہ نے زمین و آسمان کی تمام طاقتوں کو ایسا متوازن اور منظم بنایا کہ ہر ذرہ کی طاقت ٹھیک ٹھیک اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔ کبھی فطرت سے کسی نے سرکشی نہیں کی اور موجودات کا انتظام کبھی مختل نہ ہوا۔ سورج اور ستاروں کی رفتار تاثیرات روشنی حرارت اور مختلف خصوصیات میں نہ کبھی کمی بیشی ہوئی، نہ ادائے فرائض میں کبھی تقدم تاخر۔ اسی طرح زمین اور کائنات زمین کی فطرت کا جو اقتضاء ہے وہ تکوین الٰہی اور تسخیر خداوندی پورا ہو رہا ہے۔ شاید حکم مجیئت اور اقرار اطاعت کا یہی مطلب ہے۔ والعلم عنداللہ۔

ابن عباسؓ نے تشریح آیت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے آسمانوں کو حکم دیا کہ چاند سورج اور ستارے ظاہر کرو اور زمین سے فرمایا دریا اور نہریں جاری کرا اور پھل پھول پیدا کر۔ دونوں نے برغبت اس حکم کو مانا (اختیارہ ابن جریر) حسن بصری نے فرمایا۔ اگر زمین آسمان سرتابی کرتے تو اللہ اُن کو ناقابل برداشت عذاب دیتا (رواہ ابن ابی حاتم)

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ غرض جس طرح زمین اور زمین کی کائنات کی تخلیق تدریجی طور پر چار روز کے برابر وقت میں کی تھی اسی طرح دو روز کے برابر وقت میں مادہ سماوی سے بتدریج سات آسمان بنائے۔

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا اس جگہ وحی سے مراد نقش کرنا لکھنا اور مقرر کرنا ہے۔ قلب میں القاء یا حکم دینا مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اوحینا کے بعد اس جگہ فی ہے الی نہیں ہے۔ یعنی ہر آسمان کو اللہ نے اس کی ڈیوٹی پر لگا دیا خدمت کی تفویض کر دی اور فرض مقرر کر دیا۔ گویا جس طرح کبھی پتھر پر حروف منقوش ہوتے ہیں اور ان کو وحی کہا جاتا ہے اسی طرح ہر آسمان میں اس کا فرض منقوش کر دیا۔ ترتیب تخلیق کے متعلق خطیب نے ابن جوزی کے حوالے سے ابن عباس کا قول لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنوں کے تمام نام اللہ نے مقرر فرمائے۔ زمین اتوار اور پیر کے دن پہاڑوں کو منگل کے دن۔ دریاؤں نہروں درختوں باغوں اور آباد ہونے والے مقاموں کے ناموں کو بدھ کے دن۔ پرندوں، پرندوں درندوں وحشی جانوروں کیڑے مکوڑوں اور بلاؤں کو جمعرات کے دن اور آدمی کو جمعہ کے دن پیدا کیا اور سنیچر کے دن فراغت رہی۔ ابن عباس کی یہ روایت ضعیف ہے مسلم اور نسائی کی روایت کے خلاف ہے حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے خاک کو سنیچر کے دن، پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن، مکروہات کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، زمین کے کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم کو جمعہ کے دن عصر کے بعد آخری ساعت میں پیدا کیا۔ (رواہ مسلم والنسائی) ابن کثیر نے لکھا کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ شیخ ابن حجر نے فتح الباری میں بخاری کے کلام کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ ابوہریرہ کعب احبار کے پاس بہت اٹھتے بیٹھتے تھے یہ قرینہ ہے کہ کعب احبار سے سنا ہوگا۔ اس کے علاوہ بعض ثقہ راویوں نے تو صراحتہً کہا ہے کہ ابوہریرہ نے کعب احبار سے سن کر ہی یہ قصہ بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ توریت کے سفر الخلیقہ میں ترتیب تخلیق جس طرح بیان کی گئی ہے وہ حضرت ابوہریرہ کی مذکورہ روایت کے خلاف ہے اس لئے کہ مذکورہ بالا روایت کو کعب احبار کا قول قرار دینا مناسب نہیں۔ اگر کعب احبار کا قول ہوتا تو توریت کے موافق ہوتا۔ ابن جریر نے بروایت عکرمہ ابن عباس کا قول اس طرح بیان کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر زمین و آسمان کی پیدائش کے متعلق سوال کیا حضورؐ نے فرمایا اللہ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو، منگل کے دن پہاڑوں کو، بدھ کے دن پانیوں درختوں اور آبادیوں کے مقاموں کو پیدا کیا۔ یہ چار روز ہو گئے۔ پھر حضورؐ نے آیت ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض الخ تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اللہ نے جمعرات کے دن آسمان کو جمعہ کے دن چاند سورج ستاروں اور ملائکہ کو تین ساعت دن باقی رہنے تک پیدا کیا۔ اس کے بعد والی ساعت میں انسان کو فائدہ دینے والی چیزوں پر آفت ڈالی۔ اور اس کے بعد کی ساعت میں آدم کو پیدا کر کے جنت میں بسایا اور ابلیس کو سجدۂ آدم کا حکم دیا اور آخری ساعت میں جنت سے نکالا۔ یہودیوں نے عرض کیا۔ اس کے بعد کیا ہوا ارشاد فرمایا اللہ نے عرش پر استواء فرمایا۔ یہودیوں نے کہا آپ نے بیان ٹھیک کیا۔ لیکن جیسے ہم لوگ پورا بیان کرتے ہیں کاش آپ بھی پورا کر دیتے کہ اللہ نے عرش پر مستوی ہو کر تکان سے راحت حاصل کی۔ حضورؐ والا یہ سن کر غضبناک ہوئے (اور یہودی اٹھ کر چل دیئے) اس پر آیت ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب الخ نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے

اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غرابت کی وجہ یہاں یہ ہے کہ مختلف اسنادوں سے مروی نہیں ہے اس کا سلسلہ سند صرف تہا
سرجی عن ابی بکر بن عیاش عن ابی سعید البقال عن عکرمۃ عن ابن عباس ہے وہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہودیوں کی کتابوں میں ترتیب تخلیق کا یہ طریقہ
مذکور نہیں ہے۔ توریت کی صراحت اس کے خلاف ہے پھر وہ کس طرح اس کو سنت مان سکتے تھے۔

وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ۔ یعنی اس نچلے سما کو جو زمین سے قریب ہے چراغوں سے سجایا۔ سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ سات
آسمانوں میں سے جو آسمان اس زمین سے قریب تھا اس میں اللہ نے کواکب بنائے یا اس کے جوف کے نیچے بنائے۔ بہرحال ان چراغوں سے اس کو سجایا۔
دیکھنے میں چراغوں کی طرح روشن دکھتے ہیں۔ وحفظا اور اللہ نے پوری پوری نگرانی کی۔ کس سے کس چیز کی حفاظت کی۔ اس جگہ اس کی کوئی صراحت
نہیں۔ دوسری آیت میں آیا ہے کہ عالم بالا کے رہنے والے ملائکہ کے اسرار معلوم کرنے کے لئے شیاطین جن اوپر چڑھتے ہیں لیکن ڈر کے مارے چڑھ نہیں سکتے
اگر کوئی جھپٹ میں کوئی راز معلوم کر کے بھاگتا ہے تو شہابِ ثاقب اس کے مارا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اس زیریں آسمان میں کچھ کواکب بطور زینت
پیدا کئے گئے ہیں اور کچھ ٹوٹنے والے تارے بھی ہیں جو انگاروں کی طرح شیطانوں کے مارے جاتے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں شہابِ ثاقب کو بھی کوکب
کہا گیا ہے۔ خدا خود ہی واقف ہے کہ ملائکہ کی گفتگو سننے کے لئے شیاطین کس طرح جاتے ہیں اور کیسے سنتے ہیں اور ملائکہ کیسے گفتگو کرتے ہیں۔ یہ
باتیں خود رموز و اسرار ہیں جن کو لسانِ نبوت ہی بیان کر سکتی ہے۔ ہم کو تو کچھ ٹوٹ کر گرنے والے اجرام کو یہ دکھائی دیتے ہیں جن کی سرشت میں انہی عناصر
اربعہ میں سے کوئی عنصر داخل ہے۔ واقع میں وہ سماوی اجرام نہیں لیکن بالائی یعنی فضائی اجرام ضرور ہیں۔

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ کائنات پر غور کرنے اور اس کی تکوین کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد اتنی بات بداہۃً معلوم ہوتی ہے کہ
اس کو بنانے والا ہمہ گیر طاقت کا مالک ہے اور سارے سنسار پر غالب ہے۔ اسی لئے تو کسی کو سرتابی کی مجال نہیں اور سب اپنے فرض کی انجام دہی میں مشغول
ہیں ادائے خدمت میں کمی بیشی یا تقدم و تاخر نہیں کر سکتے۔ یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ بنانے والی ہمہ گیر طاقت کے ساتھ محیطِ کل علم بھی رکھتا ہے۔ کائنات
کی مشینری کو جن پرزوں کی ضرورت تھی اور جس ذرہ کی جو خصوصیت ہونی چاہیے تھی اس کا علم اس علیم کو تھا۔ اس نے پہلے سے اندازہ کر لیا تھا کہ تخلیق اور
نظم کے لئے کن چیزوں اور کن صفات و حالات کی ضرورت ہے۔ اس کے علمی اندازے سے کوئی چیز خارج نہیں۔

حاصل یہ کہ جو فلسفی تکوینِ کائنات کو اتفاقی غیر ارادی لاشعوری کہتے ہیں وہ جھوٹے ہیں سبب مسبب کا زنجیری سلسلہ ضرور جاری ہے۔ مگر
اندازہ الٰہیہ کے مطابق چل رہا ہے۔

وہ مشرک بھی جھوٹے ہیں جو عناصر کواکب ملائکہ موالید ثلاثہ یا آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو معبود جانتے ہیں کیونکہ سب بے بس مقہور ہیں۔ کوئی
کسی کا خالق نہیں۔ اگر علت و معلول کا فطری تسلسل نظر آتا بھی ہے تو اجزاء نظام کا یہ ربط باہمی اضطراری ہے پھر کس طرح کوئی کسی کا خالق ہو سکتا ہے۔

اہلِ اسرار کے لئے چند باطنی رموز

استقامت کیا ہے ہر نیکی پر نیکی کیا ہے۔ اپنی نیکی پر بھی بھروسہ نہ کرنا اور اپنی ذات سے بھی الگ
ہو جانا حدیث میں آیا ہے و استقیموا دین تحصوا استقامت اختیار کرو اور نیکیوں کا شمار نہ کرو۔
ارشاد فرمایا تھا۔ شیبتنی ہود مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس میں حضور کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے۔ استقامت کے بعد اگر حصول استقامت کا
خیال آئے تو فریبِ نفس سمجھ کر استغفار کرے۔ صوفی کی نظر میں ظاہر باطن کی موافقت کا نام استقامت ہے بشرطیکہ استقامت کو از خود نہ خیال کرے
من اللہ سمجھے۔ دو دن میں زمین پیدا کی گئی۔ ایک یوم القدر دوسرا یوم القضاء یا ایک یوم الامر دوسرا یوم الخلق۔ زمین میں حیوان و نبات کی روزی مقرر
کر دی گئی لیکن ہر شخص کی روزی جدا جدا ہے۔ عام اجسام کی روزی یہی خورد و نوش اور لباس۔ روحانی بندہ کا رزق مشاہدہ ہے ربانی کا رزق مکاشفہ
اور اہلِ عرفان کا رزق توحید و عرفان

مقصود بیان

ائنکم لتکفرون سے یہ مقصود ہے کہ آسمان زمین اور ان کی تمام موجودات سے تو اللہ کی الوہیت قدرت صنعت
حکمت اور ملکیت نمایاں ہے۔ آغاز آفرینش سے اب تک کل کائنات اللہ کے تصرف اور قبضہ سے خارج نہیں۔ ایسی حالت میں
اس کی ذات یا صفات کا انکار کرنا تعجب انگیز ہے خلق الارض فی یومین میں صراحت ہے کہ زمین کی پیدائش دو روز کے برابر وقت میں ہوئی یعنی مادہ

toobaafoundation.com

نے رفتہ رفتہ تغیرات قبول کرتے کرتے صورتِ ارضی اختیار کی معلوم نہیں کہ کس قدر تغیرات ہوئے اور کتنے مدارج تصویری سے مادہ کو گزرنا پڑا۔ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کا امر تو آنی ہے زمانی نہیں پھر دو دوروں میں تخلیق کے کیا معنی۔ اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ امر اور تخلیق میں فرق ہے۔ الا لہ الخلق والامر سے دونوں کا جدا جدا ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ امر تو کسی زمانہ کا محتاج نہیں۔ ارادہ کی ایک لہر ہے جس کو شاید آنی کہنا بھی بیجا ہے ہاں تخلیق امتداد کو چاہتی ہے۔ اگرچہ اللہ کے ہاں نہ ماضی ہے نہ استقبال لیکن فعل تخلیق بہر حال زمانی ہے تخلیق کا تعلق حوادث سے ہے اور ہر حادث کے حدوث کا ظرف زمانہ ہے اور امر کا تعلق محض ارادۂ الٰہیہ سے ہے جو احاطۂ زمانہ سے خارج ہے۔ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہر جاندار وغیرہ کا رزق مقرر ہے۔ پہلے سے اندازۂ خداوندی میں ہے اور آسمان میں نہیں زمین میں ہے۔ تمام وسائلِ زیست اللہ نے زمین کے اندر مقرر کر دیئے ہیں ثُمَّ اسْتَوَىٰ سے ظاہر ہے کہ آسمان کی پیدائش زمین کے بعد ہوئی۔ وَهِيَ دُخَانٌ سے مترشح ہے کہ آسمان سے پہلے اس کا مادہ موجود کر دیا گیا تھا جس کو دخان سے تعبیر کیا۔ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ الخ سے تکوینی اور فطری امر و اجابت کی طرف اشارہ ہے۔ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ میں سات آسمانوں کا ہونا مصرح ہے۔ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا سے فطری نظم و نسق اور فرائض تخلیقی کی طرف اشارہ ہے۔

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا سے واضح ہو رہا ہے کہ چمکتے ستارے چراغوں کی طرح اس قریب والے آسمان میں سجائے گئے ہیں اور ستاروں کے دوسرے منافع کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہے کہ وہ اس محفل کی زینت ہیں لیکن ان سے کون سے کواکب مراد ہیں۔ کواکب سیارہ یا ثابتہ یا فضائیہ اس کی کوئی صراحت نہیں۔ بظاہر یہی کواکب مراد ہیں جو ہم کو آنکھوں سے دکھائی دے رہے ہیں اور چراغوں کی طرح ٹمٹما رہے ہیں۔ وَحِفْظًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ کواکب کا تخلیقی فائدہ حفاظت بھی ہے یعنی حفظ اسرار ملائکہ۔ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) اس پوری اونچی نیچی دنیا میں بلا اندازہ کوئی چیز نہیں۔ نہ کسی کی حرکت نہ سکون۔ نہ کمیت نہ کیفیت نہ ہیئت نہ ضخامت نہ وضع (۲) اللہ غالب ہے طاقتور ہے۔ ہر چیز اس کے احاطۂ قدرت میں ہے (۳) اللہ عالم کل ہے۔ اس نے جان کر یہ سب کچھ بنایا ہے بنی ناواقف نہیں۔ اور یہ تمام تخلیق غیر ارادی لاشعوری اور اضطراری نہیں۔ ایسی نہیں جیسی سورج سے روشنی، آگ سے گرمی اور درخت سے سایہ پیدا ہو رہا ہے وغیرہ۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ○ إِذْ جَاءَتْهُمُ

پھر اگر (دلائلِ توحید سن کر بھی) یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر (شرک و کفر سے) آئی تھی جبکہ ان کے پاس

الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا

ان کے آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مت پوجو انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا

لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ○ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ

(کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے) تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اس (توحید) سے بھی منکر ہیں جس کو دیکر (بزعم خود تم) بھیجے گئے ہو پھر وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق کا تکبر کرنے لگے

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ

اور کہنے لگے وہ کون ہے جو قوت میں ہم سے زیادہ ہو (آگے جواب ہے کہ) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ اُن سے قوت میں بہت

مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ○ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ

زیادہ ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تاکہ ہم ان کو

نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ

اس دنیوی حیات میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی کا سبب ہے اور اُن کو مدد

لَا يُنصَرُونَ ○ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ

پہنچے گی اور وہ جو ثمود تھے تو ہم نے اُن کو (پیغمبر کے ذریعہ سے) رستہ بتلایا سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا پس اُن کو عذاب

(ع) صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ

سراپا ذلت کی آفت نے پکڑ لیا اُن کی بدکرداریوں کی وجہ سے اور ہم نے (اس عذاب سے) اُن لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے تھے اور

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ○ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

(ان کو وہ دن بھی یاد دلایئے) جس دن اللہ کے دشمن (یعنی کفار) دوزخ کی طرف جمع کرنے کے لئے (موقف حساب میں) لائے جائیں گے پھر وہ روکے جائیں گے (تاکہ بقیہ بھی آجائیں) یہاں تک

سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ

جب وہ اس کے قریب آجاویں گے تو اُن کے کان اور آنکھیں اور اُن کی کھالیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اور (اس وقت) وہ لوگ (متعجب ہو کر) اپنے اعضاء سے کہیں گے

عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ (اعضاء) جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی اور اُسی نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن

اور تم (دنیا میں) اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا ہی نہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف ہی گواہی دیں لیکن تم اس گمان

ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ○ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ

میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر ہی نہیں اور تمہارے اس گمان نے جو کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا

أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ○ فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا

تم کو برباد کیا پھر تم (ابدی) خسارہ میں پڑ گئے سو (اس حالت میں) اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے

فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ○ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

تو بھی مقبول نہ ہوگا اور ہم نے (دنیا میں) ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) مقرر کر رکھے تھے سو انھوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں مستحسن کر رکھے تھے اور ان

(ع) وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ

کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (یعنی وعدۂ عذاب) پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن وانسان (کفار) ہو گزرے ہیں بیشک وہ (سب) بھی خسارہ میں رہے۔

toobaafoundation.com

تفسیر

اگلے پچھلے تمام پیغمبروں کا مقصد اور نظریہ ایک ہی ہوتا ہے۔ طریق تبلیغ میں بھی اصولی اشتراک ہوتا ہے اور مختلف اقوام و ملل میں سے سرکش عنصر کا طرز فکر بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ ادھر سے توحید کا پیام آیا اور بصورت نافرمانی وعید و آخرت کے ساتھ دنیوی بربادی سے بھی ڈرایا گیا۔ ادھر سے انانیت اور غرور کا مظاہرہ کیا گیا۔ دولت کی کثرت، جماعت کی زیادتی، علوم کی وسعت اور کبھی جسمانی طاقت اور عصبیت و حضریت کی بلندی پر نازش بیجا کی گئی۔ دنیوی تباہی کو موجودہ اسباب کے بل پر ناممکن خیال کیا گیا اور آخرت کی جزا سزا چونکہ حساب اعمال پر موقوف ہے اور اعمال کا حساب کون کر سکتا ہے، کس کو معلوم ہے کہ اندرون خانہ کوئی کیا کر رہا ہے، اس لئے آخرت کے عذاب کو ناممکن الوقوع سمجھ لیا گیا۔ مہلت ملی، مدت ملی، لیکن عدم یقین میں گذر گئی۔ آخر اسباب عادیہ غیبیہ کے زیر اثر بحکم حاکم تباہی آئی تخت تاراج ہو گیا۔ نام لیوا باقی نہ رہا۔ ایک وعید پوری ہو گئی۔ رہی اعمال کی حساب فہمی، جرائم کا ثبوت اور شہادت تو حرکت کھال کی ہو یا بال کی، ہاتھ کی یا پاؤں کی کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اپنی اصلی حالت میں باقی رہتی ہے۔ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور آثار الصوت کی خفیف ترین جنبش بھی اسی اثیری لہروں میں بشکل اصلی باقی رہتی ہے۔ اب سے دس ہزار برس پہلے اگر زید نے شراب کا گلاس ہاتھ سے پکڑ کر منہ کو لگایا تھا وہ بعینہ اس فضا کی موج کفوف میں موجود ہے۔ صرف آنکھوں سے پردہ ہٹنے کی دیر ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ نظر کے سامنے سے تمام حجابات دور ہو جائیں گے ہاتھ پاؤں کھال بال ناک کان غرض ہر حصہ بدن اپنے اچھے برے اعمال میں مشغول دکھائی دیں گے۔ زندہ ثبوت سامنے آ جائے گا۔ تمام اجزاء اعضاء مجسم شہادت بن جائیں گے۔ اس وقت انکار کا کچھ حاصل نہ ہو گا جس مجرم کا رونگٹا رونگٹا اعضاء کی مجسم شہادت بنا کھڑا ہو اور پکار پکار کر اعلان گناہ کر رہا ہو۔ ایسے مجرم کو مجرم قرار دینے کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سزا سامنے آئے گی تو برے ہم نشین اور گمراہ کن ساتھی پیار ہوں گے جنہوں نے زندگی میں ہر بری چیز کو آراستہ کر کے دکھایا تھا ہر گناہ کو نیکی کا لبادہ اوڑھایا تھا اور شر کو خیر کا جامہ پہنایا تھا، لیکن اس وقت کیا فائدہ جو خسارہ ہونا تھا ہو چکا۔

تحلیل اجزاء

فَاِنْ اَعْرَضُوْا۔ اعراض کے معنی ہیں رُخ موڑنا، رُخ موڑنا بے پروائی اور انکار کی علامت ہے، اس لئے مراد معنی ہوئے انکار کرنا اور نہ ماننا۔

فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ صاعقہ کڑک کو کہتے ہیں۔ عاد و ثمود پر بجلی نہیں گری پھر صاعقہ سے کیا مراد ہے۔ جمہور نے کہا صاعقہ ہر ناگوار مہلک مصیبت کو کہتے ہیں اردو میں بھی بولا جاتا ہے۔ تجھ پر کون سی بجلی ٹوٹی کہ تو نے یہ کام نہیں کیا۔ آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔ عاد ہوں یا ثمود، طسم ہوں یا جدیس، قوم فرعون ہو یا امت نوح، بنی اسرائیل ہوں یا ہندوستان کے ہندو۔ پیام حق اور تعلیم صداقت کو ٹھکرانے کا نتیجہ تو بربادی سب ہی کیلئے مقرر ہے، لیکن بنی اسرائیل کی تباہی عرب کے صحرائی باشندوں نے کہاں دیکھی تھی۔ قبطیوں، ہندوؤں، چینیوں اور یونانیوں پر جو غیبی عذاب ٹوٹے ان کے آثار دیکھنے عرب کے بدوی کب گئے تھے۔ یہ واقعات تو عرب سے باہر اطراف عالم کے تھے۔ ہاں ہود اور صالح عرب کی سرزمین کے باشندے تھے۔ عاد ثمود بھی عربی قومیں تھیں۔ حدود عرب میں رہنے والی اُن کی نافرمانیوں کی جو سزا ملی تھی اس کے آثار اور نشانات عربی زمین پر باقی تھے اور چونکہ نافرمانیاں اختلاف اشکال کے باوجود مشترک خمیر رکھتی ہیں اور اسباب سرکشی بھی کم و بیش مشترک ہی ہوتے ہیں، اس لئے سزا بھی ایک جیسی ملنی قرین عقل ہے، اس لئے آیت میں فرمایا کہ عاد و ثمود جیسی مصیبت سے تم کو ڈراتا ہوں۔ عاد و ثمود اپنی سرکشی کی مصیبت میں مبتلا ہوئے، قریش نے پیغمبر برحق کی تکذیب کی، اُن کے بڑے بڑے بدر میں مارے گئے۔ اسی طرح وعید پوری ہوئی۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ۔ یہاں سے تباہی کے سبب کا بیان شروع کیا گیا۔ عاد و ثمود کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کچھ پہلے گزر گئے کچھ بعد کو آئے۔ گذرنے والوں میں سے نوح اور ان کے جانشین تھے۔ پیچھے آنے والوں میں ہود اور صالح تھے۔ سب نے بالاتفاق ایک ہی تعلیم دی اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ کہ اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرو، کسی کو معبود مت قرار دو، الٰہ مت جانو، اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی کا حکم مت مانو۔ ہم کو یہی حکم دے کر بھیجا گیا ہے۔ قوم والے کہنے لگے۔

toobaafoundation.com

قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ہم تم کو رسول نہیں جانتے تمہارے کہنے کو مانتے اگر (ہمارا طریقہ غلط ہوتا اور) اللہ ہماری اصلاح کرنا چاہتا تو ہدایت کے لئے فرشتوں کو بھیجتا یعنی تم ہماری طرح آدمی ہو۔ آدمی کے پاس خدا کا حکم کیسے آسکتا ہے، وہ لطیف یہ کثیف وہ نورانی یہ ظلمانی وہاں تک آدمی کی رسائی کیسے ہوسکتی ہے۔ قریش کو حضورؐ کی رسالت پر اسی قسم کے شبہے تھے۔ وہ بھی ایسی ہی کٹ حجتی کرتے تھے۔ پیغمبروں کی تکذیب اور وجہ تکذیب سب میں مشترک تھی۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً قوم عاد کو اپنے قوی ہیکل، دراز قامت اور سخت گیر طاقت پر بے جا غرور تھا۔ وہ کہتے تھے ہم سے زیادہ طاقتور کون (بقول خطیب ان میں بعض آدمیوں کا قد دو سو گز تھا۔ غالبًا یہ اسرائیلی روایت ہے) قوم عاد کی حکومت عدن سے بصرہ تک تھی۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے بھاری پتھر اکھاڑ کر جہاں چاہتے اکھاڑ کر لے جاتے تھے تعداد بھی بہت تھی۔ ایک قوم، ایک نسل دیو قامت اور قوی ہیکل جیسے تاڑ کے درخت جیسے قد تعداد میں کثیر حکومت لمبی چوڑی بجائے اس کے کہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگے اترانے لگے۔ حضرت ہود نے ان کو تباہی سے ڈرایا۔ بولے ہم سے بڑا طاقتور کون ہے جو ہم کو تباہ کر سکے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ طاقت ہم کو کس نے دی۔ ایسا قوی کس نے بنایا جس خدا نے یہ طاقت دی اس کی یہ طاقت بڑی ہونی چاہیئے۔ خالق کا مخلوق سے زیادہ طاقتور ہونا امر بدیہی ہے جس کا مشاہدہ ہر سلیم الحواس آدمی کر سکتا ہے؛ اس لئے کسی عقلی برہان کی ضرورت نہیں کہ روشن دماغ دانشور ہی سمجھیں اور معمولی احساس والا نہ سمجھے۔

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۔ اصل بات یہ تھی کہ غرور کا پردہ قوم عاد کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا اُن کو اللہ کی طاقت نہیں دکھتی تھی اور قدرت خداوندی کی نشانیوں کا اصرار کے ساتھ انکار کرتے تھے وہ فقط کافر رسول ہی نہ تھے بلکہ کافر نعمت بھی تھے اللہ کی بخشی واضح نعمتوں کی ناشکری کرتے تھے نعمتوں کو خداداد مانتے ہی نہ تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ملک ان کا بہت سرسبز تھا۔ درخت بار آور کھیتی شاداب اور زمین زرخیز تھی۔ پانی اور ہوا بھی صحت بخش اور طاقت آفریں تھی، اس لئے ڈیل ڈول بھی لمبے چوڑے ہوتے تھے۔ قوم عاد کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا لیکن انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور مغرور ہو گئے۔ ہود علیہ السلام پیغمبر نے ان کو نصیحت کی، ڈرایا نہ مانے تو سخت قحط پڑا۔ جس کا تذکرہ سورۂ اعراف میں گذر چکا ہے۔ اس پر بھی آنکھیں نہ کھلیں تو اللہ کی بھیجی ہوئی ایک طوفانی آندھی آئی اور چند روز مسلسل رہی۔ بقول مجاہد و قتادہ کے ماہِ شوال کے آخری بدھ سے شروع ہوکر آٹھ دن سات رات پیہم طوفان قائم رہا۔ بیضاوی نے صراحت کی ہے کہ جس قوم پر عذاب آیا بدھ ہی کے دن آیا۔ اس آندھی سے سوا اہلِ ایمان کے تمام قوم تباہ ہوگئی۔ اللہ نے اپنی قدرت سے اہلِ ایمان کو ہر دکھ سے محفوظ رکھا۔

لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى ۖ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۔ آندھی کے زور نے پوری قوم کا زور ڈھا دیا۔ کھوکھلے درختوں کے تنوں کو اُلٹ کر رکھ دیا۔ ایسی طاقتور با اقتدار قوم کی یوں خواری ہوئی۔ یہ تو دنیا میں حالت ہوئی آخرت میں اس سے بھی بڑی خواری ہوگی۔ وہاں کا عذاب تو اور بھی تباہ کن ہے کسی طرح کوئی مدد نہ کر سکے گا۔ بات یہ ہے کہ دنیا کا سکھ بھی حقیر اور دکھ بھی۔ آخرت کا ثواب بھی بڑا اور عذاب بھی۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ۔ قوم عاد سے سو برس کے بعد عاد ثانیہ یعنی ثمود کا زمانہ آیا حضرت صالح نے ان کو نصیحت کی یہ قوم بھی طاقتور تھی۔ پہاڑوں کے پتھروں کو تراش کر مکان بناتی تھی۔ گویا پہاڑوں میں کھود کر مکان تعمیر کئے تھے۔ مدینے سے شام کو جانے والے راستے پر اُن کی آبادیاں تھیں۔ پیغمبر نے ان کو اچھا برا راستہ دکھا دیا۔ حق و باطل میں فرق بتا دیا مگر وہ تھے نابینا اندھی عقل والے۔ انہوں نے حق کو پسند نہیں کیا کج راہی کو اختیار کیا۔ معجزہ طلب کرنے پر حضرت صالح کی دعا سے پہاڑ سے ایک نبیبی اونٹنی پیدا ہوئی اور حضرت صالح نے اس سے تعرض نہ کرنے کی ہدایت کر دی اور بتا دیا کہ اگر اس سے تعرض کرو گے تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ یہ تمہارے لئے پیام ہلاکت لے کر آئی ہے لیکن وحشی قوم نہ مانی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا سب نے مل کر سالف قُدار کو اس کے قتل پر آمادہ کیا۔ اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ بیچاری تڑپ کر

toobaafoundation.com

مرگئی۔ سب نے تکہ بوٹی کر کے بانٹ کھایا۔ اللہ کا عذاب آیا۔ زمین میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی۔ بھونچال نے بستیوں کو الٹ دیا۔ ایک فیبی چیخ بھی پیدا ہوئی۔ سب گھٹنوں کے بل زمین پر گر ے جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ اہل ایمان بچا لیے گئے کافر تباہ ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ زلزلہ اسباب عادیہ کے تحت آیا لیکن تمام اہل ایمان کا محفوظ رہنا دوسروں کا ہلاک ہو جانا اپنے اندر درس عبرت رکھتا ہے۔ کیا ثمود ہدایت یافتہ ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ یہ ایک سوال ہے جس کا منشا رفَهَدَيْنٰهُمْ کا لفظ ہے۔ واقع میں تو ایسا نہیں ہوا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح کی تصدیق ہی نہیں کی نہ وحید عذاب کو صحیح سمجھا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اہل تفسیر نے بہت دور از فہم تاویلیں کی ہیں۔ سیدھی بات کو ٹیڑھا کر دیا۔ اللہ نے ہر شخص کو دو راستے دکھا دیئے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ایمان، کفر، نیکی بدی اور خیر شر ہر راستے پر چلنے کا آدمی کو اختیار دیا ہے۔ ثمود کو بھی اللہ نے یہی دونوں راستے بتا دیئے تھے کسی راستے پر چلنے سے روکا نہ تھا۔ فطرت کی طرف سے قائم کیا ہوا سیدھا راستہ بھی ان کے سامنے تھا جس پر چل سکتے ہیں۔ اور ٹیڑھا راستہ بھی سامنے ہی تھا جس کو چھوڑ سکتے تھے، لیکن انہوں نے ٹیڑھے راستے کو سیدھے راستے پر ترجیح دی نابینا بن گئے۔ منزل مقصود سامنے نظر نہ آئی اندھے غار ضلال میں جا گرے۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ سالف قدار اور اس کے ساتھیوں نے جب اونٹنی کو قتل کر دیا تو حضرت صالح آئے۔ اونٹنی کی حالت دیکھ کر رو دئیے اور بدکاروں سے کہا عذاب آپہنچا اب صرف تین روز کی تمہیں مہلت ہے۔ لوگوں نے ہنسی میں اڑا دیا اور لگے ٹھٹھے کرنے۔ پیغمبری فرمان کے بموجب سب کافروں کے بدن کا رنگ سرخ ہو گیا۔ دوسرے دن زرد اور تیسرے دن سیاہ۔ بہت مضطرب ہوئے پیغمبر برحق کو قتل کر دینا چاہا، لیکن بس نہ چلا۔ چوتھے دن کی صبح ہوئی، بدن کی سیاہی جاتی رہی سب خوش ہوئے۔ خیال کیا کوئی زہریلی ہوا تھی جو سب کو بیمار کر گئی تھی۔ اب سب تندرست ہو گئے۔ انہی سرمستیوں میں تھے کہ زمین میں زلزلہ آیا۔ گڑگڑاہٹ ہوئی، ہیبت ناک چیخ بھی سنائی دی۔ دل دہل گئے، کلیجے پھٹ گئے۔ گھٹنوں کے بل جیسے پڑے تھے ویسے ہی ہلاک ہو کر رہ گئے۔ بدا عمالی کی یہ قدرتی سزا ملی، لیکن متقی اہل ایمان کا کچھ نہ بگڑا۔ اللہ نے ان کو بچا لیا۔ کہا جاتا ہے اہل ایمان کی تعداد چار ہزار تھی۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۔ دنیا میں جو سزا ملی وہ ملی۔ یاد کرنے کا تو وہ دن ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو جہنم میں ہنکا کر لے جایا جائے گا۔ سب کافر جماعت در جماعت ہر امت کی خاص خاص ٹولی راہِ جہنم پر گامزن ہوگی۔ دوزخ پر پہنچیں گے اور سب جمع ہو جائیں گے۔ گویا پیش کے لئے ان کو روک لیا جائے گا۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ۔ پرسش جرائم ہوگی تو وہ انکار کریں گے۔ اعمال ناموں کی شہادت تسلیم نہیں کریں گے۔ پڑوسیوں اور گھر والوں کی گواہی کی بھی تکذیب کریں گے، فرشتوں کی شہادت بھی ان کے لئے قابل پذیرائی نہ ہوگی تو

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کان، آنکھیں اور کھالیں ثبوت بدکاری کی شہادت دیں گی۔ شہادت کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ یہ اعضاء منہ کی طرح بولیں گے۔ تحقیقی مطلب وہ ہے جو ہم تفسیری مقالہ میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ تمام اعضاء گناہ کرتے ہوئے اصل حالت میں سامنے آجائیں گے۔ شراب کا پیالہ ہاتھ میں منہ سے لگا ہوا حرام آوازیں اٹھتی ہوئی اور کان ان کی طرف متوجہ غیر محرم عورتیں سامنے اور آنکھوں کا گھور کر ان کو دیکھنا۔ غرض بدن کا ہر عضو گناہ میں مبتلا سامنے آئے گا۔ یہی ان کی شہادت ہوگی۔ نطق و شہادت کے الفاظ کنائی ہیں۔ مراد یہی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

صحاح کی حدیث ہے حضرت انس راوی ہیں (ابن کثیر نے نقل کی ہے) کہ ایک روز حضور والا مسکرائے (کسی کی جرات نہ ہوتی سبب دریافت کرتا خود ہی) فرمایا تم نے مسکرانے کی وجہ دریافت نہیں کی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ حضور کو ہنستا رکھے۔ سرکار کے مسکرانے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا میں اس بات پر تعجب کر کے مسکرایا کہ قیامت کے دن کافر بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا اور کہے گا پروردگار تو نے وعدہ کر لیا ہے کہ ظلم نہ ہوگا۔ ارشاد ہوگا کیا میری اور میرے ملائکہ کی شہادت کافی نہیں ہے۔ بندہ بار بار اپنی وہی بات کہے جائے گا۔ آخر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اس کان و اعضاء اس کی بداعمالیاں بیان کرنے لگیں گے۔ جو کچھ اس نے کیا ہوگا ایک ایک کر کے بیان کر دیں گے۔ پھر جب اس کا منہ کھلے گا تو وہ اپنے اعضاء سے کہے گا دور ہو کمبختو۔ تم پر خدا کی لعنت تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑ رہا تھا۔ (رواہ البزار و ابن ابی

toobaafoundation.com

حاکم والمسلم والنسائی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت کے الفاظ بدلے ہوئے ہیں مطلب یہی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا میرے خیال ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اُس کی ران بولے گی۔ (رواہ ابن ابی حاتم بسند صحیح)

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے حضور نے فرمایا قیامت کے دن کافر کو آگاہ کیا جائے گا کہ یہ بدکاری تو نے کی تھی وہ انکار کر جائیگا ارشاد ہوگا تیرے پڑوسی اس کے گواہ ہیں۔ وہ کہے گا یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ارشاد ہوگا تیرے گھر اور کنبہ والے بھی گواہ ہیں۔ وہ پھر بھی جھگڑے گا اور کہے گا یہ جھوٹ کہتے ہیں (کم بخت) قسم بھی کھا جائے گا۔ آخر اللہ اس کو خاموش کر دے گا اور اس کے اعضاء اس کے خلاف شہادت دیں گے پھر اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا (رواہ الامام ابو یعلی الموصلی)

نافع بن ارزق خارجی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا قیامت کے دن ہولناک موقف ہوں گے۔ ایک وقت ہوگا کہ لوگ خاموش ہوں گے نہ زبان سے بات نکلے گی نہ کچھ عذر کریں گے۔ اس ہیبت کے بعد جب ان کو اجازت دی جائے گی تو کافر جھگڑیں گے یہاں تک کہ مشرک اپنے شرک سے ہی انکار کر جائیں گے اور قسم کھا جائیں گے جیسے یہاں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ آخر اللہ ان کے منہ بند کر دے گا اور ان کی کھالیں آنکھیں کان ہاتھ پاؤں ان کے اعمال پر شہادت دیں گے پھر جب اللہ ان کا منہ کھول دے گا تو وہ اپنے اعضاء سے لڑنے لگیں گے۔ آخر کار انکار کے بعد اقرار ہوگا (رواہ ابن ابی حاتم)

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان فرمایا مہاجرین حبش جب مدینہ میں واپس آکر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو ایک روز حضورؐ نے فرمایا تم نے حبش میں کوئی انوکھی بات دیکھی ہو تو بیان کرو چند جوانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک روز ہم بیٹھے تھے اسی قوم کی ایک بڑھیا سر پر پانی کا گھڑا اٹھائے اُدھر سے گذری۔ بڑھیا راہبہ تھی اور دونوں ہاتھوں سے گھڑے کو تھامے ہوئی تھی۔ اتنے میں اُسی قوم کا ایک نوجوان لڑکا آیا۔ آہستہ آہستہ بڑھیا کے پیچھے چلا اور پیچھے پہنچ کر ہاتھ سے گھڑے کو دھکا دے دیا بڑھیا گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑی گھڑا ٹوٹ گیا۔ بیچاری اُٹھی پیچھے پھر کر نوجوان کو دیکھا اور بولی گنڈے عنقریب تجھے معلوم ہو جائے گا جب اللہ اپنی کرسی بچھائے گا۔ اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا سب کو۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں اُن کی بدکاریوں کی گواہی دیں گے تب تجھے بھی معلوم ہو جائے گا کہ میرا تیرا معاملہ کیا ہوگا۔ حضور والا نے فرمایا اُس بڑھیا نے سچ کہا (رواہ ابن ابی حاتم وابن ابی الدنیا)

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ کافر اپنی کھالوں سے پوچھیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کس طرح دی (تم میں بولنے کی طاقت ہی کب تھی) کافروں کا یہ خطاب ہوگا تمام اعضاء سے، لیکن ہاتھ پاؤں کان آنکھ وغیرہ کا بولنا اتنا دور از فہم نہیں جتنا کھال کا نطق دشوار معلوم ہوتا ہے، اس لئے سخت ترین تعجب کھال کے بولنے پر ہوگا ان کو ادھر سے جواب ملے گا جس خدا نے ہر چیز کو ناطق بنایا اسی نے ہم کو گویا کر دیا۔ آغاز بھی وہیں سے ہوا اُسی نے تم سب کو پیدا کیا اور انجام میں بھی اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

کیا اللہ نے ہر چیز کو ناطق بنایا ہے۔ ہر چیز کا نطق کیسے ممکن ہے جبکہ جامد نباتات اور حیوان۔ عناصر۔ زمین اور آسمان غرض انسان جن اور ملائکہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں بولتا اور کسی کو نطق کی طاقت نہیں۔ عام متکلمین مفسرین یہاں تک کہ امام رازی نے اس کے جواب میں کہا کہ زبانِ حال سے ہر چیز بولتی ہے۔ مصنوع صانع پر مربوب رب پر اور مخلوق خالق پر دلالت کر رہی ہے۔ یہی ہر چیز کا نطق ہے۔ آیت ان من شیء الا یسبح بحمدہ میں تسبیح سے مراد بھی یہی تسبیح حال ہے۔ میری رائے میں یہ جواب دونوں آیتوں میں کافی نہیں۔ زیر تفسیر آیت کا سیاق اور سباق دونوں بتا رہے ہیں کہ نطق سے مراد بولنا ہے۔ اعضاء صرف یہ کہیں گے کہ جس خدا نے ہر چیز کو ناطق بنایا اسی نے ہم کو ناطق بنایا۔ کیا اعضاء کو ناطق بنانے کا مفہوم بھی نطق حال کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایسی حالت میں وجہ تشبیہ کس طرح جامع ہوگی۔ اعضاء کے نطق سے نطق مقال اور اشیاء کے نطق سے نطق حال مراد لینے سے مابہ الاشتراک چیز کوئی پیدا نہیں ہوتی اور اگر نطق اعضاء ایسا ہی ہوگا جیسا متکلمین اور مفسرین نے نطق اشیاء کو بیان کیا ہے تو کافروں کے لئے وجہ تعجب کیا ہوگی۔ اور وہ کس لئے سے کیا چیز

toobaafoundation.com

دریافت کریں گے۔

اسی طرح آیت تسبیح میں اگر تسبیح سے مراد تسبیح حال ہو تو تسبیح حال کو ہر دانشمند سمجھتا ہے پھر لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ سے فہم تسبیح کی نفی کیوں کی گئی۔ صحیح بات یہ ہے کہ نطق سے مراد نطق مقال اور تسبیح سے مراد تسبیح قولی ہی ہے لیکن ہر نطق کی کیفیت اور ہر قول کی حیثیت جدا جدا ہے۔ انسان کا نطق حلق اور اوتار صوت کے اتار چڑھاؤ پر موقوف ہے۔ دوسرے حیوانوں کے نطق کا طریقہ کوئی اور درختوں کی زبان الگ اور پتھروں کی بولی جدا۔ غرض ہر چیز کے نطق کی نطق کی کیفیت، ماہیت اور حالت الگ الگ ہے۔ ہم چونکہ کسی چیز کی کیفیت نطق سے واقف نہیں نہ ماہیت نطق سے نہ احوال نطق سے اسی لئے سب کو غیر ناطق کہتے ہیں۔ اس وقت اعضاء جسم اور ذرات جسم کا نطق کافروں کی کیا کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ اسی لئے اعضاء جسم کے نطق پر تعجب ہوگا اور اعضاء کی طرف سے جواب ملے گا وہ یعنی بر حقیقت ہوگا۔ یہ تو حقیقت نطق کی بحث تھی۔ رہی شہادت نطقیہ اور اس سے مراد تو ہم نے تفسیری مقالہ میں لکھ دیا ہے کہ اس جگہ یہ الفاظ کنائی ہیں۔ اعضاء شہادت مجسم بن کر سامنے آئیں گے۔ والعلم عنداللہ

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ۔ اس آیت کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے ۱۔ قیامت کے دن اعضاء بدن جو شہادت دیں گے انہی کا یہ مقولہ ہے یعنی اعضاء کہیں گے کہ جو کچھ تم کرتے تھے وہ ہم سے چھپا کر نہیں کرتے تھے۔ اعضاء کی شہادت دینے کا تم کو اندیشہ ہی نہ تھا۔ بلکہ تمہارا تو خیال تھا کہ اللہ تمہارے کثیر اعمال سے ناواقف ہے۔ یہ تفسیر ابن کثیر نے لکھی ہے۔ ۲۔ خطیب نے کہا یہ قول اللہ کا ہے اور کلام مستانف ہے۔ اعضاء کا قول وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ پر ختم ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جو بداعمالیاں چھپ کر اور پردہ کے اندر کرتے تھے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ تم کو اعضاء کے شہادت دینے کا اندیشہ تھا (اعضاء کی شہادت کا تو تمہیں خیال بھی نہ تھا) بلکہ چھپ کر کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ تمہارے خیال میں پوشیدہ اعمال سے خدا ناواقف رہتا ہے۔ خطیب کی یہ تشریح شان نزول سے مناسبت رکھتی ہے کیونکہ امام احمد نے بسند جید حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ایک مرتبہ میں کعبہ کے پردہ میں چھپا ہوا تھا۔ اتنے میں تین آدمی آئے یہ سب کافر تھے اور باہم قرابت دار تھے۔ ایک قریشی اور دو ثقفی تھے یا ایک ثقفی اور دو قریشی (نسیان از راوی) تینوں خوب موٹے تازے تھے۔ چربی سے پیٹوں پر تہیں پڑی تھیں، لیکن تھے کم سمجھ۔ تینوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ان کا ابتدائی بیان میں نے نہیں سنا۔ اتنا حصہ سنا کہ ایک شخص کہہ رہا تھا کیا تمہارے خیال میں اللہ ہماری باتوں کو سنتا ہے۔ دوسرا بولا ہم اونچی آواز سے کہتے ہیں تو سن لیتا ہے آہستہ کہتے ہوں تو نہیں سن سکتا۔ تیسرے نے کہا اگر خدا کچھ سن سکتا ہوگا تو سب کچھ سنتا ہوگا۔ (یعنی وہ کچھ بھی نہیں سنتا) حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے ان کی باتیں سن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی گفتگو عرض کی۔ اس پر اللہ نے آیت وَمَا كُنتُمْ سے مِّنَ الْخَاسِرِينَ تک نازل فرمائی (رواہ الترمذی ومسلم والبخاری) واقعہ نزول سے ثابت ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں اعضاء بدن کا مقولہ نہیں نقل فرمایا ہے بلکہ اللہ نے کافروں کی حالت پر خود تبصرہ کیا ہے۔

ظن کے معنی ہیں گمان کبھی یقین کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال کیا ہے إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ میں گمان تخمین اور اٹکل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت مندرجہ بالا اور اس سے بعد والی آیت میں ظن کے معنی ہیں یقین۔ یعنی تم کو یقین تھا کہ اللہ تمہاری کثیر بداعمالیوں کو نہیں جانتا۔ قتادہ نے کہا ظن اعتقادی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک نجات دینے والا دوسرا ہلاک کرنے والا إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ نجات دہندہ ظن اعتقادی مراد ہے۔ اسی طرح الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ میں نجات دہندہ اعتقاد کا اظہار کیا ہے۔ دوسرا ظن اعتقادی مہلک وہ ہے جس کا بیان آیت وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ میں کیا ہے۔

وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ یعنی اللہ کو لاعلم اور ناواقف سمجھنے ہی نے تم کو ہلاک کیا۔ اللہ کی ناواقفیت کا عقیدہ بجائے خود فکری غلطی ہے اور جو شخص خدا کو بندوں کے اعمال سے ناواقف سمجھتا ہو وہ گناہ پر جرأت بھی زیادہ کرے گا اور یہی بداعمالی اس کی ہلاکت کا سبب بنے گی۔ اس طرح اللہ کو جاہل اور بے خبر سمجھنے کا اعتقاد براہ راست بھی تباہ کن ہے اور بالواسطہ بھی۔ اس سے اس زندگی میں فکر و عمل دونوں کی تباہی ہوتی ہے اور دوسری زندگی میں بھی ابدی ہلاکت ہوگی

فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانے کی خواہش نہیں کریں گے اور

toobaafoundation.com

میں جن سے پیار اور محبت کا ترشح ہو رہا ہے۔ کہنے لگا اے میری قوم میری راہ پر چلو میں تم کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ مقصد یہ کہ میں تم میں کا ہی ایک فرد ہوں۔ تم میرے بھائی بند ہو میں تمہارا بدخواہ نہیں ہو سکتا سوا ہم قوم ہونے کے مجھے کوئی (حصول حکومت و اقتدار وغیرہ) ذاتی لالچ بھی نہیں۔

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔ آخرت کا انکار یا اس سے بے نیازی ہر خطا کی جڑ ہے۔ جب دنیا کی صحیح تصویر سامنے آجائے اور آخرت پیشِ نظر ہو تو پھر دنیا کی کوئی حکومت دولت سیادت وجاہت اور شہرت اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی اور نہ گناہ پر جرأت ہو سکتی ہے۔ مردِ مومن نے حق و باطل کا فیصلہ اسی ضابطہ کے تحت کیا۔ اول دنیا کو متاعِ حقیر قرار دیا اور پھر آخرت کو اصل قرار گاہ بتایا پھر اس زندگی اور آخرت کی زندگی کا باہم ربط ظاہر کرنے کے لئے کہا۔

مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یعنی یہ زندگی متاعِ حقیر اور زوال پذیر ضرور ہے، مگر رائگاں اور لاحاصل نہیں۔ آخرت کے تمام نتائج و ثمرات اسی سے وابستہ ہیں۔ دنیا میں تین طرح کے خیالات رکھنے والے آدمی ہیں۔

(۱) وہ لوگ ہیں جو یہاں کے عیش و راحت کو اصل مقصد جانتے ہیں اُن کا حاصلِ حیات صرف یہی حیات ہے۔ آخرت پر نہ اُن کا عقیدہ ہے نہ تصور۔ (۲) وہ لوگ ہیں جو آخرت کا تصور رکھتے ہیں، مگر مسخ شدہ شکل میں۔ ہیر پھیر کے مرکزِ توجہ اسی زندگی کے عیش و طرب کو قرار دیتے ہیں۔ ہر اچھائی برائی کے نتیجہ کا ظہور ان کے نزدیک اسی زندگی میں ہو جاتا ہے جو یہاں سکھ کی حالت میں ہے بڑا عالم ہے اونچا لیڈر ہے عیش کوش دولتمند ہے۔ ہمہ گیر اقتدار رکھنے والا راجہ ہے دلکش حسین ہے دیدہ زیب رعنائی کا حامل ہے۔ بہرحال جو یہاں خوش عیش ہے وہی صالح کامیاب ہے۔ اور جس کی موجودہ زندگی تلخ ہے مصائب و آلام کا شکار ہے نادار ہے بیمار ہے بدرو اور ذلیل ہے واقعی گناہگار ہے جو اسی دنیا کو اپنی گزشتہ زندگی کی بداعمالیوں کی سزا اسی دنیا کی موجودہ زندگی میں بھگت رہا ہے۔

(۳) تیسرا گروہ قائل ہے کہ یہ زندگی متاعِ حقیر ہے فانی ہے زوال پذیر ہے۔ یہاں کی حکومت امارت وجاہت قیادت طاقت سب ہیچ ہے۔ چند روزہ یہ پل ہے گذرگاہ ہے سرائے ہے فرودگاہ ہے اصل عیش آخرت کا عیش ہے جو لازوال ہے حقیقی زندگی دین ظلی زندگی ہے جو غیر فانی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ زندگی بے کار نہیں ناقابلِ توجہ نہیں۔ اگرچہ مقصودِ اصلی نہیں، لیکن یہاں کا کوئی قول و عمل حرکت و سکون اور خواب و بیداری لاطائل بے حاصل اور رائگاں نہیں۔ یہ کھیتی ہے جس کا حاصل آخرت میں ملے گا۔ اچھا بیج اچھا حاصل، بُرا بیج بُرا حاصل۔ یہاں کا ہر حرکت و سکون تجارتی ہے جس کا نفع نقصان دوسری لازوال زندگی میں ملے گا۔ یہ نظریہ بہت ٹھوس پُرمغز نظریہ ہے جو بتاتا ہے کہ یہ دنیا بے کار بھی ہے اور باکار بھی۔ فانی بھی ہے اور باقی بھی۔ یہ خود اپنی نیرنگیوں سمیت زوال پذیر ہے، لیکن اس کا نتیجہ زوال ہے پھر اس فکر کے حامل بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بدی کا نتیجہ بدی بھلائی کا نتیجہ بھلائی۔ گناہ زہر ہے مہلک ہے اور نیکی تریاق ہے موجبِ حیات اس لئے بدی کو معاف کرنا اور نیکی کی جزا اصل استحقاق سے زیادہ دینا ممکن نہیں۔ اس گروہ نے خدائی اختیار و اقتدار رحمت و عفو کو اپنی فکر سے خارج کر دیا اور رحمت و ظلم میں کوئی فرق نہیں کیا، لیکن دوسرا گروہ قائل ہے کہ برائی کی سزا اصل قصور سے زائد نہیں ہوگی، لیکن معافی ہو سکتی ہے۔ خدا مہربان اور غالب ہے اسی طرح نیکی کی جزا اصل سے کئی گنا زائد ملے گی۔ اللہ رحیم ہے۔ حقیقت میں اہلِ حق کا یہی مسلک ہے۔ حقیقت شناس اہلِ ایمان کا یہی عقیدہ ہے۔ قومِ فرعون کے مردِ مومن نے بھی اسی نظریہ کو اپنی قوم کے سامنے رکھا۔ اور دنیا کا آخرت سے ربط ظاہر کرتے ہوئے بدی کی سزا کو اصل سے زائد نہیں قرار دیا۔ ہاں نیکی کی جزا کو غیر محدود کہا۔ کیونکہ اللہ عزیز غفار ہے بڑھا چڑھا کا دینے اور گناہ معاف کر دینے کی اس میں طاقت اور اختیار ہے۔

اس جگہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی صحیح عمل بغیر صحیح علم کے مفید نہیں۔ کچھ لوگ اس زندگی کو محض عملی مشین جانتے ہیں۔ اُن کی نظر میں مشینری کی تھیوری صحیح ہو یا نہ ہو۔ فلنگ درست ہو یا نہ ہو مشین کی اتفاقی درست حرکت ہی اچھا نتیجہ پیدا کرنے کی موجب ہے اس لئے ہر غلط عقیدہ والا بھی حسنِ عمل کے کامل ترین اعلیٰ نتیجہ سے بے بہرہ نہیں ہو سکتا۔ گویا اس مفکر کی نظر میں یہ دنیا محض دار العمل ہے۔ معرفت کدہ اور درس گاہِ علم نہیں۔ یہاں مقصود صرف کردار ہے۔ تصورات او تصدیقات کی خالص فکری ترقیاں محض ناکارہ ہیں۔ روحانیت اور وجدانیات؛ ہیچ ہیں بلکہ کردار کی جزا سزا کے لئے کسی صحیح

toobaafoundation.com

عذاب پر صبر کریں گے تو بہر حال دوزخ ان کا ٹھکانا ہوگا اور راضی کرنا چاہیں گے تو ان کو رضامندی نہیں دی جائے گی یعنی اگر کچھ عذر معذرت کر کے وہ دنیا میں جانے کے خواستگار ہوں گے تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی اور دنیا میں لوٹ کر جانے کی اجازت نہیں ملے گی، یا یہ مطلب کہ اگر آگ پر صبر رکھیں گے تو بہر حال ان کا وہی ٹھکانا اور اللہ کو رضامند کر کے وہاں سے نکلنے کے خواستگار ہوں گے تو اللہ کی رضامندی ان کو حاصل نہ ہو سکے گی۔ دونوں صورتوں میں عذاب سے نجات ناممکن ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ

قیض کے معنی ہیں انڈے کا چھلکا جو گودے سے چپٹا ہوتا ہے اور ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ بہکانے والا شیطان بھی ہر وقت ساتھ لگا رہتا ہے۔ آدمی سے جدا نہیں ہوتا۔

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد ہے دنیا اور مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے آخرت یا اول سے مراد ہے موجودہ حالت اور دوسرے سے مراد ہے آئندہ حالت، اللہ کا ضابطہ یہی ہے کہ آدمی کی جیسی نیت ہوتی ہے اور جس قسم کا عملی جھکاؤ ہوتا ہے اللہ ویسے ہی اس کو اندرونی اور بیرونی ساتھی دے دیتا ہے۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز چنانچہ جس کا میلان بداعمالی کی طرف ہوتا ہے اور نیکی سے اس کو نفرت ہوتی ہے تو اللہ اس کے لئے انس و جن میں سے اندرونی اور بیرونی ساتھی فراہم کر دیتا ہے۔ یہ شیاطین اس کے ساتھ ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اول تو دنیا کی محبت دل میں رچاتے ہیں طرح طرح سے دنیوی سجاوٹ سامنے لاتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ جو کچھ ہے یہ دنیا ہے حاصل زندگی یہیں کا عیش ہے۔ حرام حلال کوئی چیز نہیں۔ اخلاقی قدریں فرضی افسانے ہیں۔ خدا کو کس نے دیکھا یہ قوت واہمہ کا خلل ہے۔ رسالت کا مفہوم تخیل کا ذب سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ شرائع الہیہ چند وضعی قوانین کا نام ہے وہ بھی اختراعی۔ کیسی قیامت اور کہاں کی آخرت، زندگی نام ہے اسی راحت و سرور کا، فارغ البالی اور فراخ حالی کا۔ حاصل کر جس طرح مل سکے اور مزے اڑا جس طور سے ممکن ہو۔ اور بالفرض اگر آئندہ زندگی ہوئی بھی اور اس کے رنج و راحت کی کوئی حقیقت بھی تو وہ بھی انہیں لوگوں کا حصہ ہے جو یہاں مرفہ الحال ہیں۔ فقر سے دونوں جہان میں منہ کالا ہوتا ہے جس کو یہاں سکھ ہے وہاں بھی سکھ ہے۔ جو اب دکھ میں ہے جب بھی دکھ میں ہوگا۔ نمونہ مشتے از خروارے یہاں کی حالت پیش خیمہ ہے وہاں کی حالت کا۔ گذشتہ ہوئی قومیں ایسی ہی خام خیالی میں مبتلا رہیں زر و جواہر جاہ و جلال، مال و منال ہمہ گیر اقتدار، اونچے مکان مضبوط محل، حشم و خدم کی کثرت، عیش و نشاط کا سرور، سرسبز باغ، شاداب کھیتیاں اور دولت کی ریل پیل ان کا بھی حاصل زندگی قرار پائیں۔ وہی حالت ان کی ہے جو سزا ان کو ملی ان کو بھی ملے گی۔ نتیجہ میں ان کے ہاتھ بھی خسران کے سوا کچھ نہیں آیا۔ یہ بھی گھاٹے میں رہیں گے۔ اللہ کی تو ایک بات ہے، ایک ضابطہ ہے وہ بہر حال پورا ہوتا ہے۔

مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ لفظی قرب کے سبب امم کا بیان ہو سکتا ہے، لیکن معنوی لحاظ سے اس کا ربط قرناء سے ہے، اس لئے قرناء کا ہی بیان ہوگا یہی زیادہ مناسب ہے۔ یعنی آدمی کو بہکانے والے ساتھی آدمی بھی ہوتے ہیں اور جن بھی۔

مقصود بیان

اقوام عالم کے افکار ایک جیسے ہیں۔ انسان کا بیغمبر ہونا سب کو عجیب معلوم ہوتا ہے، اس لئے و غلطی کا فکر نتیجہ بد بھی سب کو ایک ہی طرح بھگتنا پڑتا ہے۔ استکبار اور خود پسندی کی سزا بربادی ہے، خواری ہے جو ہو کر رہتی ہے، لیکن ایمان اور اصلاح عمل رکھنے والے ہر خواری سے محفوظ رہتے ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کا یہی ضابطہ ہے۔ نَجَّيْنَا الَّذِينَ سے درس نصیحت دینا مقصود ہے ان لوگوں کو ہر حادثہ کو مادیت کے چشمے سے دیکھتے ہیں اور نازل ہونے والی مصیبتوں کو اسباب فطریہ اور نیچرلی ذرائع کا اثر ضروری قرار دیتے ہیں۔ بخارات ارضیہ کی وجہ سے زلزلہ آسکتا ہے، لیکن ہلاکت میں اچھے برے اور کھرے کھوٹے کا امتیاز بتا رہا ہے کہ تاثیر زلزلہ اللہ کے غیبی ہاتھوں میں ہے اور اسباب عادیہ کی تاثیر مؤثر حقیقی سے بے نیاز نہیں۔ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ قوم اعضاء بدن کی منطوق شہادت کی صراحت ہے۔ أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہر چیز ناطق اور باحساس ہے گویا یہ ان بیوقوف فلاسفروں کا رد ہے جو جمادات و نباتات کو عدیم الشعور اور صامت جانتے ہیں۔ قرآن کی صراحت ان کے اس مفروضہ کے خلاف ہے۔ وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ الخ سے تباہی کا اصل گر بتانا مقصود ہے کہ خدا کو لاعلم قرار دینا اور اس کو ناواقف سمجھنا موجب ہلاکت ہے۔ اس نظریہ کو مان کر آدمی اعمال بد پر جرأت کرتا ہے اور نکر نتائج سے لاپرواہ ہو جاتا ہے۔

toobaafoundation.com

اور یہی موجب تباہی ہے۔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ سے اللہ کے اس مقررہ ضابطہ کی طرف اشارہ ہے کہ بداعمالی کی طرف جھکنے والے آدمی کو بہکانے کے لئے شیاطین جن وانس مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو دنیا کی محبت کو اس کے دل میں رچا دیتے ہیں۔ گویا دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے وغیرہ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ○

اور یہ کافر (باہم) یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

غالب رہو سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور اُن کو اُن کے (ایسے) بُرے بُرے کاموں کی سزا دیں گے

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ ان کے لئے وہاں ہمیشگی کا مقام ہوگا اس بات کے بدلے میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار

يَجْحَدُوْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

کیا کرتے تھے اور (جب مبتلائے عذاب ہوں گے تو) وہ کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنہوں نے

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

ہم کو گمراہ کیا تھا ہم ان کو اپنے پیروں کے تلے ڈال دیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں جن لوگوں نے (دل سے) اقرار لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ

پھر (اس پر) مستقیم رہے اُن پر فرشتے اُتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو

الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ

جس کا تم سے (پیغمبر کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا اور ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے

ع ۲ ۷ ۱۸ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ ط نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (ع)

اُس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے (جو لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے

toobaafoundation.com

الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

ہوں　اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے ثواب)　آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے

فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ

پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے　اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے

صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ

جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں　اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے　اور اگر (ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

آنے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے　بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

تفسیر جاہلوں کا طریقہ ہے کہ جب سچائی کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوتے ہیں دانشمندوں سے ہر عقلی گفتگو میں شکست کھاتے ہیں اور کوئی امید غالب آنے کی باقی نہیں رہتی تو جاہلانہ طرز معاشرت اختیار کرتے ہیں۔ صداقت اور حقانیت کا کوئی توڑ سوا اس کے ان کے پاس نہیں ہوتا۔ کہ جب اہل حق ندائے حق بلند کریں تو وہ سننے والوں کو طرح طرح سے بہکائیں، سیٹیاں بجائیں، آوازے کسیں اور شور مچائیں۔ جس طرح ممکن ہو حق کی آواز لوگوں کے کانوں میں نہ پہنچنے دیں۔ ایسی حالت میں حق کے علمبرداروں کو خواہ مخواہ غصہ آتا ہے وہ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں، گوشت پوست پٹھے ہڈی کے بنے ہوئے۔ جذبات اُن کے پاس بھی ہوتے ہیں۔ گھونسے کا جواب گھونسے سے دیتے ہیں۔ جہالت کے مقابلے میں کچھ جہالت پر اتر آتے ہیں، لیکن مقابلہ کا یہ طریقہ ضرور آسان ہوتا ہے۔ لوگوں کی توجہ اصل حقانیت سے ہٹ کر جدال کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یا امر صداقت پر غور کرنے کا موقع فوت ہو جاتا ہے۔ در حقیقت یہ شیطانی ابھار ہوتا ہے جو غصہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ جاہلوں کی بیہودگی کا اصل جواب یہ ہے جس سے اُن کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اور اسی بیہودہ عداوت کیش گروہ میں سے کچھ لوگ اسی حربہ کی ضرب کھا کر گہرے دوست بھی بن جاتے ہیں کہ کسی بیہودگی کی طرف توجہ نہ کی جائے جاہلوں کی طرف سے پہنچنے والے ہر دکھ کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیا جائے اور ہر جہالت آفرین غصہ کو لفوک کہ اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ دوسری طرف اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ اپنے عقیدے پر قائم رہتے ہوئے اعمال پر استقامت رکھی جائے بدی کا مقابلہ نیکی سے کیا جائے۔ اپنے فرض کو فراموش نہ کیا جائے۔ دینی دعوت برابر جاری رکھی جائے اس میں کمی نہ آنے دی جائے۔ یہ طریقہ مخالفوں کے حوصلہ کو توڑ دیتا ہے۔ دشمنوں میں سے دوست پیدا ہو جاتے ہیں۔ عداوت والے گہرے یار بن جاتے ہیں۔ اللہ کے علمی کار بندے اللہ کے حکم سے کارسازی کرتے ہیں اور اللہ مدد کرتا ہے آخر مشن میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔

تحلیل اجزاء وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ. ابن کثیر نے لکھا ہے کہ قرآن میں لغو پیدا کرنے سے مراد ہے سیٹیاں اور تالیاں بجانا اور قرآن میں گڑبڑ پیدا کر دینا، ابن عباس کی ایک روایت میں آیا ہے عیب لگانا مراد ہے قتادہ کے نزدیک تکذیب اور انکار مراد ہے۔ شیخ ابن کثیر کی تشریح زیادہ مناسب ہے۔ قشیری نے صراحت کی ہے کہ قرآن سن کر لوگوں کے دل کھنچتے تھے۔ رقیق القلب لطیف الدماغ آدمی تو بہت ہی متاثر ہوتے تھے، اس لیے پورے زنگ خوردہ دل رکھنے والے کافروں نے نوجوانوں کو قرآن سننے ہی سے منع کر دیا اور مشورہ دیا کہ جب رسول اللہ قرآن پڑھا کریں تو اس وقت تم تالیاں اور سیٹیاں بجایا کرو، شور مچایا کرو، شعر گایا کرو۔ ایسا کرنے سے قرآن

کی آواز کسی کے کانوں میں نہیں پہنچے گی اور لوگوں کا میلان اس کی طرف نہ ہوگا۔ اس تدبیر سے تم غالب آ جاؤ گے۔

اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کو اللہ نے حکم دیا تھا ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ الآیۃ۔ علماء نے کہا ہے مسلمان کو چاہئے کہ تلاوت قرآن کے وقت غور و فکر کرے، دل کو نرم رکھے۔ اگر کوئی دوسرا پڑھتا ہو تو خاموشی اور ادب کے ساتھ سنے، کان لگائے رکھے۔ ایسی حرکت نہ کرے کہ پڑھنے والے کے پڑھنے میں کوئی خرابی آئے اور اس کی توجہ بٹے۔

فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ اس آیت میں عذاب کی وعید ہے۔ دنیوی عذاب یا اخروی یا دونوں، اس کی کوئی صراحت نہیں۔ غالباً دونوں قسم کے عذاب مراد ہیں۔ بدترین سزا دینے کا یہ مطلب نہیں کہ جرم سے زائد سزا دی جائے گی بلکہ مراد یہ ہے کہ چونکہ ان کا جرم بدترین ہے، اس لئے عذاب بھی بدترین ہوگا، نہ دنیا میں ان کو غلبہ حاصل ہوگا نہ آخرت میں چین۔ بدر کی جنگ میں وعید پوری ہوئی۔ بڑے بڑے لال کو شمار ہو گئے، کفر کی طاقت ٹوٹ گئی۔ غالب آنے کا خواب پورا نہ ہوگا۔ رہی آخرت تو وہاں کے دشمنوں کو آگ کے عذاب میں رہنا ہی پڑے گا اور دوامی طور پر رہنا پڑے گا

ذٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ بیضاوی کے نزدیک دار الخلد سے دوامی عذاب مراد ہے۔ ابن عادل نے کہا کہ بعض روایات کے مطابق جہنم میں ایک گھر ہے اس کے ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔ اس کا نام دار الخلد ہے۔ کافروں نے جس طرح ہر طرف سے عداوت کی آگ بھڑکائی اسی طرح سزا کی آگ ان کو ہر طرف سے گھیر لے گی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ۔ اس آیت میں کافروں کی اس حسرت کا بیان ہے جو قیامت کے دن ان کو ہوگی۔ بہکانے والے یہاں بہکاتے ہیں۔ شیاطین انس و جن دنیا کی متاع حقیر پر پالش چڑھا کر دیدہ زیب اور جاذب نظر بناتے ہیں اور قیامت کے دن جب دنیا کی کوئی دولت کام نہ آئے گی تکیہ والے پتے ہوا دینے لگیں گے تو دوزخیوں کے دلوں میں جلن پیدا ہوگی۔ ان کا جذبۂ انتقام بھڑکے گا اور اپنے گمراہ کرنے والوں کو وہ قدموں سے روندھنا چاہیں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اس قول کی نسبت کی جاتی ہے کہ آیت میں جن سے مراد ہے ابلیس اور انس سے مراد ہے حضرت آدم کا وہ بیٹا جس نے بھائی کو قتل کیا تھا۔ آیت میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔ روایت میں بھی قوت نہیں، اس لئے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جس نے جس کو گمراہ کیا ہے گمراہ ہونے والا اس کو اپنے قدموں تلے روندھنا چاہے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ۔ اوپر کی آیت بھٹکنے اور گمراہ ہونے والوں کے احوال کی تصویر کشی تھی تاکہ کوئی بھٹکنے نہ پائے۔ اس آیت میں ثابت قدم اہل ایمان کی خوش انجامی کا اظہار ہے تاکہ کمزور ایمان والے بھی استقامت اختیار کریں۔ اختصاراً آیت کی تشریح ہے۔

۱؎ استقامت کیا چیز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضورؐ نے آیت إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا۔ تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا یہ کلمہ بہت لوگوں نے کہا پھر کافر ہو گئے (یعنی کافرانہ اعمال اختیار کئے) پس جس شخص نے مرتے دم تک اس کلمے پر ثبات رکھا وہ مستقیم رہا (رواہ النسائی والترمذی والبوعلی والبزار وابن ابی حاتم وابن جریر وغیرہم)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام میں مجھے ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے فرمایا گواہی دے پھر استقامت رکھ (رواہ احمد والنسائی)

سعید بن عمران سے مروی ہے حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے میں نے آیت إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ الخ پڑھی۔ فرمایا یہ وہ بندے ہیں جنہوں نے شرک نہیں کیا (رواہ ابن ابی حاتم) اسود بن ہلال کا قول ہے حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھ کر (حاضرین سے) فرمایا تم جانتے ہو اس کے کیا معنی ہیں۔ حاضرین نے جواب دیا ہم اس کے معنی وحدانیت کا اقرار اور ترک گناہ پر ثبات خیال کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ اس کی تفسیر ہے غیر اللہ کی طرف التفات

toobaafoundation.com

نہ کرنے پر ثابت قدم رہنا (رواہ ابن ابی حاتم)

ابن شہاب زہری نے کہا حضرت فاروق نے ممبر پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا واللہ یہ لوگ اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور لومڑیوں کی طرح حیلہ بازی نہیں کی۔

حضرت عثمان نے فرمایا اللہ کے لئے خلوص عمل استقامت ہے۔ حضرت علی رضی نے فرمایا ادائے فرائض استقامت ہے (سراج منیر) حضرت ابن عباس نے فرمایا طاعت پر قائم رہنا اور معصیت سے پرہیز رکھنا استقامت ہے۔ عکرمہ کی روایت ہے حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا اللہ کی کتاب میں سب سے صاف اور آسان کون سی آیت ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر ثابت قدم رہے (ابن ابی حاتم) علی بن ابی طلحہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول اس طرح ہے۔ فرائض الٰہی کی ادائیگی پر ثابت قدم رہنے کا نام استقامت ہے قتادہ کا بھی یہی قول ہے مجاہد، سدی اور دوسرے اکابر علماء نے استقامت کے معنی وہی بیان کئے ہیں جو اسود بن ہلال نے مذکورہ بالا روایت میں صدیق اکبر کی طرف منسوب کئے ہیں۔ سفیان ثوری نے کہا قول وعمل کی مطابقت استقامت ہے۔ فضیل بن عیاض نے کہا دنیا کی رغبت نہ ہونا اور آخرت کی تمنا نہ کرنا استقامت ہے۔ ربیع بن انس نے کہا اللہ کے سوا ہر طرف سے منہ موڑ لینا استقامت ہے۔ اسود کی روایت میں حضرت صدیق کا بھی یہی قول ہے۔

۲؎ فرشتے اترتے ہیں بے خطر اور بے غم رہنے کی بشارت دیتے اور جنت کی خوش خبری سناتے ہیں۔ دوسری جگہ آیا ہے لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا الآیۃ۔ حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ مومن کی روح سے ملائکہ کہتے ہیں اے پاکیزہ روح تیرے سبب سے پاکیزہ بدن کی آبادی تھی اب بدن سے نکل کر راحت و ریحان اور رب راضی کی طرف چل (احمد) اب جہاں میں داخل ہو جا (صحیح) مجاہد، عکرمہ اور زید بن اسلم نے کہا ملائکہ کہتے ہیں جہاں جا رہے ہو وہاں کچھ ڈر نہیں اور جس کو چھوڑ رہے ہو اس کا کچھ غم نہ کرو۔ ہم تمہارے دوست ہیں ہر برائی سے بے خوف رہنے اور ہر خوشی کے حاصل ہونے کی تم کو بشارت دیتے ہیں (ابن کثیر)

۳؎ فرشتے کہتے ہیں ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے دوست اور ساتھی ہیں یعنی دنیا میں تمہارے ساتھ رہتے ہیں تم کو سیدھا راستہ بتاتے ہیں پھر آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں تم کو وحشت نہ ہوگی۔ ہم تمہارے مونس رہیں گے۔ نفخہ صور اور حشر نشر کے وقت بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ یہاں تک کہ صراطِ مستقیم سے پار لگا کر جنات نعیم میں تم کو پہنچا دیں گے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ پرانے کافروں نے نوجوانوں کو مشورہ دیا تھا کہ جہاں قرآن سنایا جا رہا ہو تم گڑبڑ کیا کرو تاکہ کوئی سن نہ سکے۔ ایسے اعدائے تبلیغ اور دشمنانِ قرآن کے مقابلے میں کچھ ایسے آدمی بھی تھے جنہوں نے اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے۔ اپنا رخ اللہ کی طرف پھیر لیا ہے۔ خدا نے جو صلاح اعمال اور درستی زندگی کے لئے جو قوانین بتائے ہیں ان پر وہ خود بھی کاربند ہیں اور دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت کے مصداق سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضور کے بعد صحابی ائمہ، اولیاء، تمام صلحاء امت اور علمائے دعوت۔ محمد بن سیرین، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید نے یہی تفسیر کی ہے (ابن کثیر)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول مؤذنوں کے حق میں ہوا۔ ام المومنین حضرت عائشہ کا یہی قول ہے۔ عکرمہ، قیس بن ابی حازم اور مجاہد کی طرف بھی اس تفسیر کی نسبت کی جاتی ہے (خطیب) حضرت ابو امامہ باہلی نے کہا کہ عمل صالح (سے مراد) اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت نماز ہے۔ اذان کی فضیلت بکثرت احادیث میں مصرح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن سب سے دراز گردن مؤذن ہوں گے (صحیح مسلم) امام ضامن ہوتا ہے مؤذن امانت دار ہوتا ہے۔ الٰہی میری امت کے اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنوں کو بخش دے (السنن) حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا قیامت کے دن مؤذنوں کا درجہ نمازیوں کے برابر ہوگا۔ اذان اور اقامت کے درمیان مؤذن کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے راہِ خدا میں لڑ کر خون میں لوٹ کر شہید ہونے والے کی (ابن ابی حاتم) حضرت ابن مسعود رضی نے فرمایا اگر میں مؤذن

toobaafoundation.com

مادی فکر کی بھی ضرورت نہیں، لیکن حقیقت میں یہ قول بداہتہً غلط ہے۔ بنیاد درست نہ ہو تو عمارت کس طرح سیدھی ہوگی۔ اصل اصلاح فکر کی اصلاح ہے جو کہیں خالص نظری حیثیت رکھتی ہے اور کہیں اس کی غرض عمل کی درستی ہوتی ہے اس لئے اہل حق کہتے ہیں کہ بغیر ایمان کے عمل صالح بے کار ہے بلکہ کسی صلاح عمل کو صلاح کہہ بھی نہیں سکتے۔ جب تک مبدء و معاد روحانی اور جسمانی پیامبر اور جزا سزا وغیرہ ہر چیز جزو ایمانی نہ بن جائے اور اللہ کو اپنی ساز حیات نہ سمجھ لیا جائے اور اس کی تمام صفات الوہیت و ربوبیت کو تسلیم نہ کر لیا جائے اسی لئے مرد مومن نے سے مقید کیا ہے۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ بعض مذاہب میں عورتوں اور مردوں کی نیکی اور بدی کی جزا سزا میں بھی فرق مراتب ہے۔ عورتوں کا چھوٹا گناہ بھی بڑی سزا کا موجب ہے اور بڑی نیکی بھی قلیل اجر رکھتی ہے۔ گویا صنفی تفاوت اعمال کی جزا سزا پر بھی اثر انداز ہے، مگر اہل حق اس کو انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ نیکی اور بدی مرد کی ہو یا عورت کی دونوں برابر ہیں۔ سزا جزا میں صنفی اختلاف کا اعتبار نہیں۔ اسی لئے مرد مومن نے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا کے بعد مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى کی تعمیم کر دی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے زمانے میں شاید مصری ضوابط شہریت میں مرد اور عورت کے اعمال کی جزا سزا میں تفاوت ہو گا جس کے خلاف مرد مومن نے پر مغز تلمیح کی اور شریعت موسوی میں مساوات صنفی من حیث العمل کی صراحت کر دی۔ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ بعض احادیث میں ہر نیکی کی جزا گو دس گنا ملنے کی صراحت آئی ہے بلکہ آیت سنبلہ میں تو سات سو اور اس سے بھی چند در چند سزا دینے کا وعدہ فرمایا گیا ہے گویا نیکی کی جزا غیر محدود ہے۔ اللہ کی رحمت پر موقوف ہے جتنا چاہے عنایت فرمائے۔ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ جس نے نیک کام کی (صرف) نیت کی تو اللہ اپنے ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اس کی ایک نیکی لکھو اس کے بعد اگر وہ نیکی کر بھی لے تو دس نیکیاں لکھو اور کسی نے گناہ کی نیت کی تو حکم دیا جاتا ہے کہ ابھی گناہ مت لکھو۔ پھر اگر وہ بُرا عمل کر لیتا ہے تو حکم ہوتا ہے ایک بدی لکھو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نیکی کی جزا (کم سے کم) گیارہ نیکیوں کی برابر ملے گی اور بدی کا عوض صرف بدی کے برابر ہوگا۔

مقصودِ بیان مرد مومن نے اپنے وعظ میں تین باتوں کا لحاظ رکھا۔ ۱۔ مشاہدات عقلی اور براہین کی روشنی میں قانون جزا اور سزا کی تصویر کشی کی مساوات صنفی کا ذیلی طور پر اظہار کیا عمل صحیح کی ضرورت کی صراحت کی دنیا کو متاع حقیر مگر پُر منافع بتایا دنیا اور آخرت کا ربط دکھایا پھر ۲۔ سرکشوں کو خوف دلایا اور ۳۔ فرماں برداروں کو اجر جزیل ملنے کی تصریح کی۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہر وعظ کے لئے ان ہی تینوں ارکان کا ہونا ضروری ہے۔ پھر یا قوم کا لفظ بتا رہا ہے کہ واعظ کا لہجہ ترحمانہ ہو اور مفاد ذاتی سے بلند۔

مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى سے جزا میں صنفی برابری کا اظہار مقصود ہے۔

وَهُوَ مُؤْمِنٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عمل صالح بغیر ایمان کے مقبول نہیں ہو سکتا ہے کہ ایسے اعمال کی جزا دنیا میں دے دی جائے یا آخرت میں کسی قدر عذاب میں کمی ہو جائے لیکن نجات نہیں ہو سکتی۔ مُؤْمِنٌ کے لفظ کا اطلاق بتا رہا ہے کہ جن امور کو شرعاً ماننا ضروری ہے ان سب پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ یعنی اللہ ملائکہ، انبیاء، کتب الہیہ، قیامت اور خیر و شر وغیرہ۔

وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ

اور اے میرے بھائیو یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم کو (طریق) نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھ کو اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا تعالیٰ

وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّمَا

کے ساتھ کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا ساجھی بناؤں جس کے ساجھی ہونے کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدائے زبردست خطا بخش کی طرف بلاتا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ

toobaafoundation.com

تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ

تم جس چیز (کی عبادت) کی طرف مجھ کو بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں اور یقینی بات ہے کہ ہم سب کو خدا کے پاس جانا ہے اور جو لوگ

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

دائرۂ (عبودیت) سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہونگے سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کروگے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگراں

بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ

ہے پھر خدا تعالیٰ نے اُسی (مومن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہو گیا

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ

جس کا آگے بیان ہے کہ وہ لوگ (برزخ میں) صبح اور شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعون والوں کو (مع فرعون کے) نہایت سخت آگ میں داخل کرو

تفسیر اس حق و باطل کی دنیا میں دو قسم کے خیالات اور افکار رکھنے والے آدمی ہیں۔ خدا پرست اور خدائی پرست یا یوں کہو کہ اللہ کے پرستار اور مخلوق کے پرستار، لیکن کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ کون دانشمند اور صداقت اندیش ہے اور کون سبک عقل اور جہالت کوش۔ اس کا فیصلہ تو یوں بہت دشوار ہے۔ ہر نظریہ کا حامل اپنے فہم کو رسا اپنی فکر کو صحیح اور اپنے عمل کو درست سمجھتا ہے، لیکن تمام مدعیانِ حق کا اتفاق اگر ہو سکتا ہے اور سب کو اگر تسلیم ہو سکتا ہے تو یہ مسلمہ ضابطہ کہ قابلِ پرستش اسی معبود کی ذات ہو سکتی ہے جو ہمہ گیر طاقت تسخیر کن غلبہ اور بے روک ٹوک حکمرانی کا مالک ہو۔ اگر اس کی نافرمانی کی جائے تو اس کی طاقت، عزت، غلبہ اور گرفت سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہے۔ وہ اس قدر طاقتور ہو کہ ہر باغی طاغی کو سزا دے سکے اور ایسا مہربان ہو سکے کہ اگر چاہے تو ہر سزا کو معاف بھی کر دے۔ اب محلِ غور یہ امر ہے کہ سوا ایک ذاتِ الوہیت کے کسی دوسری ہستی میں ان اوصاف کا تحقق بھی ہے یا نہیں۔ جہاں تک تجربہ کی رسائی اور عقل کی پہنائی کا دخل ہے ایک ہستی کے علاوہ کوئی دوسری ہستی ہمارے دائرۂ معلومات میں ایسی نہیں کہ ہم اس کو عزیز غفار یا ہمہ گیر طاقت در غالب کل اور مہربان با اقتدار خود اختیار رکھ سکیں اور ضرورت کے وقت ہم اس کو پکاریں تو وہ ہماری کارسازی کر سکے جس کی سزا جزا کا قانون اس دنیا میں بھی جاری ہے اور آئندہ زندگی میں بھی۔ جس کے پنجۂ اقتدار میں رہ کر یہاں بھی ہم مہربانی کے صحیح اُمیدوار ہوں اور آخرت میں بھی ہمارا واسطہ اُسی سے پڑے اور اسی کے پاس ہماری زندگی کی بازگشت ہو۔ جب اللہ کے سوا کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں تو صفاتِ الوہیت میں دوسرے کو اس کا ساجھی قرار دینا اور آئینِ سازِ حیات مالکِ نفع و ضرر اور قادرِ خیر و شر ماننا حدود صداقت و حقانیت سے آگے قدم بڑھانا ہے۔ جس کا نتیجہ انسان اور انسانیت کی نجات نہیں ہلاکت ہے، لیکن اس زندگی میں موجودہ حالات میں کون غور کرتا ہے۔ جب احوال میں انقلاب آئے گا اور کیفیاتِ حیات کا ورق اُلٹے گا اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔

تحلیلِ اجزاء وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ۔ مردِ مومن نے قومِ فرعون کو خود پردے کی آڑ میں رہ کر نصیحت کی تھی اور طرزِ کلام ایسا اختیار کیا تھا کہ قوم والوں کو اس کا مومن ہو جانا اور فدائیانِ موسیٰ میں شامل ہونا محسوس نہ ہو سکے تاکہ اُن کو یک دم نفرت نہ پیدا نہ ہو جائے اور نصیحت مؤثر ثابت ہو، لیکن جب یہاں تک نوبت پہنچی کہ فرعون اور فرعونی حضرت موسیٰ کی جان لینے کے درپے ہو گئے تو اس وقت مردِ مومن نے واضح غیر مبہم طرزِ خطاب اختیار کیا کہ میں تم کو بچانا چاہتا ہوں تم مجھے جلانا چاہتے ہو۔ تم مجھے اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں ایسی چیزوں کو شریک بنانے کی دعوت دیتے ہو جن کی میری نظر میں کوئی حقیقت نہیں یعنی کسی کو میں نے اللہ کا ساجھی نہ دیکھا نہ دیکھنے والے نے بیان کیا نہ کسی عقلی

toobaafoundation.com

مشاہدہ نے اس کی شہادت دی اس صورت میں عقیدہ شرک تو محض جہالت پر مبنی ہوا علم سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور میں تم کو اس اللہ کی الوہیت و وحدانیت کی طرف بلا رہا ہوں جو عزیز بھی ہے اور غفار بھی یعنی اس کی عزت کبریائی ہمہ گیر طاقت ہمہ کل حکمت ادعوی بلانت و رحمت بے نہایت ہے پھر جو توبہ کرنے والے کے قصور بھی معاف کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ ایسے اللہ کی الوہیت کو ماننا بہرحال موجب کامرانی ہے۔ مقصد یہ کہ فرعون اور فرعونیوں کے مقرر کردہ سارے معبود بے بس ہیں، عاجز ہیں، ان میں طاقت نہیں، علم نہیں، رحمت نہیں، کارسازی کی قوت نہیں، کسی کے گناہ معاف کر دینے اور سزا سے بچا لینے کا یارا نہیں اور اللہ بہرحال اللہ ہے، عزیز ہے، غفار ہے، اس لئے تمہاری دعوت کا مان لینے کا نتیجہ سوا تباہی ہلاکت اور آگ کے کچھ نہیں اور میری دعوت کے ماننے کا ثمرہ کامرانی اور کامیابی ہے۔

مرد مومن نے یہ بھی کہا کہ جن کی طرف آنے کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو وہ کسی طرح پکارے جانے کے قابل نہیں یعنی ان میں نفع پہنچانے اور ضرر سے بچا لینے کی طاقت نہیں ہے اور نہ وہ تمہاری پکار سنتے ہیں۔ اسی مفہوم کو اللہ نے دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ۔

تکمیل برہان کیلئے مرد مومن نے یہ بھی کہا کہ ہم سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے یعنی دنیا میں اللہ کے سوا کسی کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت نہیں اور آخرت میں تو بہرحال اسی سے واسطہ پڑے گا۔ یہ ظاہری فریب نظر بھی وہاں نہ ہوگا۔ جو لوگ حدود عقل و فطرت اور دائرہ علم و نظر سے آگے بڑھ کر قدم رکھیں اور جہالت کے میدان میں اندھا دھند دوڑیں اور معبود و الٰہ بھی دو تین کو قرار دیں یا اللہ کے علاوہ کسی کو ما تعین حاجات سمجھیں یا صفت الوہیت کو مخلوق میں موجود خیال کریں یا خالق کو گرا کر مخلوق کے برابر اور مخلوق کو بڑھا کر خالق کے برابر جا کھڑا کر دیں تو ایسے مسرفون اور حد انصاف سے تجاوز کرنے والوں کی سزا دوزخ ہے بلکہ وہی دوزخی ہیں۔

یہاں تک مرد مومن کا خطاب خالص برہانی تھا، لیکن جاہلوں کا قاعدہ ہے کہ دلائل سے عاجز آکر جب لاجواب ہوتے ہیں تو تخویف و تہدید پر اتر آتے ہیں۔ مرد مومن کی اس برہانی صاف گوئی سے عاجز آکر جاہلوں نے اس حق پرست کو ڈرایا دھمکایا اور اس کو ہلاک کرنے کے لئے مکاری کے جال بچھائے، مگر اس مجاہد کے پائے استقلال میں لرزہ نہ آیا، عزم میں لغزش نہ پیدا ہوئی بلکہ کھرج کر بولا کہ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ بندوں کا نگراں ہے اس کے مشاہدہ اور معائنہ سے بندے پوشیدہ نہیں۔ یعنی مجھے تمہاری دھمکیوں کی پرواہ نہیں۔ تم اپنی طاقت سطوت حکومت فوج اور جتھوں کی کثرت سے ڈراتے ہو ان کی میری نظر میں کوئی حقیقت نہیں۔ کارساز اللہ ہے اس کو اپنے بندوں کا ایسا ہی علم ہے جیسا آنکھوں سے دیکھنے والے کو ہوتا ہے پھر مجھے کیا پرواہ وہ جو کچھ چاہے گا کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے کافروں کی تمام مکاریوں سے اس مشاہد الایمان کو بچا لیا اور فرعون والوں کو بدترین سزا دی اور نہ فقط یہ کہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر سب کے سب پانی میں ڈوب مرے بلکہ مرنے کے بعد بھی صبح شام آگ کے روبرو ان کی پیشی ہوتی رہتی ہے اور قیامت کے دن تو سخت ترین عذاب میں داخل کرنے کا ان کے متعلق حکم ہو گا ہی۔

ایک ضروری توضیح آیت سے صراحتاً ثابت ہے کہ قیامت تک آلِ فرعون کو آگ کے سامنے لایا جاتا رہے گا۔ یعنی یہ برزخی عذاب ان پر قیامت تک مسلط رہے گا۔ اس کی تائید حدیث معراج سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن کثیر نے بروایت ابو ہارون العبدی عن ابی سعید الخدری بیان کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آلِ فرعون کو ہر روز اول و آخر وقت آگ کے سامنے لایا جاتا ہے (اس طرح بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ ہر روز اول آخر وقت آلِ فرعون کی پیشی آگ پر ہوتی ہے۔ مترجم) اور بالفعل ان کی شکل موٹے تازے اونٹ کی طرح ہے اور وہ پتھروں اور درختوں کو نگلتے ہیں اور کچھ سمجھتے نہیں۔ خطیب نے سراج منیر میں اور بغوی نے معالم میں لکھا ہے کہ آگ پر یہ برزخی پیشی آلِ فرعون ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر کافر کا برزخی حال یہی ہو تا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ ہر کافر کی روح کو صبح شام جہنم پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس تعمیم کی تائید صحاح کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور والا نے فرمایا تھا کہ جب کوئی مرتا ہے اور وہ مومن ہوتا ہے تو جنت کا معائنہ اور خوشبو پاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے یہی تیرا مقام ہے اور کافر ہے تو اس کی پیشی جہنم پر ہوتی ہے اور حکم

toobaafoundation.com

ہوتا تو مجھے کچھ پرواہ نہ ہوتی کہ میں نے حج عمرہ اور جہاد (نفل) نہیں کیا۔ فاروق اعظم نے فرمایا اگر میں مؤذن ہوتا تو میرا کام پورا ہو جاتا پھر مجھ کو پرواہ نہ ہوتی کہ تہجد کے واسطے اٹھوں یا دن کے روزے رکھوں۔ میں نے خود سنا حضورؐ فرما رہے تھے الٰہی مؤذن کو بخش دے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور ہم کو ایسی حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ ہم اذان (دینے) کے لئے تلواروں سے (لڑنے کی) جرأت کریں گے۔ فرمایا عمر ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اذان دینے کی خدمت لوگ اپنے ضعیف لوگوں پر چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ مؤذن کے گوشت کو اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک کا قول ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی (ابوداؤد، ترمذی نسائی) ان تمام احادیث اور آثار سے اذان کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے، لیکن آیت میں مؤذن مراد ہیں۔ اس کی صراحت صحابہ میں صرف ام المومنین کی منسوب ہے، مگر شاید اس نسبت میں ضعف ہے۔ کیونکہ آیت مبارکہ مکی ہے اور اذان کا آغاز مدینہ میں اس وقت ہوا جب حضرت عبداللہؓ بن زید انصاری نے خواب دیکھا تھا، اس لئے صحیح یہی ہے کہ آیت کا حکم عام مؤذن بھی اسی میں داخل ہے۔

حسن بصری نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا تھا یہی حبیب اللہ ہے یہی ولی اللہ ہے یہی صفی اللہ ہے یہی زمین والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اللہ کی دعوت قبول کی۔ قول کے موافق عمل بھی کئے اور لوگوں کو بھی دعوت دی اور کہا میں فرماں بردار ہوں۔ یہی بندہ خلیفۃ اللہ ہے۔ (رواہ عبدالرزاق)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اور صدیق اکبرؓ نے صدق دل سے لبیک کہا پھر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت دی اور اکابر صحابہ (عثمان طلحہ وغیرہما) نے لبیک کہی۔ اسی طرح تمام صحابہ اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ پھر آنے والے لوگوں کو نیابت حاصل ہوئی۔ سچ ہے دعوت مؤذنین اور تمام اصحاب خیر کی دعوت کے ترتیب وار مدارج ہیں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ۔ نیکی اور بدی نتیجہ کے اعتبار سے برابر نہیں۔ کافروں کی وہ بدی کہ خود بھی بدکار ہیں اور اگر ان کو کوئی سمجھائے تو اس کو بھی روکتے ہیں۔ سچی بات نہ خود سنتے ہیں نہ دوسروں کو سننے دیتے ہیں اور حق پرست گروہ کی یہ نیکی کہ اللہ نے جب اُن کو صراطِ مستقیم کی طرف بلایا تو خود بھی آ گئے اور دوسروں کو بھی تباہ ہوتے نہ دیکھا گیا تو ان کو بھی سمجھانے میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ ان دونوں کا نتیجہ اور مآل مرتبہ ایک ہی طرح نہیں ہو سکتا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔ دشمن کی ایذا رسانی طعن تشنیع تحقیر اور استہزاء بہت سے علمبرداران صداقت کے لئے بھی حوصلہ شکن ہوتی ہے۔ اہل حق بھی آخر انسانی حدود کے اندر ہی ہوتے ہیں۔ بشری خدمات سے وہ پاک نہیں ہوتے۔ بدی کا مقابلہ بدی سے کرنے پر وہ کبھی آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن تبلیغ و دعوت کی جڑ تحمل ہے۔ قوتِ برداشت کی کمزوری اچھا نتیجہ نہیں پیدا ہونے دیتی، اس لئے آیت میں اللہ نے ایک عام سماجی معاشرتی اخلاقی تعلیم دی ہے کہ بدی کا مقابلہ بدی سے نہ کرنا چاہیئے۔ مقابل کی طرف سے نازل کی ہوئی ہر مصیبت کو کشادہ پیشانی سے انگیز کرنا اور بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا ضروری ہے۔ اس تدبیر سے دشمن بھی گہرا دوست بن جائے گا۔ حضورؐ کا خلقِ کریم تو بہر حال اس تعلیم سے پہلے بھی ایسا ہی تھا۔ اس لئے خصوصی خطاب نہیں بلکہ عام معاشرتی ضابطہ کو بیان کرنا مقصود ہے۔ تمام خانگی سماجی معاملات کی درستی اس ضابطہ پر عمل کر کے ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ قانون صرف مدنی اور سماجی ہے۔ جنگی نہیں۔ جنگ میں حدود انصاف کے اندر رہ کر غلظت اور شدت کو استعمال کرنا جائز ہے۔

مقاتل کا قول ہے کہ آیت کا نزول ابوسفیان کے حق میں ہوا۔ حالتِ کفر میں ابوسفیان حضورؐ کے سخت دشمن تھے اور ان گنے ہوئے دشمنوں میں سے تھے جن کو حضور کی تبلیغ ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ باوجودیکہ معاویہ اور (ام المومنین) ام حبیبہ دونوں مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، لیکن باپ کی اسلام دشمنی انتہائی ترقی پر تھی، مگر حضور والا ان کے ساتھ نرمی کا ہی برتاؤ کرتے تھے۔ آخر ابوسفیان مسلمان ہو ہی گئے۔ شروع میں ضعیف الایمان تھے۔ آخر میں ایمان پختہ ہو گیا۔ مقاتل کی یہ روایت معلوم نہیں اسناداً کیسی ہے، لیکن درآیۃً کمزور ہے۔ ابوسفیان تو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور حضور کے اخلاق کو دیکھ کر نہیں بلکہ عام اقتدار اور غلبہ کو دیکھ کر حلقہ بگوش بنے تھے۔ آیت مکی ہے کی زندگی کے دوران میں ابوسفیان حضور والا کے کب دوست تھے کہ ان کو ولی حمیم کہا جا سکے۔ حقیقت میں یہ ایک عمومی تعلیم ہے۔ جس کی نظیر دنیا کے کسی سماج

toobaafoundation.com

میں نہیں مل سکتی ۔ اہنسا اور عدم تشدد کا فلسفہ بھی اس سے کئی درجہ نیچا ہے ۔ سچ ہے کہ دشمن کو دوست بنانے کے لئے اس سے زیادہ مفید نسخہ ممکن ہی نہیں
وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۔ یعنی بدسلوکی برداشت کرنا اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا صرف اہلِ صبر ہی کا حصہ ہے
مطلب یہ کہ اس صفت کے حامل صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے نفس کو دبا کر مضمحل کر دیتے ہیں ، غصہ پی جاتے ہیں ۔ ناگوار باتیں بھی انگیز کر لیتے ہیں ۔
اور اپنی ذات کا انتقام نہیں لیتے ۔ حضرت انسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کوئی ناگوار بات کہہ دیتا ہے وہ جواب میں کہہ دیتا ہے
اگر تو نے سچ کہا (اور میں ایسا ہی ہوں جیسا تو نے کہا) تو اللہ مجھے بخش دے اور اگر تو نے جھوٹ کہا تو اللہ تجھے معاف فرمائے ۔

ابن کثیر کے نزدیک حظ عظیم سے مراد ہے بڑا ثواب ۔ قتادہ کے نزدیک جنت مراد ہے ۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ اس کی پوجا کی جائے گی ، لیکن وہ تمہارے درمیان تحریش کرے گا یعنی ایک کو دوسرے پر بھڑکائے گا اور فساد ڈلوائے گا

آیت میں شیطان کا لفظ عام جن ہو یا آدمی مراد یہ ہے کہ باقتضاء بشریت اگر کوئی شیطان تم کو ابھار دے اور غصہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگو غصہ کو پی جاؤ ۔ حقیقت میں ابلیس کے علاوہ انسانی شیطانوں کی طرح کاریاں اور فتنہ پردازیاں بھی بہت سخت ہوتی ہیں ۔ آدمی کی شرارت آفرینی بھی کبھی آدمی کو دشمن تو دشمن اپنے بھائی کے خلاف غضب ناک کر ہی دیتی ہے اس لئے اللہ سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ابن کثیر کے نزدیک آیت میں جنی شیطان مراد ہے ۔ شیخ نے لکھا ہے کہ انسانی شیطان تو اکثر احسان سے دب جاتا ہے ۔ اور دوست بن جاتا ہے ، لیکن ابلیس اور اس کی ذریت کو رام کرنے کا یہ طریقہ نہیں وہ اس طرح سے رام نہیں ہوتے تو علاوہ خوش خلقی اختیار کرنے کے اس کے وسوسے سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے بشاید شیخ نے یہ خیال فرما لیا کہ خوش خلقی اختیار کرنے سے شیطان کو رام کرنا مقصود ہے اور چونکہ شیطان اس طریقہ سے مطیع نہیں ہو سکتا ، اس لئے استعاذہ کی ضرورت ہے ، مگر شیخ کا یہ خیال غلط ہے ۔ آیت مندرجہ بالا کا یہ مفہوم ہی نہیں ہے ۔ بدی کو نیکی کر کے دفع کرنے سے بدی کرنے والا نرم پڑ جاتا ہے اور دوست بن جاتا ہے ۔ آیت کا یہی مفہوم ہے ۔ رہا بہکانے والا خواہ وہ کوئی آدمی ہو یا جن اس کا رام کرنا مقصود نہیں نہ اس طریقہ سے وہ خوش ہوتا ہے بلکہ اپنی فتنہ پردازیوں اور وسوسہ آفرینیوں کو ناکامیاب دیکھ کر تو اس کا غصہ اور تیز ہو جاتا ہے ۔ واللہ اعلم

شیطان کا وسوسہ تین طرح کا ہوتا ہے (۱) دل میں رعونت پیدا کر کے مغرور بنا دینا (۲) خواہشات اور شہوانیات کی طرف مائل کرنا ۔ (۳) غضب ناک بنا دینا ۔ اول کو نفث کہتے ہیں دوسرے کو نفخ اور تیسرے کو ہمز ۔ اسی لئے حضور والا جب نماز کو کھڑے ہوتے تو دعا کرتے
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ (رواہ ابن کثیر فی تفسیرہ)

خطیب نے سلیمان بن صرد کی ایک روایت نقل کی ہے کہ دو آدمیوں میں ایک بار کچھ گالی گلوچ بڑھی ۔ ایک بہت مشتعل ہو گیا منہ میں جھاگ بھر آئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت ملاحظہ کی تو فرمایا مجھے ایک بات معلوم ہے اگر یہ شخص وہ الفاظ کہہ دے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے گی یعنی
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی (صحیحین)

مقصودِ بیان

لَا تَسْمَعُوْا الخ سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں ۔ ۱ اہلِ باطل کے پاس حق کو توڑنے والی جب کوئی دلیل باقی نہیں رہتی اور ان کو اپنی مغلوبیت نظر آتی ہے تو وہ لوگوں کو حق سے روکنے کے لئے حیالانہ تدبیریں کرتے ہیں اور یہ صورت کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حق کی آواز سن ہی نہ سکے ، لیکن ان کی ہر کوشش بے سود ہوتی ہے اور حق حق بن کر نمایاں ہو تا ہی ہے ۔
۲ مسلمانوں کو چاہیئے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت خاموش رہیں ۔ ادب سے سنیں گڑبڑ نہ کریں ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا میں قابل ستائش مومنوں اوصاف کے مجموعہ کو قرار دیا ۔ ایمان اور استقامت یعنی عقیدہ کی درستی اور اعمال کی صلاح ۔ لفظ استقاموا سے اس طرف بھی ایماء ہے کہ فقط زبان سے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور شرائع الٰہیہ کے مطابق اعمال کی درستی نہ کرنا شرعاً قابلِ اعتماد نہیں ۔ اقرار توحید کے ساتھ استقامت لازم ہے یعنی اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف ایسا جھکاؤ کہ اللہ کی ناراضگی کے باوجود اس کی رضامندی کو حاصل زندگی قرار دے لیا جائے شانِ مومن نہیں

toobaafoundation.com

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دعوتِ ایمانی اور تبلیغ اعمال صالحہ اللہ کی نظر میں بہت پسندیدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جہاں دوسروں کو دعوت دی جائے وہاں اپنے اعمال کو بھی صالح بنایا۔ شرط کے بغیر شروط اور قیود کے بغیر مقید قابلِ مدح نہیں۔ مبلغ کی تبلیغ اور واعظ کا وعظ اسی وقت مستحق ستائش ہے جب مبلغ اور واعظ کے بھی اعمال درست ہوں۔ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ مسلمان صالح الاعمال ہوتا ہے یعنی تبلیغ نہ کرنی یا اپنے اعمالوں کو درست نہ کرنا مسلم کی شان نہیں۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ الخ میں ایک تسخیر کن سماجی فلسفہ کا بیان ہے جو معاشرہ کی تنظیم اور دشمن کو دوست بنانے کے لئے اکسیر ہے۔ اس ضابطہ کی تعلیم دے کر جہاں حصول برتری کی ہوس اور مادی رعونت اور سماج میں بیہودہ تغلب کی خواہش کی بیخ کنی ہے۔ وہاں عقل و روح کے ایک بہترین جوہر کو بھی نمایاں کیا ہے اور در پردہ تلقین کی ہے کہ مرد مومن کو جذبات کا شکار ہو کر دانشمندی کو مغلوب نہ کر دینا چاہئیے۔ اس سے سبق حاصل کرنا چاہئیے اس جاہل مولوی کو جو کوس لمن الملکی بجا کر دوسروں کو جاہل کہتا ہے اور جب کوئی اس کے مقابلے پر آ جائے تو قاتل بن کر غالب آنا چاہتا ہے۔ منہ میں جھاگ بھر لاتا ہے اور حُسنِ دفاع کی بجائے لڑائی کے لئے تیار رہا جاتا ہے اور اس طرح ترغیب اسلام کی بجائے لوگوں کو اسلام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس سے عبرت پکڑنی چاہئیے ان مبلغوں اور مناظرہ کرنے والے مسلمانوں کو بھی جو دنیا میں اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہئیے کہ جب تک خُلقِ مجسم نہیں بنیں گے دشمنوں کو دوست نہیں بنا سکتے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا سے دشمنوں کی طعن و تشنیع، توہین اور استہزاء پر صبر کرنے اور حاسی ذات کا انتقام نہ لینے کی اعلیٰ تلقین ہے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ سے مترشح ہو رہا ہے کہ شیطان جن ہو یا آدمی بہکانے اور اُبھار دینے سے باز نہیں رہتا۔ کسی کو ابھار دینا اور بداخلاقی پر آمادہ کرنا شیطانی فعل ہے۔ آدمی کو خود بھی اس سے باز رہنا چاہئیے اور کوئی دوسرا بھڑکائے اور دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ کا خواستگار رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے پناہ مانگنی نفسانی غصہ کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ

اور منجملہ اس کی (قدرت و توحید کی) نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے (پس) تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور صرف خدا

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا

کو سجدہ کرو جس نے اُن (سب) نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں۔

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔـمُوْنَ ۝ السجدۃ وَمِنْ

تو جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی پاکی کرتے ہیں اور وہ (اس سے ذرا) نہیں اکتاتے اور منجملہ اس کی قدرت و

اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ

توحید کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور

اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ

پھولتی ہے (اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی

toobaafoundation.com

فِىٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِىٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ

کرتے ہیں وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں سو بھلا جو شخص نار میں ڈالا جاوے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن و امان کے ساتھ جنت میں

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا

آئے جو جی چاہے کرلو وہ تمہارا سب کیا ہوا دیکھ رہا ہے جو لوگ اس قرآن کا جبکہ وہ اُن کے پاس پہنچتا ہے انکار کرتے ہیں

جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

(ان میں خود) اور یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے

خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ

پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ کو وہی باتیں (تکذیب و ایذا کی) کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو

قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝

کہی گئی ہیں آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک سزا دینے والا ہے۔

تفسیر

رات کی تاریکی کے بعد دن آتا ہے یا دن کے بعد رات آتی ہے۔ زوال ظلمت کا نام نور ہے یا روشنی نہ ہونے کا نام تاریکی یا نور و ظلمت دونوں اپنی جگہ وجودی حیثیت رکھتے ہیں۔ کچھ بھی کہو تبادل یقینی ہے۔ رات کو چاندنی اور دن کو سورج کی روشنی ہوتی ہے۔ اوپر سے بارش ہوتی ہے۔ مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ پھولتی ہے ابھرتی ہے سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ ایسا سب کچھ کیوں ہوتا ہے کون کرتا ہے۔ کوتاہ نظر والا آدمی کہتا ہے چاند سے چاندنی اور سورج سے روشنی ہوتی ہے۔ سردی گرمی پھلوں کی پیدائش اور پختگی، حیوانوں کے جسمانی اور دماغی تغیرات غرض کائنات میں تمام تبدیلیوں کا مدار انہی پر ہے۔ یہی رازق ہیں، دیوتا ہیں، کارساز ہیں، انہی کے قبضہ میں ہماری زندگیوں کے تغیرات ہیں۔ کیا پانی سے کھیتی اور درختوں میں سبزی نہیں آتی کیا اس کے بغیر بھی شادابی ہو سکتی ہے۔ کیا سورج او چاند کے بغیر عالم میں روشنی ہو سکتی ہے یا سبزہ اور پودا پیدا ہو سکتا ہے یا پھل پک سکتے ہیں یا حیوان کی نسوں میں خون دوڑ سکتا ہے یا تصورات کی لہریں دماغ میں اٹھ سکتی ہیں۔ جب انہی پر مدار ہے تو یہی دیوتا ہیں۔ معبود ہیں، مسجود ہیں، الٰہ ہیں، محتاجوں کی پناہ ہیں، اس اندھے دماغ والے کی بصیرت اندھی ہے۔ اس کو نہیں دکھتا کہ رات دن کا چکر تو غیر اختیاری ہے۔ چاند سورج کی ضیا رپاشیاں اور نور ریزیاں تو اضطراری ہیں۔ ان تاثیرات میں خود ان کو کچھ دخل نہیں۔ یہ خود بے بس ہیں، مجبور ہیں، پانی کا اثر زمین کو زندہ نہیں کرتا۔ خالق اور فاعل حقیقی تو کوئی دوسرا ہے جس نے چاند اور سورج کو روشن کیا۔ رات اور دن کا چکر مقرر کیا، پانی برسایا، پانی میں سبزہ پیدا کرنے کی طاقت پیدا کی۔ ایسا قادر مطلق ہے، الٰہ برحق ہے۔ آیات فطرت کا خاطر سے رُخ موڑنا، نشانات قدرت کو قادر سمجھ لینا اور مجبور کو مختار جاننا نادانی ہے، کج فہمی ہے۔ قادر مطلق خدا ہی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے جو رات کو دن کی روشنی سے اور مردہ زمین کو پانی سے زندہ کرتا ہے۔ وہی قیامت کے دن مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔

toobaafoundation.com

تحلیلِ اجزاء

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ ذاتِ الٰہی کا تصور نا ممکن ہے۔ صفات میں براہِ راست غور نہیں کیا جاسکتا۔ شیطانی وسوسے اور اغواء سے نجات پانے کا واحد ذریعہ فکر آیات ہے۔ فہم انعامات ہے۔ سب سے نمایاں رات دن کا چکر ہے۔ ایک تاریک دوسرا روشن۔ ایک آرام دہ سکون بخش دوسرا معاش آفرین۔ یہ چکر کیا خود بخود ہے۔ کیا نیچرل دوران ذی شعور اور صاحب ارادہ ہے۔ ایسا تو نہیں ہے پھر ایسا کیوں ہے۔ ایک قادرِ مطلق خالق۔ صاحب ارادہ مختار حکیم اور ہمہ گیر حکمران کے زیر تصرف سب کچھ ہو رہا ہے۔ تاریکی اور روشنی اسی نے بنائی ہے۔ وہی اس کا تبادل کر رہا ہے۔ خیر و شر کو اسی نے پسند کیا۔ اُسی کے اندر ان کی گردش ہے۔ زندگی اور موت پر اسی کا قبضہ ہے۔ تو ہی عدم کے بعد وجود لایا۔ وہی وجود کو معدوم کر کے دوبارہ پھر معدوم کو وجود کا لباس پہنائے گا۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ چاند سورج اور ان کا دورہ بھی قدرت کی نشانی ہے۔ سورج اور چاند کس نے بنائے کس نے ان کو روشن کیا۔ علاوہ ازیں خود کیا ہے، اُس کا کیا خمیر ہے۔ کیا مادہ سورج کی روشنی میں حدت و شدت کیوں ہے۔ چاند کی چاندنی سے خنکی اور رطوبت کیوں ٹپکتی ہے۔ ہر ایک کے منازل مقرر کیوں ہیں، جدا جدا کیفیت کیوں ہے۔ اس نظام میں یہ لطیف حکمت اور دقیق صنعت کس کی ممنونِ کرم ہے۔ کیا اس کے نظام نظر میں مساوات ہو گئی۔ بہت احمق اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، غفلت میں پڑے ہیں۔ کچھ اندھوں کو ان کے اندر غیبی ہاتھ کار فرما نہیں دکھتا وہ انہی کو حقیقی مؤثر سمجھتے ہیں۔ معبود قرار دیتے ہیں، مسجود جانتے ہیں اے روشن عقل رکھنے والو۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم خدا کو مانتے اس کی عبادت کرتے اور اپنی ہستیوں کو اس کی قید عبدیت میں جکڑا ہوا پاتے ہو تو شرک نہ کرو۔ سورج چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ جس نے ان کو بنایا ہے اس کو سجدہ کرو۔

تنبیہ هُنَّ جمع کی ضمیر ہے۔ چاند سورج دو ہیں ان کی طرف جمع کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یا تثنیہ کو حکم جمع میں قرار دیا جائے گا یا رات دن اور چاند سورج کے مجموعہ کی طرف ضمیر لوٹائی جائے گی یا یہ کہا جائے گا کہ چاند کا خصوصی ذکر تو اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس عالم میں ان کے زیر اثر نمایاں ہیں۔ ان کے ذیل میں کل ستارے اور سیارے داخل ہیں مگر اُن کی تاثیریں معین نہیں اور ابھی تک یقینی انکشاف نہیں ہوا، اس لئے ان کو معنی مذکور سمجھا جائے گا اور ضمیر سب کی طرف راجع ہو جائے گی۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ انسان چاند سورج اور دن رات کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اللہ نے اس کو حیوانی جسم عطا فرمایا ہے جس کے ہر رُو نگٹے پر یہ گردشیں اثر ڈال رہی ہیں۔ اس کے باوجود وہ غرور کرتا ہے۔ فطرت کی قیود میں بندھا ہوا انسان فاطر سے سرکشی کرتا ہے۔ لیکن کچھ مخلوق ایسی بھی ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کے مرتبے اونچے ہیں۔ اُن کے منازل قرب حاصل ہیں اللہ نے ان کو خصوصی شرف و اعزاز عنایت کیا ہے۔ وہ شبانہ روز اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے نہیں تھکتے۔ اُن کی یہ عزت اور اس قدر عبدیت کا کُل اظہار اور انسان اتنا بے بس اور اس کے غرور کی یہ کیفیت۔ امام رازی اور خطیب نے لکھا ہے اس سے مراد ملائکہ کا ایک خاص گروہ ہے جو مقرب بارگاہ ہے اور شبانہ روز اس کا کام ہی تسبیح و تقدیس ہے۔ وہ فرشتے جو مدبرات امر کہلاتے ہیں اور دنیا کے بعض انتظامات ان سے متعلق ہیں مثلاً بدر میں پانچ ہزار ملائکہ مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے گئے یا احزاب میں حضرت جبرئیل نے تعاقب کیا تھا۔ ایسے ملائکہ چونکہ دوسری خدمات پر مامور ہیں، اس لئے آیت میں ان کا ذکر نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان بزرگوں نے شاید غور نہیں فرمایا اور تسبیح و تقدیس سے مراد صرف زبانی تسبیح و تقدیس لی ورنہ اس تخصیص کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل میں سرگرم ہونا اور سرکشی نہ کرنا عین تسبیح ہے لَا یَعْصُوْنَ مَاۤ اَمَرَهُمْ۔ البتہ تسبیح کی صورتیں مختلف ہیں۔ کچھ ملائکہ سجدے سے سر نہیں اٹھاتے۔ کچھ رکوع میں کچھ تحلیل و تمجید میں رطب اللسان کچھ ہوا پر مسلط کچھ بارش کی خدمت پر متعین اور کچھ دوسرے نظام کائنات کے کارندے مگر ہے ان میں سے ہر ایک تسبیح میں مشغول۔ دن رات مفوضہ خدمات کی سرانجام دہی میں مشغول ہے پھر بھی نہیں تھکتا

toobaafoundation.com

تنبیہ اس آیت میں سجدہ ہے۔ مفسر سراج نے لکھا ہے کہ مقام سجدہ میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود اور امام حسن بصری اَیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ پر سجدہ کے قائل ہیں۔ رافعی نے امام اعظم اور امام احمد کا بھی یہی قول نقل کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے لفظ اسجدو سے یعنی سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اس لئے فوری تعمیل ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو، سعید بن مسیب، قتادہ اور بعض دوسرے علماء لَا یَسْئَمُوْنَ پر سجدہ کرتے ہیں۔ امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور زمخشری نے امام اعظم کی طرف اسی قول کو منسوب کیا ہے اور زمخشری کی روایت رافعی کی روایت سے زیادہ قوی ہے یا شاید رافعی کی روایت میں امام اعظم کے اول قول کا بیان ہو اور زمخشری نے آخری قول نقل کیا ہو۔ لَا یَسْئَمُوْنَ پر سجدہ کرنے سے فوت سجدہ یا مقام سجود سے پہلے سجدہ کر لینے کا احتمال باقی نہیں رہتا، اس لئے یہی اولیٰ ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ چار آیات علویہ ذکر فرمائیں۔ اب آیاتِ ارضیہ کی طرف توجہ فرمائی۔ کچھ لوگ پانی کی پوجا کرتے ہیں۔ دریاؤں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اُن کی اتنی تعظیم کرتے ہیں جیسے خدا کی۔ کچھ آدمی درختوں کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ یہ دونوں عقیدے اور عمل غلط ہیں۔ زمین خشک ہوتی ہے، پانی برستا ہے، زمین کی قوت نامیہ میں جوش آجاتا ہے۔ پوشیدہ طاقتوں میں ایک لہر اور جنبش پیدا ہوتی ہے۔ مٹی کی تہہ پھولتی ہے، ابھرتی ہے، پھٹتی ہے، سبزہ نمودار ہو جاتا ہے جس میں پھل اور دانے آتے ہیں۔ جانور چرتے ہیں آدمی کھاتے ہیں۔ یہ قدرت کی کھلی ہوئی نشانی ہے، اللہ کی رحمت ہے۔ اس سے پانی کو دیوتا اور درختوں کو حیات بخش سمجھ لینا غلطی ہے۔ یہ چیزیں تو بے جان بے بس بے اختیار ہیں۔ حکم اور تصرف تو خدا کا جاری ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بارش سے سبزہ کی زندگی کو دیکھ کر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کیا جاتا اور یقین کر لیا جاتا کہ

اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کہ جس خدا نے مردہ زمین کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی وہ قیامت کے دن مردوں کو ضرور زندہ کرے گا۔ لیکن ایسا تو نہیں کیا جاتا۔ اُلٹا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے آثار کو مؤثر اور مجبور کو مختار تصور کر لیا جاتا ہے۔

خشوعِ ارض سے مراد ہے اللہ کی عظمت کے سامنے زمین کی پستی، عاجزی اور بے بسی یا خشک بنجر پڑا ہونا۔ اہتزاز جنبش اور لہر کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہے قوتِ نامیہ کی خفیف جنبش اور اس کے اندر نمو کی لہر پیدا ہونا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ مُردے کس طرح زندہ ہوں گے۔ ارشاد فرمایا تم اپنی قوم کی وادی میں سے گذرتے ہو صحابی نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا وہ خشک میدان ہوتا ہے۔ عرض کیا جی ہاں فرمایا پھر ایک وقت تم اُدھر سے گذرتے ہو تو وہ ہرا بھرا لہلہاتا نظر آتا ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا یہی دلیل (قدرت) ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ۭ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ الحاد کا لغوی ترجمہ ہے منحرف کرنا موڑنا۔ اگر آیت میں آیات سے مراد قدرتی اور فطری آیات ہیں تو ان کا الحاد وہی ہے جس میں تمام مظاہر پرست اور مخلوق کی پجاری قومیں مبتلا ہیں اور قرآن میں بہت جگہ جن کو راستی کی طرف آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ آثار قدرت کو مؤثر اور علاماتِ فعل کو فاعل سمجھ لینا سب سے بڑا الحاد فی الآیات ہے۔ سارے آیات فطرت کا صحیح رُخ تو فاعل حقیقی کی طرف ہے۔ صانع کی جانب سے ان کے رُخ کو موڑ کر مخلوق کی طرف پھیر دینا اور خالق کی جگہ مخلوق کو دینا دماغی کجروی اور ذہنی الحاد کی علامت ہے۔ لیکن اگر آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں جیسا کہ عام اہل تفسیر نے لکھا ہے تو الحاد کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے وضع الکلام فی غیر محلہ بیان فرمائے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ فقرہ بہت معانی کو حاوی ہے۔ ۱۔ کفر و شرک (قتادہ) ۲۔ آیات قرآنیہ کی نہ تکذیب کرنا نہ تصدیق اُن کی طرف توجہ ہی نہ کرنا گویا ان کو بے ضرورت سمجھنا (مجاہد) ۳۔ تلاوت کے وقت شور و غل مچانا، گڑبڑ پیدا کرنا ۴۔ بعض الفاظ کو بدل ڈالنا، اصل آیات پر طعن کرنا اور تبدیل کو صحیح سمجھنا ۵۔ الفاظ کو غلط معنی پہنانا اور باطل تاویل کرنا۔ یہ تمام صورتیں الحاد کی ہیں۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ جو کچھ دل چاہے کئے جاؤ۔ اللہ تمہارے کرتوت دیکھ رہا ہے۔ ایسا واقف ہے جس طرح دیکھنے والا واقف ہوتا ہے۔ آیت اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ میں کافروں کے لئے تہدید اور اہل ایمان کے لئے بشارت تھی جس کی مثالیں (بطور تعین) بعض اہل تفسیر نے بیان کی تھیں مثلاً جہنمی ابوجہل ہے اور جنتی ابوبکر صدیق (ابن عباس)، یا جنتی عمار بن یاسرؓ ہیں (بشیر بن تمیم و عکرمہ) یا فاروق اعظمؓ ہیں یا حضرت حمزہؓ ہیں یا حضرت ابو سلمہؓ مخزومی ہیں۔ یہ سب مثالیں ہیں تعین اور حصر غلط ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں بقول مجاہد عطاء خراسانی اور ضحاک

toobaafoundation.com

کے کافروں کو تہدید ہے (یعنی مسلمانوں کو خطاب نہیں) لیکن حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اہلِ ایمان کے لئے بشارت ہے (یعنی کافروں سے خطاب نہیں)، ابن عباس سے یہاں تک فرمایا کہ یہ آیت صحابہ: در اہلِ بدر کے لئے خاص ہے شاید اس روایت میں سنداً ضعف ہو کیونکہ آیت مکی ہے اور معرکۂ بدر ہجرت کے بعد ہوا یا ابن عباس کی تفسیر کا یہ مطلب ہے کہ اس آیت کے مصداق تمام صحابہ تھے۔ لیکن خصوصیت کے اہلِ بدر اس کے مظہرِ اتم ثابت ہوئے کیونکہ اللہ نے ان کو مغفرت کی بشارت دیدی۔ اور سب کچھ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ میرے خیال میں آیت میں تہدید بھی ہے کافروں کے لئے اور بشارت بھی ہے مومنوں کے لئے جس طرح آیت اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ میں وعدہ بھی تھا اور وعید بھی۔ اسی طرح اس آیت میں ترہیب بھی ہے اور ترغیب بھی اور مجمل طور پر فرمادیا کہ جو کچھ جس کا دل چاہے کئے جائے۔ اللہ سب کے اچھے برے عمل دیکھ رہا ہے وہی سزا جزا دے گا

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ اس آیت کا مطلب بیان کرنے سے پہلے اجزاء کی تشریح ضروری ہے ۱؎ ذکر یعنی یادداشت۔ ضحاک سدی اور قتادہ کا قول ہے کہ ذکر سے مراد قرآن ہے۔ قرآن ایک نصیحت نامہ ہے۔ احکام و شرائع کا اس میں تذکرہ ہے حرام و حلال کا بیان ہے آدم و شیطان کی دشمنی کی تصریح ہے۔ اقوامِ ہالکہ فاجیہ کی تفصیل ہے۔ عہدِ ازل کی یاددہانی ہے۔ ہوش کو بیدار رکھنے کی تنبیہ ہے۔ تخلیقِ کائنات کی ضروری توضیح ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات اور ملائکہ کی صحیح توضیح ہے اچھے برے انجام اور جنت دوزخ کا اظہار ہے۔ غرض مبدء و معاد اور درمیانی زندگی کی مکمل تفسیر ہے۔ اسی وجہ سے اس کو ذکر کہا جاتا ہے، لیکن قرآن کا مقصد تاریخی واقعات کا بیان نہیں۔ تخلیقِ کائنات کی ژولیدہ گتھیوں کو سلجھانا نہیں۔ ملائکہ کے احوال سے خواہ مخواہ واقف بنانا نہیں۔ یہ فلسفۂ طبعیات، علم ارضیات و فلکیات اور تنقیح ماہیات و کیفیات کی کتاب نہیں۔ اصل مقصد انسان کو درسِ حیات دینا ہے اخلاقی سماجی اور مدنی اصلاح کرنا ہے، مخلوق کا خالق سے رشتہ جوڑنا ہے اور انسان کو فلاحِ دارین عطا فرمانا ہے یہ سارے کے دوسرے تذکرے ذیلی ہوں جن کا ذکر برائے ذکر نہیں بلکہ برائے یاددواشت و اصلاح ہے، اسی لئے پڑھے لکھے عقلمندوں سے زیادہ جاہلوں اور بیوقوفوں نے اس کا انکار کیا کیونکہ ان کو اپنی زندگیاں سدھارنے اور سنوارنے کا ہوش نہ تھا صرف ظاہری زندگی اُن کے پیشِ نظر تھی۔ انجام سے بے پرواہ ہو کر وہ کسی یاددواشت اور نصیحت نامہ کو کیوں مانتے۔ ۲؎ قرآن مجید زندگی کو سنوارنے والے قوانین کا مجموعہ ہے۔ ایسا کہ عزت و تکریم کا مستحق ہے ٹھکرانے اور ذلت کی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں۔ کتاب عزیز ہے اور کلام کریم۔ نزولِ آیت کے وقت اگرچہ پورا قرآن نہیں نازل ہو چکا تھا اسی لئے نزولِ آیت کے وقت ہی اس کو کتاب کہا گیا۔ یا یوں کہا جائے کہ قرآنی تعلیم بے ربط تعلیم نہیں اس کا کوئی ضابطہ دوسرے ضابطہ سے نہیں ٹکراتا وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اس کا کوئی قانون تخریبی نہیں ہر ایک تعمیری ہے۔ مثلاً توحید کا اقرار خود اعتمادی سکھاتا ہے۔ در در سجدہ ریزی کر کے توہینِ انسانیت سے بچاتا ہے انسان کو صفاتِ الٰہی کا مظہر بناتا اور بتاتا ہے۔ نماز کی تعلیم اخلاقِ فاضلہ سکھاتی ہے۔ غرض ہر ضابطہ بجائے خود صداقت کی مکمل تصویر ہے۔ گویا ہر جزو فرقان بجائے خود حق و باطل میں فرق ظاہر کرنے والا ہے اور ہر جزو کتاب ایک کتاب ہے مجمل۔ طلبگار فکر۔ وضاحت طلب۔

۳؎ قرآن مجید تک باطل کی رسائی نہیں۔ نہ آگے سے نہ پیچھے سے نہ اوّل سے نہ آخر سے نہ اس میں بشری ملفوظات کا شمول ہے نہ ملائکہ اور جن کے کلام کا دخل۔ نہ اس کی کوئی تعلیم جھوٹی تعلیم ہے نہ انسانیت کو تباہ کرنے والی۔ غرض قرآن کے الفاظ اور معانی تک کسی باطل اور جھوٹ اور غلطی کی پہنچ نہیں۔ اس میں جو کچھ ہے برحق ہے، کاشف ہے عین حق ہے۔

(نوٹ):۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک پیشین گوئی بھی ہو کہ آئندہ قرآن میں کوئی شخص گڑبڑ نہ کرسکے گا نہ الفاظ کی ساخت میں نہ عبارت میں نہ سیاق میں نہ تعلیم میں اور نہ تلقین میں۔ اس سے مراد نہیں کہ قرآنی آیات کی غلط تشریحات نہیں کی جائیں گی یہ تو انسانی ذہن کی تراش خراش ہے۔ جیسے چاہے تشریح کرے لیکن کسی کی ذہنی تراشیدہ چیز کو قرآن میں شامل نہیں کیا جاسکتا جیسے اقوامِ ماضیہ نے اپنے اختراعیات کو کتبِ الٰہیہ میں شامل کر دیا۔ ایسا قرآن میں نہ ہوگا۔ فَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

۴؎ قرآن کا نزول اللہ حکیم حمید کی طرف سے ہے۔ اللہ وہ عالمِ حقائق ہے جس کا علم ازل اور ابد کو حاوی ہے اور لازوال ہے۔ ایسا

toobaafoundation.com

حمید ہے جس کی ربوبیت و رحمت کا ذرہ ذرہ ثنا خوان ہے۔ ایسے حکیم رحیم اور عالم رب العالمین نے قرآن اتارا پھر اس میں غلطی کا امکان ہی کیسے ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید اگرچہ زندگی کی یادداشت ہے باعزت کتاب ہے برحق ہے۔ باطل اس کو

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ

چھو بھی نہیں سکتا۔ مہربان اور رحمان خدا نے اپنے انتہا علم کو کام میں لا کے اس کو بھیجا ہے۔ لیکن جاہلانہ انکار کا تو کوئی جواب نہیں۔ اتنی کھلی ہوئی حقیقت کے باوجود نابینا میت الفہم کافر حضورؐ کو شاعر، ساحر، کاہن اور مجنون کہتے ہی رہے ہیں اور دل آزار کلمات کہہ کر دکھ پہنچاتے ہی رہے اس لئے حضورؐ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ گزشتہ پیغمبروں سے جو (بیہودہ) الفاظ کہے گئے وہی آپ سے کہے جا رہے ہیں اور کہے جائیں گے۔ (لہٰذا افسوس ابن ابی حاتم و ابن جریر ذکرہ الشیخ ابن کثیر) خطیب نے لکھا ہے شاید یہ معنی ہوں کہ توحید کے اقرار و اعلان کا حکم جس طرح گزشتہ پیغمبروں کو دیا گیا تھا ویسا ہی آپ کو دیا جا رہا ہے۔ یعنی تمام شرائع الہٰیہ توحید میں متحد ہیں محمدی شریعت کا اعلانِ توحید کوئی نیا نہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ یعنی اللہ نے اپنے احکام پہلے بھی بھیجے اور اب بھی قرآنی صورت میں نازل فرما دیئے (لہٰذا ماننا اور عمل کرنا لوگوں کا کام ہے کوئی عمل کرے گا اللہ اس کو بخش دے گا) وہ بخشنے والا ہے (عمل نہیں کرے گا تو اللہ اس کو المناک عذاب دے گا) اللہ دردناک عذاب بھی دینے والا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب راوی ہیں کہ جب آیت إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے فرمایا اگر اللہ کی طرف سے عفو اور درگزر نہ ہوتا تو کسی کو زندگی گوارا نہ ہوتی اور اس کی طرف سے وعید اور عذاب نہ ہوتا تو ہر شخص بھروسہ کر بیٹھتا۔

تازیانہ

الحاد کی تفسیر ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، لیکن شیخ نے ریاکاری کو بھی الحاد کی ایک شاخ قرار دیا ہے (استقامت کی جو تشریح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی اس کی ضد یعنی خلوص عمل نہ ہونا الحاد کی ایک شاخ ہے) پھر شیخ نے صراحت کی ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کو سخت تہدید ہے جو مجلسِ حال و قال منعقد کر کے عوام کے سامنے جھومتے سر ہلاتے نعرے لگاتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر دنیا میں اپنے زہد کا ڈنکا پٹوانے کے لئے گوشہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ مشائخ اور اولیاء کی تصانیف پڑھ کر ان کے خیالات کو اپنی خواہشات کے موافق ڈھال کر اپنا بنا لیتے ہیں اور عوام کے سامنے ولی بن جاتے ہیں، لیکن دل کے ہر گوشہ کی آنکھ سے منتظر رہتے ہیں کہ امراء اور رؤساء ان کے پاس آئیں اور اپنے ہدایا اور نذرانوں سے اُن کی خدمت کریں۔ یہ لوگ نجوم و رمل اور شیطانی تدبیروں سے مکاشفہ و وجد اور حال کا دعویٰ کرتے اور اپنی قطبیت جتلاتے ہیں کاش ان کو معلوم ہوتا کہ اللہ کے یہاں اُن کی کیسی ذلت و خواری ہوگی۔ ایسے ہی مکاروں اور فریبیوں کو تہدید و تحذیر کے لئے اللہ نے فرمایا ہے۔ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ جو جی چاہے کئے جاؤ اللہ تمہارے کرتوت دیکھ رہا ہے۔

مقصودِ بیان

آیاتِ فلکیہ و فضائیہ کو پیش کر کے صانع کی قدرت عظیم اور حکمت بالغہ پر استدلال کرنا مقصود ہے۔ شمس و قمر کو سجدہ کرنے کی ممانعت ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کی روشنی اور نفع بخشی ذاتی اور اختیاری نہیں، خداداد اور اضطراری ہے اور جس کو نفع و ضرر کا اختیار نہ ہو اس کے ارادہ کو افادیت میں دخل نہ ہو وہ نہ کسی کی کارسازی کر سکتا ہے نہ اپنا نفع روک کر کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ سے استنباط ہو رہا ہے کہ توحید اور شرک جمع نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو خالق سمجھنا تو شرک ہر حال ہے، لیکن عملی سجدہ بھی غیر اللہ کے لئے حرام ہے یہ بھی شرک فی العبادت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ مطلقاً غیر اللہ کو کرنا ممنوع ہے۔ ہر سجدہ سجدۂ عبادت ہے سجدہ میں سجدۂ تعظیم اور سجدۂ عبادت کا فرق غلط ہے۔ عقیدۃً تو کافروں اور مشرکوں کا بھی نہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی خالق ہے وہ سجدۂ تعظیم کیا کرتے تھے پھر یہ سجدۂ تعظیمی مسلمانوں کے لئے کیسے جائز ہو جائے گا۔ فتبصروا۔

آیت يُسَبِّحُونَ لَهُ الخ میں صراحت ہے کہ ملائکہ مقربین شبانہ روز تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں اور اکتاتے نہیں۔ یعنی نفرت تھکان اور تنگدلی ان میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس مفہوم کا مخالف پہلو یہ نکلا کہ تنگدلی اور نفرت کی حالت میں عبادت قابلِ مدح نہیں۔ آیت إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ الخ سے قرآن میں ہر قسم کے الحاد کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے۔ لفظی ہو یا معنوی قرآن کے الفاظ کو اپنی طرف سے گھٹانا بڑھانا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح

toobaafoundation.com

خودساختہ تفسیر بالرای بھی ممنوع ہے۔ جاہل صوفی باطنیہ گروہ خارجی اور معتزلہ غرض ہر بدعتی مفسر کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ جاہل مولویوں اور گمراہ واعظوں کو اس سے تنبیہ ہونا چاہیئے جو لغیر تفسیری واقفیت کے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے آیات قرآنیہ کی تلاوت کر دیتے ہیں۔ مثلاً جب ان سے دینی تبلیغ کے لئے کہا جائے اور حکومت وقت کے قانون کی زد پڑتی ہو تو اپنے عزم کی سستی اور ایمان کے ضعف کو چھپانے کیلئے کہہ دیتے ہیں۔ ایسی بات کہہ دیتے ہیں گرفتاری، خانہ بربادی اور مال کی تباہی یقینی ہے اور اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ایسے مفسروں کو آیت کا مطلب ہی نہیں معلوم۔ وہ نہیں جانتے کہ جہاد و تبلیغ کا ترک ہلاکت آفریں ہے جس سے آیت میں روکا گیا ہے تبلیغ و دعوت توحیات بخش ہے۔ اگرچہ اس میں مالی تباہی ظاہراً رکھ رہی ہو۔ حضور اقدس اور صحابہ کی زندگیاں اس آیت کی عملی تفسیر تھیں۔ انہوں نے مالی تباہی خانہ بربادی اور گرفتاری کو خود آور دہ ہلاکت نہیں سمجھا۔ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ میں قرآن کو لفظ ذکر سے تعبیر کرنا بتارہا ہے کہ قرآن تعویذ گنڈوں کی کتاب نہیں۔ فال لینے کا صحیفہ نہیں۔ اس کا نزول اس لئے نہیں ہوا کہ خوشبو لگا کر غلاف حریر چڑھا کر طاقچہ پر برکت کیلئے رکھ دیا جائے بلکہ یہ زندگی کی ایک یادداشت ہے۔ اس میں جو کچھ سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے ہے وغیرہ۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ

اور اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) بناتے تو یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول۔ آپ کہہ دیجئے

اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ

کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے

ع ۵ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ

یہ لوگ (بوجہ عدم انتفاع کے ایسے ہیں کہ گویا) کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں (کہ آواز سنتے ہوں مگر سمجھتے نہ ہوں) اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس

فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ

میں بھی اختلاف ہوا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے (کہ پورا عذاب آخرت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا اور یہ

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا

لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

تفسیر خوئے بد را بہانہ بسیار۔ دل چاہتا نہیں دماغ مانتا نہیں۔ عقل نابینا بصیرت مردہ اس پر بہانہ یہ کہ عربی تو پیغمبر کی زبان ہے۔ خود ادیب ہیں پڑھی کے کتاب خود لکھ لی اور کہہ دیا خدا نے بھیجی ہے۔ کمال تو جب تھا کہ کسی عجمی زبان میں قرآن بھیجا جاتا تب یقین کے قابل تھا۔ بے وقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ قرآن اگر عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو یہ سمجھتے کیسے اس وقت کہتے کہ عربی پیغمبر اور عجمی کتاب۔ ہم اس کو کیا جانیں کھول کر

toobaafoundation.com

احکام کیوں نہیں بیان کئے کہ ہم سمجھ لیتے۔ مطلب کہ قرآن کا عربی ہونا بھی قابلِ قبول نہیں اور عجمی ہونا بھی غیر مفید ہے۔ حقیقت میں اپنے اپنے ظرف کا فرق ہے۔ اگر قلب بنجر اور شور نہیں اور اس میں ایمان کی صلاحیت ہے اُس کے لیے تو قرآن چراغِ ہدایت ہے۔ دونوں جہان کی سعادت کے حصول کا رستہ اس کو دیکھ جاتا ہے۔ اور تمام نفسانی بیماریاں اس نسخۂ شفا سے دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو اندھے بہرے میت القلب ہیں ان کو کیا حاصل۔ عربی میں قرآن ہوا تو کیا اور عجمی میں ہوا تو کیا۔ بھٹکنے والی گمراہ بھیڑیں دور سے چرواہے کی پکار سنتی ہیں۔ سمجھتی کچھ نہیں۔ ان کو کیا فائدہ کہ چرواہا کس زبان میں پکار رہا ہے۔ کچھ راہ بھیڑوں کو عبرانی زبان میں بھی تو حضرت موسیٰ نے پکارا تھا، لیکن ان ہی بھوٹ جب بھی پڑی تھی کوئی کسی رلہ گیا تھا کوئی کسی راہ۔ حالات کا تو تقاضا تھا کہ کسی بھیڑیئے کو بھیجوا کر ان کا تکہ بوٹی کرا دیا جاتا۔ جو سیدھی راہ پر تھا وہ بچ جاتا جو بچ رہ گیا تھا وہ تباہی کے غار میں گر جاتا، مگر خدا نے ایک ضابطہ مقرر کر رکھا ہے جس کو توڑنا نہیں چاہتا۔ اس نے ہر شخص کو اچھائی برائی کا اختیار دے رکھا ہے اور کہہ دیا ہے جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

تحلیلِ اجزاء

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ط۔ اس آیت کا حاصل مطلب دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے فرمایا ہے۔ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ یعنی اگر کسی عجمی شخص پر قرآن اتارا جاتا اور وہ پڑھ کر سناتا تو یہ نہ مانتے۔ مقصد یہ کہ اگر کسی عجمی زبان میں کتاب ہدایت کا نزول ہوتا تو عرب والے اس کو بھی نہ مانتے اور کہتے کہ ہماری زبان میں تفصیلی احکام کھول کر کیوں نہیں بیان کر دیئے گئے ہم اسے کیا جانیں عجمی زبان میں کتاب ہے اور مخاطب عرب ہیں۔ یہ عجیب بات ہے (ہکذا فسرہ ابن عباس ومجاہد وعکرمۃ وسعید بن جبیر وسدی وغیرہم)

حسن بصری کی روایت میں ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ہمزۂ استفہام کے ساتھ نہیں ہے بلکہ عجمی وعربی آیا ہے، اس لئے انہوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قرآنی آیات کو الگ الگ کیوں نہیں بیان کیا گیا کہ کچھ عجمی ہوتا کچھ عربی، عرب والے اپنی زبان میں سمجھ لیتے اور عجم والے اپنی زبان میں۔ یہ مطلب سیاق کے خلاف ہے۔ عرب والوں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ عجمی زبان میں بعض آیات کے نزول کی خواہش کرتے۔

بعض مفسرین نے تشریحی مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ عجمی زبان سے ناواقف تھے۔ آپ کی زبان خالص عربی تھی، اس لئے اگر قرآن عجمی میں ہوتا تو اعتراض کرنے والے کہتے کہ رسول تو خالص عربی ہے اور کتاب لایا عجمی زبان میں۔ ہم کیا سمجھیں کتاب میں ضرور گڑبڑ ہوگی۔

بعض نالائقوں نے کھول کر کہہ دیا تھا کہ کوئی عجمی غلام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سکھلا دیتا ہے، لیکن قرآن ہے عربی میں، اس لئے ان کی اس بات میں وزن نہیں۔ ہاں اگر عجمی زبان میں قرآن ہوتا تو ان کا یہ خیال بہت وزنی ہو جاتا۔

کیا رسول اللہ صلعم فارسی زبان جانتے تھے؟

سنن ابن ماجہ میں آیا ہے کہ حضورؐ نے ایک بار شکمت درد۔ فرمایا تھا۔ اس سے لوگوں کی رائے قائم کی کہ حضورؐ فارسی سے واقف تھے، مگر یہ رائے بہت کھوکھلی ہے۔ شیخ ابن جوزی، ملا علی قاری اور دوسرے ناقدین نے تحقیق کے بعد اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہ کسی رافضی کی خود ساختہ روایت ہے۔ صاحبِ تفسیر نے مدارک میں اس جگہ سے استنباط کیا ہے کہ قرآن صرف معنی کا نام ہے عربی الفاظ میں ہو یا عجمی زبان میں۔ الفاظ جزءِ قرآن نہیں ہیں، لیکن یہ شبہ بے بنیاد ہے۔ آیت میں تو جملہ شرطیہ ہے اور جملہ شرطیہ میں حکم علی التقدیر ہوتا ہے۔ جزء اوّل کا تحقق ضروری نہیں، جیسے اگر زید گھوڑا ہوتا تو ضرور ہنہناتا۔ اس جملہ میں زید کا گھوڑا ہو جانا ضروری نہیں۔ اس جملہ کو سن کر زید کی فرسیت کا یقین کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آیت کا مطلب ہے کہ اگر قرآن عجمی زبان میں کسی عجمی پیغمبر پر اتارا جاتا تو یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن کسی عجمی پیغمبر پر یا کسی عجمی زبان میں اتارا گیا۔

تنبیہ

امام اعظم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک چونکہ قرآن صرف معانی کا نام تھا، اس لئے آپ نے فارسی میں نماز کو جائز قرار دیا تھا، مگر امام کی طرف اس قول کا انتساب غلط ہے۔ معتزلہ کی ایجاد ہے اور صحیح بھی ہو تو آخر میں رجوع ثابت ہے اور مجتہد جس قول سے رجوع کر لے وہ کالعدم ہو جاتا ہے۔ (کذا فی درمختار وفتاویٰ عالمگیری)

قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ط۔ آدمی ایک مسافر ہے جو زندگی کا سفر طے کر رہا ہے۔ راستے پر پیچ اور تاریک ہیں۔ کسی راستے کی انتہا ہلاکت پر ہے۔ کوئی راستہ منزلِ مقصود پر پہنچاتا ہے۔ عقل کی رہنمائی کافی نہیں۔ تمام راستوں کو دیکھ کر کسی کی عقل نہیں آئی کہ سیدھے ٹیڑھے اور

toobaafoundation.com

ہلاکت و نجات کا فیصلہ کرسکے ۔ اللہ کو سیدھے ٹیڑھے سب راستے معلوم ہیں ۔کون راستہ تباہی کے غار میں گراتا ہے اور کون عافیت کی منزل پر پہنچاتا ہے اس کا علم اُسی کو ہے ۔ زندگی کا صحیح راستہ بتانے کے لئے اُس نے قرآن مجید کو نازل فرمایا ۔اب یہ کام عقل کا ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو سمجھ کر اُس پر آدمی کو چلائے ۔جن کے دلوں میں ایمان کا خمیر ہے اُن کی عقلیں قرآنی ہدایات کو سمجھتی اور منزل بہ منزل چلتی ہیں ۔ قرآن مومن کیلئے واقعی رہنمائی کرتا ہے یعنی قرآنی رہنمائی کا فائدہ اُن ہی کو پہنچتا ہے ۔

ہر آدمی بیمار ہے ۔علمی اور عملی ،عقلی اور اخلاقی ، شخصی اور اجتماعی امراض میں مبتلا ہے ۔ مزاج عناصر کی بیماری ہو تو حکیم ڈاکٹر سے علاج پوچھا جائے نظام بشری کا علاج کون جانے ۔کس کو اس کے شخصی اور اجتماعی امراض کی پہچان ہے اور اس کے پاس ان امراض کو دور کرنے کے لئے نسخۂ شفا ہے ۔اللہ نے اس روگ کو دور کرنے کے لئے نسخۂ قرآنی تجویز کیا ، مگر یقین نہ رکھنے والوں کے لئے وہ سودمند نہیں ۔یقین نہ ہوگا تو دوا کا استعمال کیسے کیا جائیگا اور استعمال نہ ہوگا تو فائدہ کیا ہوگا ۔اس سے معلوم ہوا کہ صرف اہل ایمان کے لئے قرآن ہدایت نامہ بھی ہے اور نسخۂ شفا بھی ۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۔ لیکن جن دلوں میں ایمان کا خمیر ہی نہیں ۔جنہوں نے سچی بات کو نہ ماننا اپنے دلوں میں طے کرلیا ہے وہ بہرے اور اندھے ہیں ۔ قرآن ہر مسلمان کو زندگی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے ، مگر ان کو دیکھتا ہی نہیں ہر طرح سے صراط مستقیم کے نشانات علامات بتائے جاتے ہیں ، لیکن وہ سنتے ہی نہیں ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑوں ، بکریوں اور اونٹوں کا ایک گلہ ہے بھٹکا ہوا اِدھر اُدھر گھومنے والا ۔چرواہا ان کو دور سے پکارتا ہے للکارتا ہے ، درندوں کی طرف جانے سے روکتا ہے ۔پھاڑے جانے اور لقمہ سباع بننے سے ڈراتا ہے ۔سیدھے راستے پر چلنے کو کہتا ہے ، مگر وہ کیا سمجھیں ان کو دور سے ایک چیخ صرف سنائی دیتی ہے ۔منہ اٹھاکر حیران ہوکر دیکھتے ہیں پھر جس راستے پر جارہے تھے اسی پر چلتے رہتے ہیں ۔ ایسے گروہ کو قرآن کی رہنمائی سے کیا فائدہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۔یعنی قرآن کے متعلق مومنوں اور غیر مومنوں کا جو اختلاف ہے وہ نیا نہیں ۔توریت بھی جب موسیٰ کو دی گئی تو اس میں بھی لوگوں نے یونہی اختلاف کیا ۔کسی نے مانا کسی نے نہ مانا ۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۔اگر اللہ کی طرف سے ایک ضابطہ مقرر نہ ہوچکا ہوتا تو اس اختلاف کا فیصلہ ہوچکتا ۔ نہ ماننے والوں کو آخرت کا عذاب یہیں مل جاتا اور ماننے والوں کو ایمان و اعمال کے عوض اخروی ثواب اسی زندگی میں نصیب ہوجاتا ۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۔ نہ ماننے والے کتاب اللہ کے معاملہ میں ایسی تردد آفریں شک میں مبتلا ہوتے کہ عذاب آخرت آپہنچتا اور سب کو ہلاک کردیا جاتا ، مگر اللہ کا ازلی حکم جاری ہے ۔اس نے اس دنیا کو دار العمل اور آخرت کو دار الجزاء قرار دیا ہے ۔جزاء آخرت دنیا میں نہیں مل سکتی اور اعمال کی دنیا یہیں ختم ہوجاتی ہے ۔ آخرت دار العمل نہیں ، اس لئے مومن و کافر کا عملی فیصلہ نہیں ہوسکتا ۔

ہم نے جملۂ مذکورہ کو حالیہ قرار دیا ہے اور جملہ مذکورہ میں بَيْنَهُمْ کی ضمیر کو ذو الحال ۔گویا دونوں جملے مربوط ہیں ، لیکن عام اہل تفسیر نے دونوں جملوں کو مستقل قرار دیا ہے ۔اوّل جملہ میں حکم ازلی کا بیان تھا ، اس جملہ میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کافر جو قرآن کی تکذیب کرتے ہیں وہ کسی بصیرت اور یقین کی روشنی میں نہیں کرتے ۔ان کے دلوں کی حالت غیر یقینی ہے ، ایک تردد ہے جس میں ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں ۔ ابن کثیر ، بعض مفسروں نے اس آیت کو آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کا فَاخْتُلِفَ فِيْهِ سے متعلق قرار دیا ہے یعنی توریت میں اختلاف کرنے والے بصیرت کی بنا پر اختلاف نہیں کرتے تھے بلکہ نفسانیت و عداوت سے شک کرتے تھے ۔میرے نزدیک یہ تشریح غلط ہے کیونکہ آیت میں فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ہے فَاخْتَلَفَ عَنْهُ نہیں ہے اور توریت پر اختلاف کرنے والے دو فریق تھے ۔ایک حق جانتا تھا دوسرا باطل ۔ایک کی نظر میں توریت سچی کتاب اللہ تھی ۔ دوسرے کی نظر میں خودساختہ یا غلط اور ظاہر ہے کہ شک مؤخر الذکر گروہ کو ہی تھا ۔ اوّل الذکر کو نہ تھا ۔اگرچہ اختلاف دونوں کے درمیان تھا پھر اِنَّهُمْ کی ضمیر تمام اختلاف کرنے والوں کی طرف راجع کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے اور اختلاف کا معنی عداوت اور نفسانیت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے ۔بہرحال اللہ نے اس دار العمل میں سب کو مہلت دے رکھی ہے ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۔ کوئی بھلائی کرے گا تب اپنے لئے اور برائی کرے گا تب اپنے لئے

toobaafoundation.com

خدا کسی پر جبر نہیں خواہ مخواہ کسی پر عذاب نہ ہوگا۔ کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔۔

مقصودِ بیان

قرآن مجید کی عمومی دعوت پر ایک شبہ ہمیشہ پیش کیا جاتا رہا ہے کہ قرآن عربی میں ہے۔ تمام عالم کی ہدایت سے اس کا کیا واسطہ۔ صرف عربوں کی ہدایت کا کتابچہ اس کو کہا جا سکتا ہے۔ دوسری قوموں کو ہدایت مقصود ہوتی تو ان کی زبانوں میں کی جاتی۔ آیت وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے کیونکہ کسی معین زبان میں تو اللہ کے احکام ہی نازل کئے جاتے دوسری زبانوں والے یہی اعتراض کر بیٹھتے عجمی میں کتاب ہوتی تو عرب کہتے ہم کو اس سے کیا فائدہ۔ عمومی دعوت کیلئے بین الاقوامی زبان کون سی تھی جس میں احکام بھیجے جاتے۔ اس لئے شبہ ہی بےکار ہے۔

هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ میں اصل مقصد کا اظہار مقصود کہ قرآن کی غرض کسی زبان کی پیشکش نہیں کہ دوسری زبانوں والے اپنی بے تعلقی ظاہر کریں۔ اس کا مقصد زندگی کی رہنمائی اور تمام علمی وعملی امراض کی بیخ کنی ہے اور یہ مدعا عربی زبان میں ہونے کے بعد بھی پورا ہوتا ہے پھر شک بےبنیاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ سے یہ غرض ہے کہ جو ایمان لانے والے نہیں۔ ان کے لئے قرآن بےکار ہے۔ آخری آیت میں ایک ضابطہ عمل بیان فرمایا ہے۔

چوبیسواں ۲۴ پارہ ختم ہوا

toobaafoundation.com